بسم اللہ

اربابِ علم و تحقیق کی خدمت میں اپنی نوعیت کا واحد مجموعہ زریں

تاریخی مضامین

از

علامہ محمد عبد الشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

بعالیخدمت

حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ

ناشر

ادارۂ تحفظِ ناموسِ اہل بیت پاکستان

اے ۲۱۹، سی بلاک، شمالی ناظم آباد، حیدری کراچی

انتساب

اس مجموعۂ زرّیں کو اسلامی تاریخ کے امام المظلومین، اپنے جدِ اعلیٰ (علی مرتضیٰ ؓ) کی طرف منسوب کرتا ہوں، اور ترجمانِ اجداد کی حیثیت سے اُن جملہ روایات کی، جن سے جدّ اعلیٰ موجودہ قرآن کے مخالف اور اپنا دوسرا قرآن ترتیب دینے والے، نیز موجودہ قرآن کو مشکوک و محرّف اور دل سوز و گمراہ کن عبارتوں سے آلودہ قرار دینے والے نظر آتے ہیں، سختی سے تردید کرنا اپنی ایمانی اور نسبی ذمہ داری سمجھتا ہوں۔

واضح رہے کہ جدّ اعلیٰ اور ان کی جملہ اولاد و وابستگان موجودہ قرآن کی ترتیب، اس کے ایک ایک حرف پر ایمان و تعمیل کے اسی درجہ پابند و مکلّف تھے، جس طرح ملّتِ اسلامیہ کے دوسرے کلمہ گویان، ایسی ایمان سوز و جعلی روایات کا اندوہناک نتیجہ ایک طرف تو قرآن کا ناقابلِ اعتبار ہوجانا ہے اور دوسری طرف اجدادِ کرام کا اسلام سے باہر۔

ترجمانِ اجداد
سیّد علی مُطہّر نقوی امروہوی
بروز دوشنبہ ۱۴؍ رجب ۱۴۱۲ھ
۱۹؍ جنوری ۱۹۹۲ء

فہرست مضامین

عرض ناشر

شیعوں کی دینی حیثیت کے متعین ہیں، اہل علم کو شکوک و تذبذب کی دلدل سے نجات بخشنے والا سنگِ میل مجموعہ۔

الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے راقم کو وقفہ وقفہ سے امام اہل سنت کے علم و تحقیق سے ملبب مضامین کو اہل علم تک پہنچانے کی سعادت بخشی ہے، چنانچہ اسوقت علامہ موصوف کے چند مضامین جو مخصوص پس منظر کے حامل ہیں، ہدیۂ قارئین کر رہا ہوں، جن کی اشاعت ملتِ اسلامیہ کی عالمی بیداری اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے پیش نظر وقت کا عین تقاضہ اور دینی و قومی خدمت و ضرورت ہے۔

امام اہل سنت کے متعلق مولانا ماہر القادری مرحوم نے اپنے جو جذبات و خیالات قلمبند فرمائے ہیں وہ راقم کے جذبات و خیالات کی صحیح عکاسی ہے، جن کی نقل پر راقم الحروف قناعت کر رہا ہے۔

حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی قدس سرہ سے جب بھی نیاز حاصل ہوا، بڑی شفقت اور محبت کا اظہار فرمایا، بزرگانہ تواضع جس میں خلوص کے سوا اور کسی شے کی آمیزش نہ تھی! ایک بار اپنی بیس پچیس کتابیں عنایت فرمائیں، اُن کتابوں کے مطالعہ سے مجھ کم سواد کو بہت کچھ روشنی ملی، اور معلومات میں اضافہ ہوا، خاص طور سے "حدیثِ قرطاس" کے بارے میں جو الجھن تھی وہ دور ہوگئی۔

بعض لوگوں کی زبان سے یہ باتیں بھی ان کانوں نے سُنیں کہ رفض کی تردید کرتے کرتے مولانا کے مزاج و طبیعت میں خارجیت کی جھلک پیدا ہوگئی ہے، مگر مولانا مرحوم نے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے جو حالات لکھے ہیں، انھیں پڑھ کر معلوم ہوا کہ انکی ذات سے "خارجیت" کی نسبت بے سروپا تہمت ہے۔ اہل بیت کرام سے وہ اسی طرح محبت اور عقیدت رکھتے ہیں، جو اہل سنت کا شعار ہے۔ بلکہ مجھے تو فضائلِ علیؓ میں ایک دو مقامات پر مولانا کے قلم سے "غلو" کی جھلک نظر آئی۔

۱۹۴۷ء کے خونیں انقلاب کے بعد میں "پاکستان" چلا آیا، حضرت مولانا عبدالشکور مرحوم "پاکستان" بننے کے بعد دو تین بار کراچی تشریف لائے۔ گزشتہ سال کراچی کے مشہور مخیر سیٹھ عبداللطیف باوانی مرحوم کی نمازِ جنازہ میں مولانا مرحوم سے شرفِ نیاز حاصل ہوا اُن کے بڑھاپے کو دیکھ کر دل میں کھٹک

پیدا ہوئی کہ دین و اخلاق کی یہ شمع اب زیادہ دن تک نہ بھڑک سکے گی! اس ملاقات کے چند مہینے بعد اخبارات میں اُن کی وفات کی خبر پڑھی۔

حضرت مولانا عبدالشکور جیسے ثقہ اور مخلص عالم روز روز پیدا نہیں ہوتے، وہ ایک طرف علم وفضل کا کوہِ گراں تھے تو دوسری طرف نیکوکاری اور تقویٰ کا نور اُن کے چہرے سے جھلکتا تھا، ان کی ذات سلفِ صالحین کا روشن نمونہ تھی، رہنا سہنا کس قدر سادہ، لباس معمولی اور چال ڈھال کتنی باوقار اور شستہ تعلیق تھی، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عصمت و عزت کی مدافعت میں جو لازوال علمی اور دینی کارنامہ انہوں نے انجام دیا ہے، اس نے انہیں "امام اہلسنت" بنا دیا۔

رحمۃ اللہ علیہ و برّد مضجعہ و نوّر مرقدہ ماہنامہ "فاران" جولائی ۱۹۶۲ء

بواسطہ یادِ رفتگان

"تارک مذہب شیعہ (جگر مرادآبادیؒ) بھی علامہ لکھنویؒ کے ایسے ہی عقیدتمند و فریفتہ تھے، امام موصوف کو دیکھتے ہی ایمان و مسرت کی لہر دوڑ جاتی تھی، اپنے زمانہ کی دو شخصیتوں سے خصوصی عقیدت رکھتے تھے۔ امام اہلسنت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی اور حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہا اللہ۔ اس سے بڑھ کر خوش بختی کیا ہوگی کہ جگر صاحب اور ماہر صاحب دونوں کو امام اہلسنت کی حیات بلکہ موجودگی میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایک سال مدح صحابہ کے مشاعرہ کی صدارت کا اعزاز بھی بخشا۔

دینی شعور و خودداری کا بروقت مظاہرہ :

اپریل ۳۷ء میں جب یوپی گورنمنٹ کی طرف سے "ایلسپ کمیٹی" مسئلہ مدح صحابہ کا جائزہ لینے کے لئے تشکیل پائی تو اس میں شیعوں کے واحد نمائندہ، امام الشیعہ مولوی ناصر حسین صاحب تھے، اور اہل سنت کی طرف سے واحد نمائندہ امام اہلسنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ، حالانکہ مخالفین مدح صحابہ کی طرف سے امام اہلسنت کی متفقہ حیثیت کو مجروح کرنے کیلئے بریلوی مکتبہ فکر کا نمائندہ لینے کی کسی کوشش میں کوئی دقیقہ باقی نہ رہا، مگر علماء "بریلی" اور علماء "فرنگی محل" دونوں نے باوجود مخالفینِ صحابہ کی ہزار سعی وجہد کے "ایلسپ کمیٹی" میں اپنا مزید نمائندہ نہ بھیج کر علامہ لکھنویؒ کے واقعی متفقہ امام اہلسنت ہونے پر قابلِ تقلید مثال قائم کردی۔

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

ترجمانِ اجداد

سید علی مطہر نقوی امروہوی

۲۳ رجمادی الاولی ۱۴۰۹ھ
مطابق ۳ رجنوری ۱۹۸۹ء
بروز سہ شنبہ

امام اہلسنت مدظلہ[۱]

تو اپنے عصر کا خمخانۂ ملت کا ساقی ہے
نشان عظمت فاروق اعظم تجھ سے باقی ہے

مباحث میں ہیں سچ کہدوں جو تو موجود ملتا ہے
نگاہیں تھرتھرا جاتی ہیں دل باطل کا ہلتا ہے

ترے ہاتھوں میں ہیں دکھتی رگیں کل شر کے بانیوں کی
ترے نوک زباں میں صفحے کیا سطریں کتابوں کی

ریاض چہل سالہ وہ تری بے لوث قربانی
الگ کبتک نہ آخر کار ہوتے دودھ اور پانی

خدا چاہے تو باطل پر رہے غالب تری ساعی
گلا النجم کا گھٹ جائے چلائے گا الداعی

گنوائی خدمت دین ہدا میں زندگی تو نے
عطا کی دھندلے آئینوں کو پھر تابندگی تو نے

کرائی ترک رسم سجدہ قبروں پر جو تھی جاری
کرائے بند وہ کونڈے پٹاخے تعزیئے داری

بہت سے کام بن آئے رشید اس خشک زاہد سے
بہت اسلامیاں کو فیض پہنچا اس مجاہد سے

ترقی عمر میں ہو دو جہاں میں بول بالا ہو
جو اس پر خار کھائے منہ الٰہی اس کا کالا ہو

رشید — ملیح آبادی

---

[۱] یہ نظم امام اہل سنت کی حیات میں "الداعی" لکھنؤ میں شائع ہوئی تھی۔

(۱) علامہ سید سلیمان ندوی رحؒ (سابق شیخ الاسلام پاکستان)

جناب مولانا عبدالشکور صاحب ایک صالح، متقی و فاضل عالم اہلسنت واحناف ہیں اور اس عصر میں ان کا وجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں پر احسانِ عظیم ہے۔[۱]

از "النجم"

[۱] چند سال کی بات ہے کہ راقم الحروف "لاہور" میں حضرت مولانا سید نفیس رقم صاحب مد ظلہ العالی کے یہاں مقیم تھا، ایک صاحب نے بتایا کہ میں جن ایام میں "دیوبند" میں زیر تعلیم تھا، کچھ سمجھنے کے لئے ہم چند ساتھی مولانا شبیر احمد صاحب رحؒ کے گھر گئے، استاذِ محترم نے دورانِ گفتگو فرمایا کہ مولانا عبدالشکور صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ "شیعہ تحریفِ قرآن کے قائل ہیں اور ہم مولانا عبدالشکور صاحب پر اعتماد کرتے ہیں"

"دیوبند" سے فراغت کے بعد میں نے اپنے اندر مناظرانہ صلاحیت پیدا کرنے کی غرض سے "دار المبلغین لکھنؤ" میں داخلہ لیا، اور چھ ماہ علامہ لکھنوی سے فیضیاب ہوتا رہا۔ میرے چھ ماہ کی رہائش کے دوران "دار المبلغین" میں میری موجودگی ہی میں سید سلیمان ندوی دو مرتبہ تشریف لائے، سید صاحب رحؒ جب بھی تشریف لاتے، مولانا سلسلۂ درس بند کر کر علیحدہ دوسرے کمرے میں سید صاحب رحؒ کے پاس جا بیٹھتے۔ علم و بصیرت کے دونوں اماموں کی یہ علمی نشست کئی کئی گھنٹے جاری رہتی، درس کا تمام وقت ملاقات کے حوالہ ہو جاتا تھا۔

(۲) مفتی کفایت اللہ صاحبؒ (مفتی اعظم متحدہ ہند)
مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ اس دور کے شاہ عبدالعزیزؒ ہیں۔[1]

(۳) مولانا سید ابوالاعلےٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ
میں مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی کے علم و فضل اور تدین کا معترف ہوں۔[2]

(۴) علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
(قائد تحریکِ پاکستان وسابق شیخ الاسلام پاکستان)
شیعوں کے متعلق مولانا عبدالشکور صاحبؒ کی تحقیق یہ ہے کہ شیعہ تحریفِ قرآن کے قائل ہیں، اور ہم مولانا عبدالشکور صاحبؒ پر اعتماد کرتے ہیں۔

(۵) مولانا محمد الیاس صاحبؒ (بانی تبلیغی جماعت)
مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی امامِ وقت ہیں۔ ان مشرقی دیار میں حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کا وہی مقام ہے جو ہمارے مغربی دیار میں حضرت تھانوی (مولانا اشرف علی صاحبؒ) کا تھا۔

(۶) مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (سابق مفتی اعظم پاکستان)
حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی دامت برکاتہم کی تصنیفِ لطیف "علم الفقہ" اردو زبان میں مکمل، فقہ اسلامی کی بہترین کتاب ہے اس کے معتبر ہونے کے لئے تو خود حضرت مصنف کا اسم گرامی کافی ضمانت ہے جو اپنے علم و فضل اور خدمات کی بنا پر محتاجِ تعارف نہیں۔ بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

جمادی الاول ۱۳۸۱ھ

از "علم الفقہ"
مطبوعہ دارالاشاعت "کراچی" "پاکستان"

(۷) شیخ الحدیث علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ
مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ ہمارے امام ہیں۔ (خود راقم سے فرمایا تھا)

---

[1] از معمر بزرگ خصوصی خادم العلماء مسلم صاحب مدظلہ العالی۔ (ٹھٹائی کمپاؤنڈ کراچی)
[2] مولانا مودودی کے یہ الفاظ جسٹس مولانا ملک غلام علی صاحب نے راقم کو سنائے تھے۔

تاثرات

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی

مولانا روایت کرنے میں بڑے محتاط تھے، اور جچے تلے لفظ بولتے، حشو وزوائد کا ان کے یہاں کچھ کام نہ تھا، اور تکلف سے مبرا تھے۔ آج جن الفاظ میں روایت بیان کی ہے دس برس بعد بھی تقریباً ان ہی الفاظ میں ان سے سن لیجیے گا۔

ایک ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

جسم ولباس کسی سے نہیں معلوم ہوتا تھا، کہ یہ وہ مولانا عبدالشکور صاحب ہیں جن کا لکھنؤ میں طوطی بولتا ہے اور جن کی شہرت "ہندوستان" سے لیکر "ایران" تک پھیلی ہوئی ہے، اور جو اس وقت اپنے موضوع خاص میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور مولانا حیدر علی فیض آبادی کے جانشین ہیں، مولانا کے مواعظ بڑے مؤثر اور دلپذیر ہوتے، نپے تلے الفاظ، سادہ زبان، مغز کی بات، اندرونی جذب غرض کہ "ہرچہ از دل می خیزد بر دل می ریزد" کے مصداق صحابہ کرام کے فضائل وحقوق بیان کرنے کے ساتھ قرآن مجید کے محفوظ وغیر محرّف ہونے اور اس کے اعجاز پر بھی روشنی ڈالتے، ان کی تقریروں میں نماز کی تبلیغ کا عنصر ضرور ہوتا، خدا ہی کو معلوم ہے کہ کتنے بندگانِ خدا کو ان مواعظ سے نفع پہنچا اور ان کی زندگیاں بدل گئیں۔ کم سے کم ہمارے شہر "لکھنؤ" میں حضرت سید احمد شہیدؒ کے دورہ ۱۲۳۴ھ کے بعد ایسی اصلاحی وانقلابی لہر نہیں آئی۔

تحریک مدحِ صحابہؓ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

اس سلسلہ میں مولانا کی بار بار زیارت ہوئی، اس معاملہ میں مولانا کا سوزِ دروں، جذبِ کامل اور ان کا استغراق دیکھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو صحابہ کرامؓ کے ذکر اور ایک ایسے ماحول ومعاشرہ میں جو مختلف اسباب کی بنا پر ان کے حقیقی مقام سے ناآشنا ہو گیا تھا، اس کو روشن واُجاگر کرنے کے لئے پیدا کیا ہے، اس کے سوا زندگی

کا کوئی مقصد و مشغلہ نہیں، پھر وہ وقت آیا کہ "لکھنؤ" میں مدحِ صحابہ کی تحریک شروع ہوئی اور ۱۹۳۹ء میں مولانا حسین احمد صاحب مدنی صدر جمعیۃ العلماء و صدر المدرسین دار العلوم "دیوبند" اس کی رہنمائی کے لئے لکھنؤ تشریف لائے اور ہمارے مکان پر قیام فرمایا۔

مولانا الیاس صاحبؒ (بانی تبلیغی جماعت) مولانا سے پوری طرح واقف تھے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری خود مولانا کا بڑا احترام کرتے تھے۔ اور ان کے قدر شناس تھے، "امروہہ" کے مناظرہ میں دونوں ایک جگہ جمع تھے۔ مولانا الیاس صاحب نے فرمایا مولانا عبد الشکور صاحب کا یہاں وہی درجہ ہے جو ہمارے اطراف میں مولانا اشرف علی صاحبؒ تھانوی کا۔ مولانا کے طبعی ذوق اور اس کام نے جو حکمتِ الٰہی نے ان کو سپرد کیا تھا، ان کے علم اور سلوک پر پردہ ڈال رکھا تھا، مولانا بلند پایہ اور متبحر عالم تھے، ان کے علمی پایہ کا اندازہ ان کے "رسائل تفسیر" اور "علم الفقہ" سے کسی قدر ہو سکتا ہے۔ بعض اہل نظر اس کتاب کو بعض مشاہیر علماء کی مشہور و مقبول کتابوں کا ہم پلہ سمجھتے تھے اور بعض اس سے زیادہ۔ جہاں تک اثنا عشری لٹریچر سے واقفیت کا تعلق ہے میرے خیال میں اس عہد میں ان کی کوئی نظیر نہیں تھی۔ تصوّف کا اثر کہئے یا مولانا کی سلامتِ طبع اور حقیقت پسندی کہ فرقہ اثنا عشریہ سے طویل مناظروں کے باوجود حضرت علی مرتضیٰؓ اور امیر معاویہؓ کے بارے میں انھوں نے ہمیشہ فرقِ مراتب کا لحاظ رکھا۔ وہ بڑے جوش کے ساتھ حضرت علی کی فضیلت و منقبت بیان فرماتے تھے، ان کا نام لیتے وقت معلوم ہوتا تھا کہ ان کا دل ان کی عقیدت سے معمور بلکہ مخمور ہے۔ اہلبیت کرام کے بھی پورے مرتبہ شناس اور ان کی محبت میں سرشار تھے۔ مولانا نے نواب محسن الملکؒ کی مشہور کتاب "آیات بیّنات" کا فارسی ترجمہ اور شاہ ولی اللہ کی بے نظیر کتاب "ازالۃ الخفاء" کا اردو میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ آخری حیات میں وہ مسلسل "ندوۃ العلماء" کے رکن بھی منتخب ہوتے رہے

---

[۱] شیعوں کے ایمان بالقرآن پر مناظرہ "امروہہ" پوری اسلامی تاریخ کا واحد فیصلہ کن مناظرہ ہے، خود امام اہل سنت کے الفاظ میں اہل علم کو اس کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔ (نادم)

ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید ڈاکٹر عبدالعلی صاحب سے بالکل عزیزانہ اور خاندانی قسم کے تعلقات تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی نماز جنازہ بھی ان ہی نے پڑھائی۔

آخر میں ۱۷؍ ذی قعدہ ۱۳۸۱ھ مطابق اپریل ۱۹۶۲ء کو پانچ مہینے کی علالت کے بعد، اپنے خالق سے جا ملے، اور امید ہے کہ اپنی دینی خدمات کی بدولت اور مقام رسالت، مقام قرآن اور مقام صحابہؓ کے روشن اور اجاگر کرنے کے صلہ میں، مقام قرب و رضا سے نوازے گئے ہوں گے۔ "امین الدولہ پارک" میں ایک مجمع کثیر نے ان کی نماز جنازہ پڑھی، ان کے بڑے فرزند مولانا عبدالسلام صاحب فاروقی رحؒ نے امامت کی۔ "لکھنؤ" میں کسی کے جنازہ میں اتنا اژدحام کم دیکھا گیا ہوگا۔

از

"پرانے چراغ"، جلد ۲

مؤلفہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

طباعت	پہلی مرتبہ
تاریخ طباعت	صفر ۱۴۱۳ھ ، اگست ۱۹۹۲ء
تعداد	۱۰۰۰
قیمت	۳۶/- روپیہ
مطبع	احمد برادرز پرنٹرز ناظم آباد ۲، کراچی ۱۸

کاش کہ قارئین کرام خصوصاً اہل علم حضرات مجموعہ ھٰذا کے متعلق اپنی رائے اور مشورہ سے مطلع فرما دیں تو عنایت ہوگی۔ (ادارہ)

مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ مدیر "الفرقان لکھنؤ"

قریباً ۳۵ سال کے اس تعلق میں مولانا کی زندگی کے جن علمی، عملی اور اخلاقی پہلوؤں سے میں واقف اور متاثر ہوا کسی ترتیب کا لحاظ کئے بغیر ان میں سے چند آج کی صحبت میں حوالہ قلم کرتا ہوں۔

حضرت مولانا کے بارے میں اپنی معلومات اور تاثرات کو میں دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں، ایک وہ جن کا تعلق علم و تحقیق، اور تصنیف و مناظرہ کی لائن کے امتیازات سے ہے، اور دوسرے وہ جن کا تعلق عبادت گزاری اور پرہیزگاری جیسی درویشانہ صفات سے ہے۔

علمی رسوخ

ہمارے علمی اور دینی حلقوں میں بھی حضرت مولانا کی شہرت مسلک اہلسنت کے ایک لائق وکیل اور کامیاب مناظر و متکلم کی حیثیت سے رہی ہے اور اس کام کے لئے یہ واقعہ ہے کہ ہمارے اس زمانہ میں کسی خاص درجہ کے رسوخ علمی کی ضرورت نہیں رہی اس لئے جن لوگوں کو مولانا کے قریب رہنے کا زیادہ اتفاق نہیں ہوا انکو غالباً بالکل اندازہ نہیں ہوگا کہ ممدوح صرف مناظر و مصنف ہی نہیں بلکہ علمائے راسخین میں سے تھے، نامور اصحاب درس کی سی ٹھوس علمی استعداد اور اپنے دائرہ میں مطالعہ بہت وسیع تھا اسی کے ساتھ قدرت نے حافظہ بے نظیر دیا تھا۔ راقم سطور نے اپنی عمر میں بہت کم حضرات ایسے قوی الحافظہ دیکھے ہیں[1]۔ سلامتی فہم کے ساتھ ذہانت و ذکاوت سے بھی اللہ تعالیٰ نے حصۂ وافر عطا فرمایا تھا۔ علمی محاسن کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان سب چیزوں کے جمع ہو جانے کی وجہ سے خالص علمی حیثیت سے بھی مولانا کا مقام بہت بلند تھا۔ علوم دین کے مختلف شعبوں میں سے علم قرآن سے خاص شغف تھا، آپ کا سلسلہ "تفسیر آیات" آپ کے تدبر فی القرآن کی زندہ اور باقی رہنے والی شہادت ہے۔

تحریر و تقریر کا امتیاز

تحریر و تقریر بہت سادہ، ہر قسم کے تکلف و تصنع سے بری، حشو و زوائد سے پاک اور عبارت آرائی سے خالی مگر نہایت دلنشین ہوتی تھی میں نے کسی صاحب قلم عالم کو نہیں دیکھا جس کی تحریر و تقریر میں اتنی یکسانی اور مطابقت ہو۔ تقریر میں اثر اور زور پیدا کرنے کے لئے مولانا اس مبالغہ کے بھی روادار اور عادی نہیں تھے، جس کو کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا، اسی طرح کمزور روایتیں (اگرچہ وہ علمی حلقوں میں بھی کتنی ہی مشہور ہو گئی ہوں) مولانا انکے ذکر سے احتیاط فرماتے تھے ہماری اسی صدی کے بہت بڑے حقانی عالم حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب محدث امروہوی (جن کو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے تلمذ کا شرف بھی حاصل تھا) میں نے ایک مجلس میں اُن سے خود سُنا حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ کے بارے میں فرماتے تھے کہ میں ان کی اس بات کا بہت ہی معتقد ہوں اور اس کو ان کی کرامت سمجھتا ہوں کہ وعظ میں بھی کوئی بات غیر تحقیقی بیان نہیں فرماتے۔

مناظرہ کا امتیاز

قوت استدلال اور متانت و سنجیدگی آپ کے مناظرہ کا خاص امتیاز تھا، آپ کے متعدد مناظرے چھپے ہوئے ہیں جن لوگوں نے کبھی آپ کا مناظرہ سُنا ہے، وہ ان کتابی مناظروں کے مطالعہ کے وقت بالکل ایسا محسوس کریں گے کہ حضرت مولانا بول رہے ہیں۔ محقق مناظر کبھی خلط مبحث نہیں کرتا بلکہ اپنی پوری

---

[1] جن لوگوں نے حضرت مولانا کی تقریریں سُنی ہیں انھیں یاد ہوگا کہ صرف قرآنی آیات و احادیث ہی نہیں بلکہ شیعوں کی کتب حدیث و اسماء الرجال اور بعد کے ان کے مصنفین کی کتابوں کی بھی لمبی لمبی عبارتیں حتیٰ کہ "شاہنامہ" اور "حملۂ حیدری" کے صفحے کے صفحے مولانا بالکل حافظوں کی طرح پڑھتے تھے۔

بہرحال مولانا اپنے غیر معمولی حافظہ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک نشانی تھے۔

قوت اس پر صرف کرتا ہے کہ زیر بحث مسئلہ روشنی میں آجائے، مولانا کا بالکل یہی طرز تھا، اسی لئے وہ فریق مخالف کی خلط مبحث کی کوششوں کو بھی چلنے نہیں دیتے تھے، اور وہ ہزار کوششوں کے باوجود خلط مبحث میں کامیاب نہیں ہوسکتا تھا، بحث کے مرکزی نقطہ کو مولانا ہر تقریر میں ضرور دہراد یتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ عام سامعین کو بھی وہ خاص بات حفظ ہو جاتی تھی۔ فن کے لحاظ سے یہ مناظرہ کا کمال ہے اور احقاق حق کے مقصد کے لئے بھی یہ ضروری اور ناگزیر ہے۔

خاص موضوع

اگرچہ حسب ضرورت مولانا نے مناظرے عیسائیوں سے بھی کئے، آریہ سماجیوں اور قادیانیوں سے بھی، اور ان کے علاوہ دوسرے فرقہائے ضالہ سے بھی ہیں لیکن مولانا کا خاص موضوع شیعی حملوں سے صحابۂ کرام اور مسلک اہل سنت کی حفاظت اور ان کا دفاع اور مذہب تشیع کی ضلالتوں کو واضح کرکے حجت قائم کرنا تھا، اور یہ وہ موضوع ہے جو ہندوستان کے خاص تاریخی حالات کی وجہ سے اس ملک کے اکابر علماء و مصلحین کی علمی اور دینی کوششوں کا صدیوں سے خاص موضوع رہا ہے۔ اب سے قریباً ساڑھے تین سو سال پہلے گیارہویں صدی ہجری میں تاریخ اسلام کے عظیم ترین مجدد امام ربانی شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے بعد بارہویں صدی میں حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے معاصر بیہقیؒ وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد استاذ الہند شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ اور ان کے تلامذہ اور ان کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔ الغرض اپنے اپنے زمانہ میں ان سب ہی حضرات کی دینی اور اصلاحی کوششوں کا خاص موضوع اور ہدف (ان کا خاص تاریخی اسباب کی وجہ سے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں) یہی مسئلہ رہا ہے۔ جس شخص نے اس موضوع سے متعلق ان اکابر کی کتابیں دیکھی ہیں اور حضرت مولانا عبد الشکور صاحبؒ نے اس سلسلے میں جو کام کیا ہے اس سے بھی وہ واقف ہے، اس کو اعتراف کرنا پڑے گا کہ مولانا نے اس موضوع کو اپنے ان پیشرو اکابر سے کئی گنا زیادہ نکھارا، اور ایک سعادت مند پیرو کار کی طرح ان کے کام کی تکمیل کرکے ان کی روحوں کو شاد اور مطمئن کیا۔ اس ناچیز کا ذاتی تاثر یہ ہے کہ مولانا کی تحقیق و تنقیح نے اس دائرے کے کئی بنیادی مسئلوں کو جو علمی اور نظری تھے اور ان کو صرف اہل علم ہی سمجھ سکتے تھے ایسا بدیہی بنادیا کہ عامیوں کے لئے بھی ان کا سمجھنا آسان ہو گیا۔

ردشیعہ کے مشغلہ میں مولانا کی نیت اور اس موضوع سے ان کے غیر معمولی شغف کا اصل باعث

مولانا نے ایک صحبت میں مجھ سے خود فرمایا کہ صحابۂ کرام کے ناموس کی حفاظت اور ان کے خلاف کئے جانے والے پروپیگنڈے کی تردید بجائے خود بھی عبادت بلکہ فریضہ ہے لیکن میں جو اس کام کو درجۂ اول کی اہمیت دیتا ہوں اور اس میں اس طرح مشغول ہوں، خدا گواہ ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضؓ کے مجروح ہو جانے کے بعد قرآن مجید اور نبوت محمدی سب مشکوک ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے بارے میں جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ صحابۂ کرام ہی کے واسطے سے جانتے ہیں، اگر اس سلسلہ کی پہلی کڑی اور دین کے ناقلوں کی پہلی صف ہی ناقابل اعتبار ہو گئی

تو قرآن اور سارا دین مشکوک ہو جائے گا۔ اور ہمارے پاس ان کے بارہ میں یقین کی کوئی علمی بنیاد نہیں رہے گی۔ بہرحال میں صحابہ کرامؓ کی یہ حمایت اور مدافعت اور ان کے دشمنوں کا یہ مقابلہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی نیت ہی سے کرتا ہوں اور مجھے اپنی مغفرتؒ کی سب سے زیادہ امید اپنے اسی عمل سے ہے۔

غیر معمولی اعتدال مناظرہ کے میدان میں رہنے کے بعد راہِ اعتدال پر قائم رہنا بڑی مشکل بات ہے، اللہ ہی اگر توفیق دے اور دستگیری فرمائے تو آدمی اعتدال پر قائم رہ سکتا ہے ورنہ اس میدان میں قدم رکھنے والے کا افراط یا تفریط میں مبتلا ہو جانا ایک عام بات اور اکثری تجربہ ہے۔ ناچیز نے اس پہلو سے حضرت مولانا کو بہت ہی ممتاز اور باتوفیق پایا۔ صرف ایک مقولہ نقل کرتا ہوں جو مولانا سے میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے۔ ایک موقع پر حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درجات کا فرق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سابقین اولین کی پہلی صف کے بھی اکابر میں ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سر کا تاج ہیں لیکن حضرت علی مرتضیٰ سے ان کو کیا نسبت؟ ان کی مجلس میں اگر صف نعال میں بھی حضرت معاویہ کو جگہ مل جائے تو ان کے لئے سعادت اور باعثِ فخر ہے۔

یہاں تک جن خصوصیات کا میں نے ذکر کیا ان کا براہِ راست تعلق مولانا کی عالمانہ یا مناظرانہ حیثیت سے ہے، اگرچہ ان کی عارفانہ اور درویشانہ حیثیت کا بھی ان میں خاصہ حصہ ہے۔

دل سوز تاریخ

تحریکِ مدحِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی دینی حیثیت

اور

اختلاف کا پس منظر

کچھ عرصہ ہوا مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر اخبار "صدق" نے رسالہ "النور" کے حوالہ سے مسئلہ مدحِ صحابہ پر خامہ فرسائی فرمائی تھی جسکے متعدد جوابات ہمارے دفتر میں اشاعت کیلئے پہونچے چنانچہ اس سے پہلے "الدعی" جلد ۲ میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی کے قلم سے ایک جواب شائع ہو چکا ہے اور اس اشاعت میں ہم مولوی اسلم صاحب لکھنوی کا وہ جواب جو انھوں نے اخبار "مدینہ" میں شائع کیا ہے معاصر مدینہ سے نقل کر رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ حضرت امام اہلسنت مدظلہ العالی کا وہ فتویٰ جس کا حوالہ اسلم صاحب نے اپنے مضمون میں دیا ہے اور جسکو جناب مولوی حکیم عبدالباری صاحب الفاری نے گونڈہ سے ہمارے پاس اشاعت کیلئے روانہ فرمایا ہے اسی اشاعت میں ہم بتمام و کمال شائع کر رہے ہیں جسکے دیکھنے کے بعد انشاء اللہ العزیز مخالفین مدحِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی مخالفت کا کوئی اثر اس شخص پر نہ ہو سکے گا جو ایک مرتبہ حضرت ممدوح کے اس فتویٰ میں پیش کردہ دلائل و براہین کو دیکھ لیگا

عنوانات از ادارہ

مدح صحابہ اور اخبار صدق

از مولوی اسلم صاحب لکھنوی
منقول از اخبار مدینہ

اخبار صدق نمبر ۴۲ جلد ۷ مورخہ ۹ مارچ ۴۲ء میں حسب ِ ذیل جناب مولانا عبد الماجد صاحب مدیر صدق نے رسالہ النور سے اخذ کر کے حسب ذیل فتوی دوہری جدولوں سے نمایاں کر کے شائع فرمایا تھا۔

جلوس مدح صحابہ

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی کا فتوی۔

سوال۔ منقول نہیں مگر عنوان جواب سے ظاہر ہے۔

الجواب۔ روی "البخاری" فی کتاب التفسیر بسندہ عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ ولا تجھر بصلاتک ولا تخافت بہا قال نزلت ورسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مختف بمکۃ کان اذا صلے باصحابہ رفع صوتہ بالقرآن فاذا سمع المشرکون سبوا القرآن ومن انزلہ ومن جاء بہ فقال اللہ تعالیٰ لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا تجھر بصلاتک ای بقراءتک فلیسمع المشرکون فلیسبوا القرآن ولا تخافت بہا عن اصحابک فلا تسمعھم وابتغ بین ذلک سبیلا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود قرآن کا جہر اور وہ بھی جماعت کی نماز میں کہ امام پر واجب ہے اگر سبب بن جائے قرآن کے سب وشتم کا تو ایسے وقت میں اتنے جہر کی ممانعت ہے کہ سب وشتم کرنیوالوں کے کانوں میں آواز پہونچ جائے تو مدح صحابہ کا اعلان جہر کہ فی نفسہ واجب بھی نہیں اگر سبب بن جاوے صحابہ کے سب وشتم کا تو ایسے وقت میں اس کا اتنا جہر کہ سب وشتم کرنیوالوں کے کانوں میں آوازیں پہنچیں کیسے ممنوع نہ ہوگا۔

(النور۔ جمادی الاخری سنہ ۱۳۶۰ھ صفحہ ۹ و ۱۰)

فتویٰ اور مدیر "صدق لکھنؤ" سے متعلق ضروری تفصیلات

اس فتویٰ کی تائید میں صفحہ اول پر بہت سی باتیں لکھی گئیں جن میں بخاری شریف کی عبارت کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے مفسرانہ و ادیبانہ انداز میں اسکی شرح کی گئی اور محدثانہ شان میں ارشاد ہوا کہ۔

"روایت بخاری کے علاوہ، مسلم، ترمذی و نسائی کی بھی ہے"

اس کے بعد صدق نمبر ۴ جلد ۔ مورخہ ۲۱ اپریل ۴۲ء میں ص ۶ پر ایک مضمون جناب مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب ندوی نگرامی کا شائع ہوا جس میں اس فتویٰ سے اختلاف کیا گیا تھا مضمون کی تردید میں ایک درجن سے زائد حواشی مدیر کی جانب سے درج تھے اور ساتھ ہی ساتھ اسکی تردید مزید کیلئے دو تنقیدی مراسلے گمنام عالمان دین کی طرف سے شائع کئے گئے۔ معمول عام کیخلاف یہ اہتمام دیکھکر معلوم ہوا کہ مدیر صدق کو اس باب میں خاص کاوش ہے۔

حضرت مولانا تھانوی مدظلہ کی جلالت قدر، مدیر صدق کا علم و فضل اور مخالفت مدح صحابہ میں انکا غلو دیکھکر بہت سے حامیان مدح صحابہ کو تردد لاحق ہوا کہ مبادا دشمنان صحابہ کو اس سے تقویت پہنچے اور بہت سے لوگ اس باب میں اکابر علماء کے درمیان اختلاف دیکھکر تحریک سے علیحدہ[1] ہو جائیں۔

چونکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ صدق کا وہ پرچہ جسمیں مولانا ئے تھانوی کا فتویٰ درج ہے ایسے لوگوں تک بھی پہونچایا گیا جو معمولاً صدق کا مطالعہ نہیں کرتے اسلئے یہ بھی شبہ پیدا ہوا کہ مدیر صدق ایک شیعہ نژاد رئیس کی ریاست سے وظیفہ پاتے ہیں اور اخبار صدق کے مہتمم مولوی عبد الرؤف عباسی صاحب اس آستانہ کے ارادتمند ہیں جہاں کے ایک مشائخ نے "احسن الانتخاب فی معیشت ابو تراب" کے نام سے ایک ایسی کتاب تالیف کی تھی جس کی مخالفت مذہب حقہ اہل سنت کو علمائے فرنگی محل بھی برداشت نہ کر سکے اور انھوں نے انکے خلاف فتوے دیئے۔ ایسا تو نہیں کہ دونوں نے ملکر حامیان مدح صحابہ کے خلاف ایک نیا محاذ بنایا ہے جس سے ممکن ہے کہ جدید فتنوں کا دروازہ کھلے اس مخالفانہ فتویٰ کے سوا بعض حضرات کی طرف سے وقتاً فوقتاً اور اعتراضات بھی کئے گئے۔

---

[1] افسوس کہ ... ناشر اسی کا شکار ہوگیا۔ جلوس مدح صحابہ (جو عین جہاد تھا) میں شرکت کی غرض سے "امروہہ" سے جو خوش نصیب وفد "لکھنؤ" پہنچا راقم اسی کے ہمراہ "لکھنؤ" پہنچنے کا متمنی تھا مگر قبل روانگی اچانک معلوم ہوا کہ مولانا تھانویؒ تحریک مدح صحابہ کے مخالف ہیں، اس کو جہاد نہیں قرار دیتے چنانچہ باوجود امام اہل سنت سے حد درجہ عقیدت کے، راقم تحریک کی شرعی حیثیت کے بارے میں مشکوک ہوجانے کے سبب اس جہاد سے محروم رہ گیا جس کا غم راقم کو آج تک ہے کاش کہ مضمون ہذا اس وقت سپرد قلم ہوجاتا اور راقم کے مطالعہ میں آجاتا۔ انا للہ وانا الیہ

چنانچہ حکیم عبدالباری صاحب انصاری نے امام اہلسنت حجۃ الاسلام جناب مولانا مولوی محمد عبدالشکور صاحب مدظلہ کی خدمت میں چند سوالات بھیجکر ان سوالات کے متعلق ان کی رائے گرامی دریافت کی۔ مولانائے ممدوح نے جو مدلل جواب تحریر فرمایا وہ چونکہ جامع و بسیط ہے اس لئے علیحدہ کتابی صورت میں انشاء اللہ شائع ہوگا۔ لیکن اس خیال سے کہ قضیۂ زمین برسر زمین، مولانا تھانوی کے فتوی میں جس روایت سے استدلال کیا گیا تھا اسکے بارہ میں جو رائے مولانا عبدالشکور صاحب نے تحریر فرمائی تھی حکیم صاحب نے اسکو نقل کر کے مدیر "صدق" کی خدمت میں اس گذارش کیساتھ بھیجا کہ اخبار صدق میں شائع کر کے ناظرین "صدق" کو صحیح حقیقت حال سے واقف ہونیکا موقع دیں اگر مولانا عبدالشکور صاحب کی تحریر بالکل دلائل سے خالی ہوتی تب بھی ان کی علمی و دینی خدمات اور انکے فضل و کمال کا تقاضا یہ تھا کہ جو تحریر ان کے نام سے منسوب ہو اسکی اشاعت موجب سعادت سمجھی جاتی مگر دشمنان دین اور مرتدین اسلام سے رواداری کے حامی مدیر صدق نے ۱۲ر جولائی ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں حکیم صاحب کو اطلاع دی کہ وہ تحریر شائع نہ ہو سکے گی۔ اخبار صدق کی اس روش کے متعلق کچھ کہنا فضول ہے جس طرح ہر تاجر کو اختیار کامل ہے کہ اپنی دوکان پر جو مال چاہے سجائے اسی طرح مدیران اخبار کو بھی پورے آمرانہ اختیارات حاصل ہیں کہ جس مضمون کو چاہیں شائع کریں اور جسے چاہیں رد کردیں۔ اخفائے حق کی اگر کوئی ذمہ داری عند اللہ مدیران اخبار پر ہو بھی تو کم از کم یوم حساب تک تو انکو مہلت ضرور حاصل ہے۔ خوب کہا ہے کسی نے ؎

اب تو آرام سے گذرتی ہے — عاقبت کی خبر خدا جانے

چونکہ اخبار مدینہ شروع سے تحریک مدح صحابہ کی حمایت کرتا رہا ہے اس لئے جناب مولانا عبدالشکور صاحب کی تصریحات کی اشاعت کے لئے اس کا انتخاب کیا گیا ہے اور امید ہے کہ وہ اس اہم علمی تحقیق کو مسلمانوں کی آگاہی اور مخالفین کی تنبیہ کیلئے ضرور شائع کریگا۔ بلکہ اگر وہ مولانا کی مکمل تحریر کو بھی شائع کردے تو تمام مسلمانوں کے لئے انشاء اللہ مفید ہوگا کیونکہ وہ مخالفین مدح صحابہ کے متعدد اعتراضات کا مدلل جواب ہے

مدح صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مخالف آیت قرآنی غلط استدلال

اور

اس کا جواب

از افادات امام اہلسنت حجۃ الاسلام حضرت مولانا الحاج الشاہ محمد عبد الشکور صاحب فاروقی نقشبندی مجددی مد ظلہ العالی

بجواب استفتاء مولوی حکیم عبد الباری صاحب انصاری۔ گونڈہ

بندۂ ناچیز حکیم عبد الباری انصاری مقیم گونڈہ عرض کرتا ہے کہ اس وقت مسئلہ مدح صحابہ میں جو باہمی اختلاف رونما ہو گیا ہے یہ ہر لحاظ سے نہایت رنج کے قابل ہے اور دشمنوں کی خوشی کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں لہٰذا اس وقت تین معاملوں کے متعلق کچھ سوالات پیش کرتا ہوں۔ امید ہے کہ جواب کے بعد ایسا طریقہ اختیار کیا جا سکے جو امت کی صلاح و فلاح کا باعث ہو۔

معاملہ اوّل

ایک محترم عالم نے ایک موقت الشیوع رسالہ میں رقم فرمایا ہے کہ "روی البخاری فی کتاب التفسیر بسندہ عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ ولا تجہر بصلوتک ولا تخافت بہا قال نزلت و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختف بمکۃ کان اذا صلی باصحابہ رفع صوتہ بالقرآن فاذا سمع المشرکون سبوا القرآن ومن انزلہ ومن جاء بہ فقال اللہ تعالیٰ لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا تجہر بصلوتک ای بقراتک فیسمع المشرکون فیسبوا القرآن ولا تخافت بہا عن اصحابک فلا تسمعہم وابتغ بین ذلک سبیلا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود قرآن کا جہر اور وہ بھی جماعت کی نماز میں کہ امام پر واجب ہے اگر سبب بنجاوے قرآن کو سب وشتم کا تو ایسے وقت میں اتنے جہر کی ممانعت ہے کہ سب وشتم کرنیوالوں کے کان تک نہ پہنچے تو مدح صحابہ کا اعلان

وجہر کہ فی نفسہٖ واجب بھی نہیں اگر بنظر اجتناب صحابہ کو سب و شتم کا تو ایسے وقت میں اس کا جہر کہ سب و شتم کرنیوالوں کے کان تک پہونچے کیسے ممنوع نہ ہوگا۔ انتہی بالفاظ الشریفہ۔

عبارت منقولۂ بالا کی بنیاد پر حسب ذیل سوالات جواب طلب ہیں۔

الف عبارت مذکورۂ بالا میں جو دلیل آیت قرآنی سے لیگئی ہے کیوں قابل تسلیم نہیں ہے، قابل تسلیم نہونیکے کیا دلائل ہیں۔

ب عبارت مذکورۂ بالا میں مدح صحابہ کے اعلان وجہر کے فی نفسہٖ واجب ہونے سے انکار فرمایا گیا ہے مگر امام اہل سنت مدظلہ کا عمل مدح صحابہ کے اعلان وجہر کے معاملہ میں ایسا ہے کہ گویا اعلان و جہر مدح صحابہ واجب ہی نہیں بلکہ فرض ہے۔ لہذا معلوم ہونا چاہئے کہ صحیح بات کیا ہے۔

ج امام اہل سنت مدظلہ نے کسی موقع پر فرمایا تھا کہ یہ معاملہ اسوقت کا ہے جب اسلام پر اس قدر ضعف طاری تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں پوشیدہ تھے پس سوال یہ ہے کہ کیا بحالت اختیار عمل کیلئے یہ آیت یا اس کا حکم منسوخ ہو چکا ہے کیا آج بوقت امامت رفع صوت قرآن پر کچھ اشرار شور و غل سب و شتم کرنے لگیں تو اس آیت پر عمل ہوگا یا مظاہرہ قوت و اختیار کا حکم ہوگا۔

معاملہ دوم

امام اہلسنت نے اپنی ایک تقریر میں احکام شرعی کی دو قسمیں بیان کی تھیں ایک وہ کہ جنکا طریق عمل شارع کی طرف سے معین کر دیا گیا ہو جیسے نماز دوسرے وہ جن کا طریق عمل معین نہ کیا گیا ہو جیسے طلب علم مدح صحابہ کو دوسری قسم کے احکام میں داخل فرمایا تھا اور فرمایا تھا کہ مدح صحابہ کی تبلیغ کا جس طرح ایک طریقہ یہ ہے کہ جمعہ و عیدین کے خطبہ میں اسکا التزام کیا گیا اسی طرح ایک طریقہ جلوس بھی ہے اور فرمایا تھا کہ ہمکو جلوس کا التزام کا خیال بھی نہیں اگر آج یہ سب پابندیاں ہٹ جائیں تو پھر جلوس کے باقی رکھنے کی ضرورت نہیں۔

تقریر مذکورۂ بالا کی بنیاد پر حسب ذیل سوالات جواب طلب ہیں۔

الف کیا اعلان مدح صحابہ کیلئے کوئی صاف اور واضح حکم شرعی موجود ہے اگر ہو تو ارشاد فرمایا جائے
ب اگر جلوس مدح صحابہ اعلان مدح صحابہ کیلئے جائز ہے تو اعلان مدح رسول کیلئے محافل میلاد کیوں جائز نہیں ہیں۔

معاملہ سوم

جلوس مدح صحابہ کی تائید میں ایک حدیث کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ جب صحابہ کرام کی بدگوئی کیجائے تو اُنکی مدح کا اعلان ضروری ہے جو عالم اُسوقت اپنے علم کو ظاہر نہ کرے اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے نہ اُس کا فرض قبول ہوگا نہ نفل۔

اس مضمون کی بنا پر حسب ذیل سوالات جواب طلب ہیں۔

الف یہ حدیث کس کتاب کی ہے۔
ب علم ظاہر کرنیکو جلوس کی شکل میں کیوں منحصر و مختص سمجھا جاتا ہے وعظ کی محفلوں میں اور رسالوں میں اور کتابوں کے ذریعہ سے اگر یہ فرض ادا کیا جائے تو کیوں ناکافی ہے۔
ج جلوس مدح صحابہ کے سبب سے جو جانی و مالی نقصانات پیش آتے ہیں اُنکا لحاظ کرکے بجائے جلوس کے دوسرے طرق اظہار علم کے کیوں نہ اختیار کئے جائیں۔

الجواب واللہ الموفق للصواب

جوابات سوالات علی الترتیب حسب ذیل ہیں۔

جواب سوال اوّل از معاملہ اول

یہ دلیل آیت قرآنی سے نہیں لیگئی بلکہ ایک روایت سے لیگئی ہے اور وہ روایت بھی حدیث نبوی نہیں ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اجتہاد ہے کیونکہ سبب نزول ایک اجتہادی چیز ہے کسی واقعہ کے بعد کوئی آیت نازل ہوئی اور کچھ تعلق دونوں میں مفہوم ہوا تو حکم لگا دیا جاتا ہے

کردہ واقعہ اس آیت کا سبب نزول ہے حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی "فوز الکبیر" مطبوعہ مصر ص۱۰ میں فرماتے ہیں -

القسم الثانی ان یتم معنی الآیة بعمومها
من غیر احتیاج الی العلم بالحادثة التی
هی سبب النزول والحکم لعموم اللفظ لا
لخصوص السبب قد ذکر قدماء المفسرین
تلك الحادثة بقصد الاحاطة بالآثار المناسبة
للآیة او بقصد بیان ما صدق علیه العموم
ولیس ذکر هذا القسم من الضروریات وقد تحقق
عند الفقیر ان الصحابة والتابعین کثیرا ما یقولون
نزلت الآیة فی کذا وکذا وکان غرضهم تصویر ما صدقت علیه
الآیة وذکر بعض الحوادث التی تشملها الآیة
بعمومها سواء تقدمت القصة او تأخرت
اسرائیلیا کان ذلك او جاهلیا او اسلامیا
استوعبت جمیع قیود الآیة او بعضها
والله اعلم فعلم من هذا التحقیق ان للاجتهاد
فی هذا القسم مدخلا وللقصص المتعددة
هنالك سعة فمن استحضر هذه النکتة
یتمکن من حل ما اختلف من سبب النزول
بادنی عنایة۔

دوسری قسم یہ ہے کہ کامل کئے جائیں آیت کے معنی اسکے عموم کیساتھ
بغیر احتیاج کے طرف جاننے اس واقعہ کے کہ وہ سبب نزول ہے
اور حال یہ کہ حکم واسطے عموم لفظ کے ہے نہ خصوص سبب کے اور یقیناً
ذکر کیا قدمائے مفسرین نے ان اسباب نزول کو احاطہ کے ارادہ کے
ساتھ تمام آثار مناسبہ کے واسطے آیت کے یا ساتھ ارادہ کرنے
اس چیز کے بیان کا کہ صادق ہے اوپر اسکے عموم اور نہیں ہے
ذکر اس قسم کا ضروریات سے اور ثابت ہو چکا ہے نزدیک فقیر کے
کہ یقیناً صحابہ اور تابعین بسا اوقات کہتے تھے کہ نازل
ہوئی تھی یہ آیت اس واقعہ میں اور ہوتی تھی غرض انکی نقشہ کھینچ
دینا ان چیزوں کا کہ صادق ہے اوپر انکے آیت اور ذکر کر دینا بعض
واقعات کا کہ شامل ہے انکو یہ آیت بوجہ اپنے عموم کے برابر ہے کہ واقعہ
مقدم ہوا ہو یا موخر اسرائیلی ہو یا جاہلی یا اسلامی شامل ہے تمام
قیود آیت کو یا بعض قیود آیت کو واللہ اعلم پس جانا گیا
اس تحقیق سے کہ یقیناً واسطے اجتہاد کے اس قسم میں دخل
ہے اور واسطے قصص متعددہ کے اس مقام میں گنجائش
ہے پس جس نے یاد رکھا اس نکتہ کو قابو پا جائیگا
حل کرنے میں ان چیزوں کے کہ مختلف ہیں اسباب
نزول سے ادنیٰ توجہ کے ساتھ۔

بلکہ ظن غالب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس کا ذاتی اجتہاد بھی نہیں کیونکہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اُس وقت انکی ولادت بھی نہ ہوئی تھی۔ انکی ولادت شعب ابی طالب کے زمانہ میں ہوئی ہے جو اس واقعۂ اختفاء سے کئی سال بعد ہے لہذا ضرور ہے کہ انھوں نے کسی اور صحابی رضی اللہ عنہ سے سُنا اور انکی رائے کا اتباع فرمایا۔

غرضکہ یہ دلیل اسی اجتہاد سے ماخوذ ہے کسی حدیث سے ماخوذ نہیں ہے اور اجتہاد سے ماخوذ ہونیکی بھی یہ صورت ہے کہ اُسپر قیاس کیا گیا ہے۔

باقی رہا اس دلیل کا ناقابل تسلیم ہونا تو اسکے دلائل حسب ذیل ہیں۔

دلیل اوّل یہ کہ حضرت ابن عباس سے اسی روایت میں منقول ہے کہ

"ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختف بمکۃ" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدہ تھے مکہ میں

معلوم ہوا کہ وہ ایسے ضعف اور کمزوری کا زمانہ تھا کہ رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ساتھ جتنے مسلمان اسوقت تھے اُن سب کو ایک گھر میں پوشیدہ ہونا پڑا تھا۔ یہ واقعہ دار ارقم میں پوشیدہ ہونیکا ہے اور بالکل آغاز اسلام کا ہے۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں اسکی شرح میں ہے یعنی فی اول الاسلام یہ اُسوقت کا واقعہ ہے جبکہ موافق بعض روایات کے مسلمانوں کی تعداد چالیس تک بھی نہ پہونچی تھی حضرت فاروق اعظم بھی مشرف باسلام نہوئے تھے اور اب بفضلہ تعالی یہ حالت ضعف کی نہیں ہے۔

---

۵۱ ایک صاحب نے اسی سلسلہ میں یہ بھی لکھ دیا کہ اب مسلمانوں کو کہاں اقتدار حاصل ہے اول تو اقتدار کی بحث نہیں بحث تو یہ ہے کہ کیا اب بھی ویسا ہی ضعف ہے جیسا اُسوقت تھا کیا آج بھی مسلمان کسی گھر میں پوشیدہ رہنے پر مجبور ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان صاحب نے غور نہیں فرمایا مدح صحابہ کے معاملہ میں مزاحمت تو شیعوں کی طرف سے ہے اور انگریز انکی بیجا حمایت طرفداری کرتے ہیں۔ لہذا یہاں اقتدار کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اقتدار نہونے میں ہم اور شیعہ مساویانہ حیثیت رکھتے ہیں بلکہ اکثریت کے لحاظ سے ہمکو نمایاں غلبہ ہے اور پھر آج تو گورنمنٹ سے رعایا اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے لڑتی ہے اور کامیاب ہوتی ہے۔

دلیل دوم یہ کہ خود حضرت ابن عباس سے اس آیت کا منسوخ ہونا منقول ہے امام ابن جریر طبری اپنی تفسیر کی پندرہویں جلد صـ۱۲۳ میں ابن عباس سے روایت کرتے ہیں۔

فلما هاجر رسول الله صلى الله عليه وسلم الى المدينة سقط هذا

پس جبکہ ہجرت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طرف "مدینہ" کے تو اسکی ضرورت باقی نہ رہی۔

نیز حافظ الحدیث امام ابن کثیر اپنی تفسیر کی تیسری جلد صـ۶۹ میں "صحیح بخاری" کی اسی روایت کو نقل کرکے فرماتے ہیں۔

وكذا رواه الضحاك عن بن عباس وزاد فلما هاجر الى المدينة سقط ذلك يفعل اى ذلك شاء

اور اسی طرح روایت کیا اسکو "ضحاک" نے "ابن عباس" سے اور یہ جملہ زائد روایت کیا کہ جب ہجرت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے کی طرف تو یہ حکم جاتا رہا کریں جو چاہیں یعنی چاہے بلند آواز سے قرأت کریں یا پست آواز سے۔

دلیل سوم یہ کہ حضرت ابن عباس سے جو سبب نزول اس آیت کا اس روایت میں منقول ہے اسکے خلاف ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ سے منقول ہے اور وہ بھی "صحیح بخاری" میں ہے وہ فرماتی ہیں کہ (لا تجهر بصلاتك) میں صلوٰۃ سے (قرارت قرآن نہیں بلکہ) دعا مراد ہے۔

دلیل چہارم یہ کہ حضرت ابن عباس سے جو سبب نزول اس روایت میں نقل کیا گیا ہے اس کی بنا پر بہت سی لاینحل مشکلات پیش آتی ہیں۔ ازانجملہ یہ کہ اس صورت میں ماننا پڑیگا کہ مکہ میں قبل ہجرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کی سماعت میں تلاوت قرآن کبھی نہ کی ہو اور تبلیغ قرآن کبھی نہ فرمائی ہو (معاذ اللہ من ذلک) کیونکہ نماز کے اندر تلاوت قرآن کا بلند آواز سے ہونا یا خارج نماز میں ہونا دونوں میں کفار کیلئے کوئی فرق نہیں۔ حالانکہ یہ خیر مقصد رسالت اور مقصد تنزیل قرآن کے خلاف ہونیکے علاوہ بیشمار آیات قرآنیہ کے خلاف ہے۔ بکثرت مکی آیتیں ہیں جن میں آپ کا قرآن کی تبلیغ کرنا اور کافروں کے

۱؎ واذا تتلى عليهم آياتنا بينات قال الذين لا يرجون لقاءنا ائت بقرآن غير هذا او بدله قل ما يكون

سامنے تلاوت کرنا بیان کیا گیا ہے اور بکثرت کی آیتوں میں آپ کو حکم فرمایا گیا ہے کہ کافروں کو قرآن سنایئے اسی آیہ لا تجہر بصلوٰتک سے کچھ پہلے فرمایا گیا وقرآنا فرقناہ لتقرأہ علی الناس علی مکث بعض آیات میں کفار کا قرآن سننے سے گریز کرنا بھی نقل فرمایا گیا ہے کہیں کہیں انکی گستاخیاں بھی نقل فرمائی گئی ہیں۔ ایک آیت میں اذان کے ساتھ کفار کا تمسخر کرنا نقل فرمایا ہے مگر یہ کہیں نہیں فرمایا کہ انکی گستاخیوں سے بچنے کیلئے ان کو قرآن سنانا چھوڑ دیجئے یا اُنکے تمسخر کی وجہ سے اذان موقوف کر دیجئے، البتہ کہیں کہیں یہ فرمایا ہے کہ ہم ان کو ان حرکات کی شدید ترین سزا دیں گے۔

اور از انجملہ یہ کہ بہت سے واقعات ایسے ملیں گے کہ مکہ میں قبل ہجرت صحابہ کرام نے کفار کے سامنے تلاوت قرآن کی اور ایذائیں برداشت کیں۔ بہت روشن واقعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ہے کہ انھوں نے اپنے گھر سے باہر ایک چبوترہ مسجد کے نام سے بنایا تھا اور اُسپر روزانہ بیٹھکر قرآن مجید کی تلاوت بلند آواز سے کرتے تھے اور کفار کا مجمع ہوجاتا تھا حضرت ابوبکر صدیق کو کفار نے اس سے روکنا چاہا مگر وہ نہ رکے مولینا شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ واقعہ ازالۃ الخفاء" مقصد دوم صـــ میں بہت دلکش انداز میں بیان فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت صدیقؓ اول کسے است کہ مسجد بنا کرد و اعلام اسلام نمود و کفار قریش با یذا برخاستند۔ (الی ان قال) آن گاہ

الی ان ابدلہ من تلقاء نفسی ان اتبع الا ما یوحی الی قولہ قل لو شاء اللہ ما تلوتہ علیکم اور قولہ تعالیٰ واذا تتلی علیہم ایاتنا بینات تعرف فی وجوہ الذین کفروا المنکر یکادون یسطون بالذین یتلون علیہم ایاتنا ۲؎ قل اوحی الی ھذا القرآن لانذرکم بہ ومن بلغ اور وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم اور کذلک ارسلناک فی امۃ قد خلت من قبلھا امم لتتلو علیھم الذین اوحینا الیک اور وکذلک اوحینا الیک قرانا عربیا لتنذر ام القری ومن حولھا ۳؎ وقال الذین کفروا لا تسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ اور فما لھم عن التذکرۃ معرضین کانھم حمر مستنفرۃ فرت من قسورۃ وغیر ذلک من الآیات التی لا تحصی

باعلان اسلام و جہر قرأت قرآن مشغول شد اخرجہ البخاری فی حدیث طویل عن عائشۃ
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہ فرمایا کہ اے صدیق یہ تم کیا کرتے ہو یہ چیز تو آیت قرآنی
میں ممنوع قرار دی گئی ہے۔ اور از انجملہ حضرت فاروق اعظم کے اسلام کا واقعہ ہے کہ انھوں
نے مشرف باسلام ہوتے ہی جہر و اعلان سے کام لیا اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے
درخواست کی کہ حرم الہی میں چل کر باعلان نماز ادا کی جائے اور یہ درخواست قبول فرمائی گئی۔
اگر آیت مجوزہ کا وہ مطلب ہوتا تو ہرگز رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم انکی درخواست قبول نفرماتے
اور انکو جہر و اعلان سے منع فرماتے۔

دلیل پنجم یہ کہ اس قول کی بناپر لازم آتا ہے کہ تلاوت قرآن سب و شتم کا سبب ہو حالانکہ یہ چیز کسی طرح لائق
تسلیم نہیں البتہ سب شتم کا سبب سب و شتم ہوتا ہے تو اسکی ممانعت صاف صاف قرآن میں ہے ولا تسبوا
الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مدح
سب و شتم کا سبب نہیں ہو سکتی ورنہ یوں فرمایا جاتا کہ اے مسلمانو کافروں کے سامنے اللہ کی تعریف نکیا کرو
ورنہ وہ اللہ کو گالی دیں گے۔ تلاوت قرآن کے بعد سب و شتم کرنا محض ان کی خباثت کا مقتضا تھا
جیسا کہ مدح صحابہ کے بعد تبرا بکنا۔

مہ نور می فشاند سگ بانگ می کند مہ را چہ جرم خاصیت سگ ہمیں بود

دلیل ششم یہ کہ خود حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں وہ قول بھی منقول ہے جو ام المومنین
حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے یعنی صلوٰۃ سے قرأت قرآن نہیں بلکہ دعا مراد ہے۔ فتح الباری جلد ۸ صفحہ
میں ہے وقد جاء عن ابن عباس نحو تاویل عائشۃ پھر کئی سندوں سے اس روایت کو نقل کیا ہے کتب تفاسیر
میں بھی وہ روایت منقول ہے۔

دلیل ہفتم یہ کہ مدح صحابہ کو نماز کی قرأت پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہو سکتا۔ نماز کی قرأت کا مقصد تعلیم و تبلیغ
نہیں ہے اور مدح صحابہ کا بڑا مقصد تعلیم و تبلیغ ہی ہے جو بغیر جہر کے حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔

دلیل ہشتم یہ کہ اگر مان لیا جائے کہ کفار کی سماعت میں تلاوت قرآن کی یا بالفاظ دیگر تبلیغ دین کی آپ کو ممانعت کر دی گئی تھی تو پھر کافروں سے کوئی جھگڑا ہی باقی نہیں رہتا وہ بھی تو چاہتے تھے کہ ہمکو قرآن نہ سنایا جائے، ہمکو تبلیغ نہ کی جائے۔

ابھی اور کچھ دلائل باقی رہ گئے جو بخوف طوالت ذکر نہیں کئے گئے۔

جواب سوال دوم از معاملۂ اول

مدح صحابہ کے فی نفسہ واجب ہونے سے انکار کرنا تو اُس کے وجوب کا انکار نہیں ہے، بہت چیزیں ایسی ہیں جو فی نفسہ واجب نہیں ہوتیں مگر کسی سبب سے واجب ہو جاتی ہیں۔ اور مدح صحابہ کے اعلان کیلئے بکثرت ایسے اسباب موجود ہیں جو اُس کو وجوب کی حد تک پہونچانے کیلئے کافی ہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ مدح صحابہ کا اظہار و اعلان بھی دین کی تبلیغ ہے اور دین کی تبلیغ کا واجب بالکفایہ ہونا اظہر من الشمس ہے خصوصاً ایسے وقت میں کہ خود سنی ناواقفیت کے باعث رافض کا شکار ہو رہے ہوں پھر رافض کیطرف سے ان کے مطاعن کا بھی اظہار ہو رہا ہو اور انکی مدح کرنے پر مزاحمت کیجارہی ہو پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ بعض چیزیں واجب نہیں ہوتیں مگر شعار ہونے کی حیثیت انہیں پیدا ہو جاتی ہے اس وجہ سے اُن کا اہتمام واجبات سے بھی زیادہ کیا جاتا ہے مثلاً اذان اور مثلاً ختنہ یہ دونوں سنت ہیں واجب نہیں ہیں مگر اُن کے تارک پر جہاد کا حکم ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں شعار اسلام ہیں۔

مدح صحابہ بھی شعار السنت ہے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو خبر ملی کہ قصبہ سامانہ ضلع لودھیانہ میں کسی خطیب نے عید اضحی کے خطبہ میں خلفائے راشدین کا ذکر نہیں کیا۔ اس خبر کو سنکر آپ کو کس قدر غصہ آیا چنانچہ مکتوب یازدہم دفتر دوم حصہ ششم صفحہ میں ... ساکنان قصبہ مذکورہ کے نام آپ کا ایک خط منقول ہے جسکے بعض جملے یہ ہیں۔

> وائے نہ یکبار کہ صد بار وائے + ذکر خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین
> اگرچہ از شرائط خطبہ نیست ولیکن از شعائر اہلسنت است شکر اللہ تعالے سعیہم ترک
> نکند آں را بعمد و تمرد مگر کسے کہ دلش مریض ست و باطنش خبیث۔

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ازالۃ الخفا کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔ "خلافت ایں بزرگواران اصلے ست از اصول دین تا وقتیکہ ایں اصل را محکم نگیرند ہیچ مسئلہ از مسائل

شرعیہ تا حاصل نشود،،

راقم السطور کی اس قدر کد و کاوش اور اس قدر اہتمام کی بڑی وجہ یہی ہے واللہ ولی التوفیق۔

جواب سوال سوم از معاملہ اول

آیت یا اُس کا حکم تو منسوخ نہیں ہے البتہ اِس مطلب کی بنا پر اُس کو منسوخ ماننا پڑتا ہے حضرت ابن عباس رض سے ہجرت کے بعد اُس کا منسوخ ہونا اور نقل ہو چکا لیکن حق یہ ہے کہ ہجرت کے قبل بھی اس کے خلاف عمل ہوتا تھا اس مقام پر ایک عجیب لطیفہ یہ ہے کہ آیت کو منسوخ تو مان لیا گیا مگر ناسخ کا کہیں پتہ نہیں۔

آیت کا یہ مطلب جسکی بنا پر اُسکو منسوخ ماننے کی ضرورت لاحق ہوئی کیوں مراد لیا جائے۔

کیوں نہ ام المومنین کے ارشاد کے مطابق صلوٰۃ سے دعا مراد لیجائے۔ یا کھلا ہوا صاف مطلب آیت کا جو اسکی عبارت سے بغیر انضمام روایات کے ظاہر ہوتا ہے وہ مراد لیا جائے کہ اے نبی اپنی سب نمازوں میں جہر نہ کیجئے نہ سب نمازوں میں اسرار سے کام لیجئے درمیان کی راہ اختیار کیجئے یعنی بعض نمازوں میں جہر کیجئے بعض میں سر چنانچہ اسی آیت پر عمل کر کے ظہر عصر کی نمازیں سر کیا جاتا ہے اور مغرب عشاء فجر میں جہر۔ کافروں کے سب و شتم سے اس آیت کا کوئی تعلق نہیں۔ تفسیروں میں یہ مطلب آیت کا بیان بھی کیا گیا ہے۔ امام ابن جریر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اگر ہم روایات کی پابندی نکرتے تو یہ مطلب موضوع و مدلل تھا یہاں پر شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ روایات کی پابندی نہ کیجائیگی تو تفسیر بالرای ہو جائیگی تو اُس کا جواب یہ ہے کہ محققین اس بات کی تصریح کر چکے ہیں کہ تفسیر بالرائے وہی ہے جو قواعد زبان عرب یا ضروریات دین کے خلاف ہو اور جو مطلب کسی آیت کا قواعد زبان عرب کے موافق بیان کیا جائے اور ضروریات دین کے بھی خلاف نہ ہو وہ ہرگز تفسیر بالرائے نہیں اگرچہ روایت میں منقول نہ ہو (دیکھو مرقاۃ شرح مشکوٰۃ علامہ علی قاری کی اور مجمع بحار الانوار علامہ گجراتی)

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بکثرت ایسا کیا ہے کہ کسی آیت کی کوئی تفسیر صحیح روایت میں منقول ہے حتیٰ کہ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے مگر انھوں نے روایت کی پابندی نہیں کی اور تفسیر آیت کی اپنی تحقیق کے موافق بیان فرمائی اس کی ایک مثال حسب ذیل ہے

ازالۃ الخفا مقصد اول فصل سوم میں جہاں سورۂ قیامت کی آیت ان علینا جمعہ کی تفسیر زیب رقم فرمائی ہے صحیح بخاری کی کتاب التفسیر سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جمع سے

مراد مدینہ میں جمع کرنا یعنی حفظ کرا دینا ہوا۔ اسکے بعد فرماتے ہیں" در تفسیر جمعہ ای جمعہ فی صدرک گفتہ ابن عباس است فقیر میگوید دریں تفسیر نظر است زیرا کہ سہ کلمہ را بر معانی متقاربہ حمل کردن بعیدے نماید آرے در تفسیر سنقرئک فلا تنسی ایں را تقریر کردن گنجائش میدارد" پھر اپنی تحقیق لکھی ہے کہ جمع سے مراد مصاحف میں جمع کرانا ہے۔

اگر آج بوقت امامت رفع صوت قرآن پر کچھ اشرار شور و غل و سب و شتم کریں تو بے دریغ قوت کا مظاہرہ ہونا چاہیے اور ان شرور کے دفع کرنے کی سعی کرنا چاہیے مساجد کے سامنے باجہ بجانے پر اس قدر حتجاج اسی لئے کئے جاتے ہیں اذان کے ساتھ کفار کا استہزا قرآن مجید میں نقل فرمایا مگر استہزا کی وجہ سے اذان موقوف کرنیکا حکم نہ دیا۔ اور اگر یہ روش اختیار کیجائے کہ اشرار کے شور و غل کیوجہ سے جہر نماز میں ترک کر دیا جائے تو قطع نظر اس سے کہ جہری نماز میں جہر واجب ہے اسکے ترک سے نماز فاسد ہو جائے گی مخالفین کو ایک آسان نسخہ ہاتھ لگ جائیگا وہ اسی طرح شور و غل کرکے ہمسے اسلام کی تمام باتیں ترک کرا دیں گے۔

جواب سوال اول از معاملہ دوم

اعلان مدح صحابہ کیلئے شرعی حکم کئی طرح سے ہے۔ اول یہ کہ تبلیغ قرآن مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے فرض کفایہ سہی اور قرآن مجید میں مدح صحابہ بوجہ اتم و اکمل موجود ہے لہذا ضمناً مدح صحابہ کی تبلیغ کا حکم بھی نکل آیا اور تبلیغ بغیر اعلان کے نہیں ہو سکتی۔

دوم یہ کہ جس وقت صحابہ کرام کی بدگوئی ہو انکی طرف سے بدگمانی پیدا کرانیکی کوشش کیجا رہی ہو جیسا کہ آجکل تو حدیث شریف میں حکم ہے کہ اسوقت علماء پر انکے فضائل و مناقب کا اظہار لازم ہے یہ بھی اعلان مدح صحابہ کا حکم ہے۔ یہ حدیث آگے آئیگی سوم یہ کہ سورۂ حشر کی آیت تو ضمناً نہیں بلکہ اصالۃً اور کسی شرط کے ساتھ نہیں بلکہ بلا شرط مہاجرین و انصار کی مدح کرنے اور ان کیلئے دعائے خیر مانگنے کو اور اُن سے بغض رکھنے کی مذمت کرنے کو ہر مسلمان کیلئے لازم قرار دے رہی ہے۔ قولہ تعالیٰ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

ترجمہ۔ جو لوگ مہاجرین و انصار کے بعد یہ کہتے ہوئے آئیں کہ اے ہمارے پروردگار مغفرت کر ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ایمان میں ہم سے سبقت لے گئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کا بغض نہ رکھ، اے ہمارے پروردگار تو رافت و رحمت والا ہے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ میں ان کے لئے دعائے خیر ہوئی۔

مسبقونا بالایمان میں انکے فضائل وکمالات کا ذکر ہوا غلا للذین اٰمنوا میں ان سے بغض رکھنے کی مذمت ہوئی۔ اس آیت کی تفسیر میں ایک مستقل رسالہ یہ حقیر تالیف کرچکا ہے ولله الحمد علی ذالک

جواب سوال دوم از معاملہ دوم

اول تو مدح صحابہ عین مدح رسول ہے صحابہ کرام کے کمالات کا اظہار رسول ہی کے کمالات کا بہترین صورت میں اعلان ہے۔ دوسرے یہ کہ محافل میلاد کو تو کسی نے ناجائز نہیں کہا۔ جو باتیں اس میں ناجائز کیجاتی ہیں انکو منع کیا جاتا ہے (دیکھو رسالہ اصلاح طریقۂ مولد از مولانا اشرف علی صاحب تھانوی) بے شک اس حقیر نے بارہا اس کا اعلان کیا ہی کہ اگر جلوس مدح صحابہ سے پابندیاں ہٹ جائیں تو ہم جلوس کے باقی رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے لیکن جلوس سے پابندی ہٹنا کجا۔ مدح صحابہؓ کیلئے کوئی محفل ومجلس کیجائے اُس پر بھی پابندی اُسی طرح قائم ہے۔ ان سب چیزوں کا علاج جماعتی قوت سے ہوسکتا تھا مگر افسوس کہ جماعتی قوت مدح صحابہ کی مخالفت تیتیم کرنے والے پیدا ہی نہیں ہونے دیتے۔

جواب سوال اول از معاملہ سوم

دو حدیثیں اس مضمون کی ہیں دونوں بحوالہ کتاب درج ذیل کیجاتی ہیں۔

قال النبی صلے اللّٰہ علیہ وسلم اذا ظہرت الفتن او البدع وسبت اصحابی فلیظہر العالم علمہ فمن لم یفعل ذالک فعلیہ لعنۃ اللّٰہ والملائکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللّٰہ منہ صرفا ولا عدلا۔ ترجمہ نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب فتنوں کا ظہور ہو یا فرمایا کہ بدعتوں کا ظہور ہو اور میرے اصحاب کی بدگوئی کیجائے تو عالم پر لازم ہی کہ اپنے علم کو ظاہر کرے پھر جو ایسا نہ کریگا اس پر اللّٰہ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہوگی اور اللّٰہ نہ اس کی کوئی عبادت قبول کریگا نہ کوئی پرہیزگاری۔ اس حدیث کی تخریج خطیب بغدادی نے اپنی کتاب "الجامع" میں کی ہی اور ان سے علامہ علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں اور ابن حجر مکی نے صواعق میں اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات میں نقل فرمایا ہے۔

لہ بقول شخصے چودھری نعمت اللہ صاحب کے بڑی غیرت معلوم ہوتی ہی کہ شیعہ گالی بکنے پر ایسے متفق ہو گئے کہ ایک آواز خلاف نہ اٹھی پانچ مہینہ تک تبرا ایجی ٹیشن جاری رہا اور ہم تعریف پر متفق نہ ہوسکے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حدیث دوم۔ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا لعن اٰخر ھذہ الامۃ اولھا فمن کتم حدیثا فقد کتم ما انزل اللہ ؛

ترجمہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اس امت (یعنی امت دعوت) کے پچھلے لوگ اس امت کے اولین (یعنی صحابہ کرام) پر لعنت کریں تو ایسے وقت میں جو شخص ایک بات بھی (صحابہ کے فضائل اور ان لعنت والوں کے جواب دہی کی) چھپائے گا اس نے یقیناً اللہ کی نازل کی ہوئی چیز کو چھپا ڈالا۔

اس دوسری حدیث میں ایک آیۂ قرآنی کی طرف اشارہ ہے جو سورۂ بقرہ پارہ دوم میں ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا الی قولہ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰہُ وَیَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ یعنی جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی چیز کو چھپاتے ہیں ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنیوالے لعنت کرتے ہیں۔ یہ حدیث سنن ابن ماجہ میں ہے

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی پاکیزہ کتاب ازالۃ الخفا کی تصنیف کا سبب اسی دوسری حدیث کو ظاہر فرمایا ہے

جواب سوال دوم از معاملہ سوم

علم کے ظاہر کرنے کو جلوس کی شکل میں منحصر و مختص ہرگز نہیں سمجھا جاتا۔ صرف بات اتنی ہے کہ سنیوں کو بہکانے اور صحابہ کرام سے بدظن کرنے کیلئے چونکہ جلوس کی شکل میں تبلیغ کیجاتی ہے اس لئے اس کا کماحقہ ازالہ بھی جلوس ہی کی شکل میں ہو سکتا ہے۔ جلوس کی شکل میں جتنی تبلیغ ہوتی ہے وعظ کی محفلوں اور رسالوں سے اس کی عشر عشیر بھی نہیں ہو سکتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ جلوس کی مزاحمت ہو رہی ہے اسلئے اسپر اصرار کیا جا رہا ہے اور جب تک یہ مزاحمت دفع نہو انشاء اللہ تعالیٰ یہ اصرار قائم رہے گا۔ تیسری بات سب سے بڑی یہ ہے کہ مدح صحابہ کے جلوس نے لکھنؤ اور لکھنؤ کے قرب و جوار میں سنیوں سے تعزیہ داری ترک کرادی لکھنؤ میں سنیوں کے تعزیہ گیارہ سو سے زائد

ہوتے تھے کچھ تو میرا اعظاء سے بند ہوئے اور بقیہ سب اسی جلادس کی برکت سے بند ہوئے
اب صرف گیارہ یا بارہ تعزیہ سنیوں کے شیعوں کی نوازشی کی وجہ سے باقی رہ گئے
ہیں اور حقیقت میں وہ لوگ شیعوں کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ تعزیہ داری
صرف فساد عمل تک محدود نہ تھی بلکہ عقائد تک اس کا اثر پہونچ رہا تھا بہت
سی چیزیں اس میں شرک کی حد تک پہونچی تھیں اور مذہب شیعہ کی طرف جذب کرنا
تو اس کا خاص کام تھا، اسی تعزیہ داری کی بدولت بکثرت سنی علانیہ شیعہ ہو چکے
تھے اور جو بچ گئے تھے وہ بھی در اصل نیم شیعہ تھے الا ماشاء اللہ۔
شیعوں کے تبلیغی مرکز مدرسۃ الواعظین کا آرگن اخبار "الواعظ" اپنی
اشاعت مورخہ یکم و ۸ جون ۱۹۳۹ء میں لکھتا ہے۔

اس وقت وہابی مسلک طبقہ پوری طرح اس کوشش میں
منہمک ہے کہ کسی نہ کسی ۔۔۔ تدبیر و ترکیب سے عزاداری کو
نقصان پہونچ جائے اسلئے کہ یہی وہ ادارہ ہے جو سنیوں
کی تعداد میں کمی اور شیعوں کی تعداد میں برابر اضافہ کر رہا ہے
اسی خیال کے پیش نظر مدح صحابہ کی تحریک بروئے کار
لائی گئی ہے

شیعوں کے اخبار "سرفراز" نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ مدح صحابہ کی تحریک
سے ہم کو مخالفت محض اس وجہ سے ہے کہ وہ سنیوں سے تعزیہ داری ترک کرانیکا
ایک کامیاب آلہ ہے۔

ہاں اگر جلوس یعنی کسی چیز کی تبلیغ مجمع کے ساتھ راستوں اور
سڑکوں پر گشت لگا کر کرنا شرعاً ممنوع ہو تو بیشک ہم کسی فائدہ کے لئے
کوئی ممنوع طریقہ نہیں اختیار کر سکتے لیکن اس کا شرعاً ممنوع ہونا کیا معنی،
اسکے نظائر البتہ شریعت میں موجود ہیں۔

مثل تکبیر تشریق کے کہ عید اضحیٰ میں عیدگاہ جاتے وقت اور لوٹتے وقت بلند آواز سے پڑھی جاتی ہے ظاہر ہے کہ راستوں پر اور سڑکوں پر بھی گذر ہوتا ہے اور جانے والوں کا مجمع بھی ہوتا ہے۔

جواب سوال سوم از معاملہ سوم

جانی و مالی نقصانات آج دنیا کے لوگ دنیا کے لئے بخوشی برداشت کر رہے ہیں مدح صحابہ تو دین کا معاملہ ہے ہاں اگر کسی ناجائز کام کے لئے جانی و مالی نقصانات اُٹھانا پڑیں تو بیشک اس سے بچنا چاہئے ہجرت سے قبل صحابۂ کرام نے خصوصاً حضرت صدیق اکبر نے بلکہ خود رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے محض اظہار دین کے لئے کیا کیا مصائب نہیں برداشت کئے لہذا ہر موقع پر جانی و مالی نقصانات سے بچنے کی کوشش کرنا بزدلی ہے اور شرعاً کوئی محمود فعل نہیں ہے۔

مقام عبرت ہے کہ مدح صحابہ جیسی محبوب چیز کے لئے جانی و مالی نقصانات کا اس قدر لحاظ کیا جائے اور بعض ناجائز کام جس میں جانی و مالی نقصانات کا پیش آنا یقینی ہو اور بکثرت پیش آتے ہیں وہاں یہ لحاظ نہ ہو بلکہ اُس ناجائز کام کی حمایت کیجائے مثلاً تعزیہ داری کہ اسکی بدولت ہندوؤں سے بکثرت لڑائیاں ہوتی ہیں اور بے حساب مالی و جانی نقصان پہونچتا ہے مگر وہاں تعزیہ داری کی حمایت کیجاتی ہے۔

ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین۔
ھذا آخر الکلام والحمد للہ رب العلمین وصلے اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد والہ وصحبہ اجمعین

کتبہ افقر عباد اللہ محمد عبدالشکور عافاہ مولاہ

۴ ۵ ۶۱
ج ۲ م

ف۱ غالباً یہ اشارہ ہے اشرف السوانح از حسن العزیز کے مرتب یہ بعض واقعات کی طرف ۱۲ حکیم الفیاض

فتویٰ تکفیر سے متعلق ضروری وضاحت

چند سال ہوئے جناب مولانا عبدالشکور صاحب و جناب مولانا حسین احمد صاحب مدنی و بعض دیگر علمائے کرام کے دستخطوں سے ایک فتویٰ شیعوں کی تکفیر کے باب میں شائع ہوا تھا۔ مولانا عبدالماجد صاحب نے حضرت حکیم الامت مدظلہ کی خدمت میں ایک مراسلہ بھیج کر اس فتوے کے متعلق صاحب ممدوح کی رائے دریافت کی۔ یہ مراسلہ اور مولانا تھانوی کا جواب اسی رسالہ "النور" میں شائع ہوا جس میں گذشتہ سال حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت شائع ہوئی تھی جسے امسال مدیر "صدق" نے عنوانات کے اضافہ کے بعد بطور فتویٰ شائع کیا ہے۔

غریب مدیر "النجم" کی شامت جو آئی اُس نے یہ مراسلہ اور مولانا کا جواب من وعن اپنے اخبار میں نقل کر دیا اور ایک نوٹ میں وضاحت کر دی کہ یہ رسالہ "النور" سے منقول ہے۔ پھر کیا تھا مولانا عبدالماجد صاحب کا پارۂ حرارت ایک سو کئی درجہ پر پہونچ گیا اور وہ اس قدر ناخوش ہوئے کہ ایک طرف اخبار "سچ" کا تبادلہ "النجم" سے بند کر دیا گیا اور دوسری طرف مدیر "النجم" کے نام ایسی ڈانٹ کی تحریر آئی کہ دفتر "النجم" میں اچھا خاصہ زلزلہ آگیا۔ گو مدیر "النجم" اور اس کے رفقا میں سے کسی کی سمجھ میں آج تک یہ بات نہ آئی کہ بیچارہ سے گناہ کیا سرزد ہوا تھا۔

ناراضی کی بنا بھی سن لیجیے۔ مولانا کا عتاب نامہ شاید "النجم" میں چھپ چکا ہے مگر اس وقت سامنے نہیں، اس لئے حافظہ پر اعتماد کر کے صرف مفہوم بیان کیا جاتا ہے۔ رسالہ "النور" میں جو کچھ چھپتا ہے اُس کی نوعیت اول تو فتویٰ کی نہیں ہوتی۔ دوسرے وہ محض مولانا تھانوی کے ارادتمندوں میں اشاعت کے لیئے ہے۔ عام اشاعت مقصود نہیں ہوتی۔

ان وجوہ کی معقولیت سے بحث نہیں، دیکھنا یہ ہے کہ جو غلطی مدیر "النجم" سے نادانستہ ہوئی تھی اب چند سال کے بعد مولانا عبدالماجد صاحب نے خود دانستہ

اُسی کا ارتکاب کیا ہے یعنی اُسی رسالہ "النور" سے مولانا تھانوی کی ایک تحریر نقل کر کے بلکہ اُس کو "فتویٰ" قرار دے کر اور عنوان اضافہ کر کے صدق میں شائع فرمایا ہے۔ کیا اب مدیر "النجم" کو یہ کہنے کا موقع نہیں کہ ؎

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

مگر امید کرنا چاہیئے کہ صدق کے فاضل مدیر اپنے قصور کا اعتراف کرنے کے بجائے انشاء اللہ وہ منطقی اور فلسفیانہ تاویلیں پیش کریں گے کہ مدیر النجم منہ تکتے رہ جائیں گے۔ ایک روہیلکھنڈی شاعر سالہا سال ہوئے کیسی مزے کی بات کہہ گیا ہے ؎

ہم جو چُپ ہوں تو بنیں سودائی
شیخ چپ ہو تو توکل ٹھہرے

فتدبر

راقم
اسلم لکھنوی

"الداعی لکھنؤ" جلد ۵ نمبر ۵ بابت جمادی الاولیٰ ۱۳۶۱ھ

فتویٰ تکفیر شیعہ کے متعلق حکیم الامت مولانا اشرف علیؒ تھانوی کی رائے

عقیدہ تحریف قرآن کے سبب شیعوں کے کافر اور خارج از اسلام ہونے کا جملہ اکابر علماء امت نے بصورت فتویٰ جو اعلان فرمایا تھا اُس فتویٰ تکفیر شیعہ کے بعد مولانا عبدالماجدؒ دریا آبادی اور مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے درمیان جو مراسلت فتویٰ مذکورہ سے متعلق ہوئی اس کو مولانا عبدالماجد دریا بادی کی کتاب "حکیم الامت" سے بلفظہ نقل کیا جاتا ہے جس سے قارئین کرام بآسانی اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ ان کا ذبیحہ اور وہ جملہ روابط جن میں ایک دوسرے کا مسلمان ہونا شرط ہے جائز ہیں یا ناجائز۔

دریا بادی: ایک فتویٰ تکفیر شیعہ کی نقل ملفوف ہے۔ اس پر علاوہ دوسرے اکابر علماء کے ہمارے مولانا کے دستخط بھی ثبت ہیں۔ کیا عرض کروں، مجھے شرح صدر اب بھی نہیں۔ شیعوں کو مبتدع، فاسق العقیدہ، گمراہ، اور جو کچھ بھی کہہ لیا جائے لیکن کافر اور خارج از اسلام کہتے دل لرزا اٹھتا ہے۔

حکیم الامت: یہ علامت ہے آپ کی قوت ایمانیہ کی۔ مگر جنھوں نے یہ فتویٰ دیا ہے ان کا منشا بھی وہی قوتِ ایمان ہے کہ جس کو ایمانیات کا منکر دیکھا بے ایمان کہہ دیا

——— دریا بادی: اگر سب گمراہ فرقے یوں ہی خارج از اسلام کئے جاتے رہے تو مسلمان رہ ہی کتنے جائیں گے۔

——— حکیم الامت: اس کا ذمہ دار کون ہے۔ کیا خدانہ کردہ اگر کسی مقام میں بکثرت لوگ مرتد ہو جائیں اور تھوڑے ہی مسلمان رہ جائیں تو کیا اس مصلحت سے ان مرتدین کو بھی کافر نہ کہا جائے گا۔

——— دریا بادی: شیعوں سے مناکحت اگر تجربہ سے مضر ثابت ہوئی ہے تو بس تہدیداً اس کا روک دینا کافی ہوگا۔

——— حکیم الامت: اس تہدید کا عنوان بجز اس کے کوئی ہے بھی نہیں غور فرمالیا جائے۔

——— دریابادی: میرا دل تو قادیانیوں کی طرف سے بھی ہمیشہ تاویل ہی تاویل ہی تلاش کرتا رہتا ہے۔

——— حکیم الامت: یہ غایت شفقت ہے۔ لیکن اس شفقت کا انجام سیدھے سادھے مسلمانوں کے حق میں عدم شفقت ہے کہ وہ اچھی طرح ان کا شکار ہوا کریں گے۔

——— دریابادی: جو بنار تکفیر قرار دی گئی ہے یعنی عقیدۂ تحریف قرآن اسی میں تو گفتگو ہے۔ اگر یہ عقیدہ ان کے مذہب کا جزء ہوتا تو ہمارے قدیم محققین شاہ عبدالعزیزؒ وغیرہ سے مخفی نہ رہتا۔

——— حکیم الامت: جب ان کی مسلّم کتابوں سے جزئیت ثابت ہے، پھر اگر حضرت شاہ صاحبؒ کا سکوت ثابت ہے جس کی مجھ کو تحقیق نہیں تو ان کے سکوت میں تاویل ہو گی نہ کہ جزئیت میں۔

——— دریابادی: بہت زائد خلش مجھے اس کی ہے کہ اب تک ہم آریوں اور عیسائیوں کے سامنے کلام مجید کے غیر محرف اور محفوظ ہونے کو بطور ایک بالکل مسلّم و ناقابلِ اختلاف عقیدہ کے ہی پیش کرتے رہے ہیں۔ اب ان معاندین کے ہاتھ میں ایک نیا حربہ آجائے گا کہ دیکھو خود تمہارا ہی کلمہ پڑھنے والے اور تمہارے ہی قبلہ کو ماننے والے قرآن کو ناقص و محرف مان رہے ہیں۔

——— حکیم الامت: اس سے تو اور زیادہ ضرورت ثابت ہو گئی ان کی تکفیر کی پھر ہمارے پاس صاف جواب ہو گا کہ وہ مسلمان ہی نہیں۔

——— دریابادی: حضرت حاجی امداد اللہؒ کا جو مکتوب سرسید احمد خاں کے نام تھا، مجھے اتنا پسند آیا تھا کہ میں نے اسے اہتمام کے ساتھ سچ میں شائع کیا تھا۔[1]

[1] اس کا ذکر ان ہی اوراق میں کہیں پہلے گذر چکا ہے۔

میری فہم ناقص میں اسی کو معیار رکھنا چاہیئے۔ اور اسی کے مطابق برتاؤ تمام گمراہ فرقوں سے رکھا جائے۔ یعنی نہ مداہنت، اور نہ ایسی مخالفت کہ ان میں اور آریوں عیسائیوں میں کوئی فرق ہی نہ رہ جائے۔

حکیم الامت: لیکن اگر وہ خود ہی اپنے کو کافر بنائیں (بالنون) تو کیا ہم اس وقت بھی اُن کو کافر نہ بتائیں (بالتاء) دنیا میں آج تک اپنے کو کسی نے کافر نہیں کہا بلکہ کوئی عیسائی کہتا ہے کوئی یہودی مگر چونکہ اُن کے عقائد کفریہ دلائل سے ثابت ہیں اس لئے اُن کو کافر ہی کہا جائے گا۔ تو مدار اس حکم کا عقائد کفریہ پر ٹھہرا، تو اگر ایک شخص اپنے کو فرقۂ شیعہ سے کہتا ہے اور کوئی عقیدۂ کفریہ اس مذہب کے اجزاء یا لوازم سے ہے، تو اپنے کو اس فرقہ میں بتلانا بدلالت التزامی اس عقیدہ کو اپنا عقیدہ بتلانا ہے۔ پھر عدم تکفیر کی کیا وجہ؟ اور اگر ان کے ہاں یہ عقیدہ مختلف فیہ بھی ہوتا تب بھی کسی کی تکفیر میں تردد ہوتا۔ لیکن یہ بھی نہیں، اور جو اختلاف ہے وہ غیر معتد بہ ہے، جس کو خود اُن کے جمہور رد کر رہے ہیں۔ اس حالت میں اصل تو کفر ہو گا البتہ اگر کوئی صراحۃً کہے کہ میرا یہ عقیدہ نہیں ہے یا کوئی فرقہ اپنا لقب جُدا رکھ لے مثلاً جو علماء ان کے نافی ہیں تحریف کے[^1]، ان کی طرف اپنے کو منسوب کیا کریں مثلاً اپنے کو صدوقی یا قمی یا مرتضوی یا طبری کہا کریں، مطلق شیعہ نہ کہیں، تو خاص اس شخص کو یا اس فرقہ کو اس عموم سے مستثنیٰ کہہ دیں گے۔ لیکن ایسے استثناؤں سے قانونی حکم نہیں بدلتا ہے۔ حرمت نکاح و حرمتِ ذبیحہ احکام قانونی ہیں، یہ اس پر بھی جاری ہوں گے جب تک وہ فرقہ متمیز و مشہور نہ ہو جاوے۔ خصوص جب تقیہ کا بھی شبہ ہو تو خواہ سوءِ ظن نہ کریں مگر احتیاطاً عمل سوءِ ظن ہی جیسا ہو گا۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا معاملہ اس کے عقیدہ کے موافق ہو گا۔ اگر کوئی ہندو توحید کا بھی قائل ہو اور رسالت کا بھی، لیکن اپنے کو ہندو ہی سمجھتا ہو تو اس کے ساتھ آخر کیا معاملہ ہو گا، یہی حالت یہاں کی ہے۔

[^1]: منکرِ تحریف

"ضلع فتحپور" میں ہندوؤں کی ایک جماعت ہے جو قرآن و حدیث پڑھتے اور نماز روزہ کرتے ہیں، مگر اپنے کو ہندو کہتے ہیں۔ لباس اور نام سب ہندوؤں جیسا رکھتے ہیں[۱]۔ اگر وہ اپنے کو ہندو کہیں اور اپنا مشرب ظاہر نہ کریں تو کیا سامع کے ذمہ تفصیل واجب ہوگی۔

——— دریابادی : جناب کو ہر معاملہ میں اپنا کچا چٹھا لکھ بھیجتا ہوں، خدا کرے اس باب میں بھی آپ کا جواب یا صواب میرے حق میں ذریعہ تشفی ہو جاوے۔

——— حکیم الامت : تشفی کا ذمہ تو مشکل ہے، خصوص اسی خشیت کا غلبہ خود مجھ پر بھی ہے۔ مگر حضرت جنیدؒ نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے حسین بن منصور کے خلاف فتوے لکھا تھا[۲] محض حفاظت شرع کے لئے، ہم لوگ بھی ان ہی کے متبع ہیں اور راز اس کا وہی ہے کہ اس رعایت میں سادہ لوح مسلمانوں کی ہلاکت ہے۔ مولوی محمد شفیع صاحب[۳] نے اصول تکفیر میں ایک مختصر اور جامع اور نافع رسالہ لکھا ہے۔ بعض اجزا میں میں بھی الجھا۔ مگر ان کی تقریر و تحریر سے قریب قریب صاف ہو گیا، وہ عنقریب چھپ جائیگا، میں نے اس کا نام رکھا ہے۔ اصول الافکار الی اصول الاکفار۔

اس عامی کا ذہن ان ارشادات عالیہ سے تشفی نہ پا سکا۔ ۱۰ دسمبر کے عریضہ میں پھر جرأت کر کے کچھ عرض کیا۔ اور پھر ادھر سے کچھ مزید جوابات ملے۔

——— دریابادی : "تکفیر شیعہ کے مسئلہ میں ارشادات گرامی سے مستفید ہوا۔ لیکن غالباً پہلے عریضہ میں اپنا مفہوم پوری طرح واضح نہ کر سکا تھا۔ یہ تسلیم

---

[۱] اور سننے میں آیا ہے کہ یہ اثر مولانا ظہور الاسلام فتحپوری کے حسن تبلیغ کا تھا۔ ڈاکٹر دیس راج، رنجیت سنگھ، آنریبل منشی ایشور سرن وغیرہ ممتاز رکن کہا جاتا ہے کہ اسی جماعت کے تھے (عبدالماجد)

[۲] حضرت نے یہ روایت عام صوفیانہ تذکروں کے مطابق نقل کر دی ورنہ جیسا کہ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے اپنے مکتوب میں مجھے لکھا، حضرت جنیدؒ کی وفات ابن منصور کے واقعہ قتل سے ۱۲ سال قبل ہو چکی تھی۔

[۳] مراد ہیں مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی۔ سابق مفتی دیوبند۔ حال مقیم پاکستان۔

کر لینے کے بعد کہ وہ تحریف قرآن کے قائل ہیں، بیشک فتویٰ وہی ہوگا جو آپ حضرات دے رہے ہیں۔ لیکن یہی تو اصل مدار کلام ہے۔ آیا یہ عقیدہ تحریف قرآن ہے بھی واقعۃً ان کے مذہب کا جزو؟ مولانا نے اپنے والانامہ میں تحریر فرمایا کہ مولانا عبدالشکور صاحب کی نظر اس باب میں ہم سب سے زیادہ وسیع ہے۔ اور ایسا ہی کچھ جناب کے گرامی نامہ سے بھی مترشح ہے۔ تو گویا تکفیر کا مدار ایک عالم کی روایت ٹھہرا۔

—— حکیم الامت: نہیں بلکہ اس فرقہ کی مسلمہ کتابوں کی متواتر روایات جو کتابیں ہم لوگوں نے نہیں دیکھیں۔ ایک عالم نے دیکھیں۔ مگر مدار صرف اس کے دیکھنے پر نہیں بلکہ وہ دکھلانے پر تیار ہیں۔ وہ ایک عالم پتہ دینے والے ہیں۔ اس سے صرف ان کے قول کا مدار ہونا لازم نہیں آتا۔

—— دریابادی: میرا اصلی اشکال یہی ہے کہ اتنی بڑی اہم روایت جس سے لاکھوں افراد کا خروج عن الاسلام لازم آتا ہے، تنہا ایک راوی کے اعتماد پر (وہ راوی کیسا ہی متدین سہی) مان لیا جائے، درآنحالیکہ ہمارے ہاں کے صدہا علماء محققین اس مذہب کی کتابوں کا ہزار بارہ سو سال سے مطالعہ برابر کرتے آرہے ہیں، اور اس فرقہ کی گمراہی پر بھی سب متفق ہیں۔ اور پھر خود اس فرقہ کے علماء اس عقیدہ سے انکار و تبرّی کر رہے ہیں۔

—— حکیم الامت: تو وہ ان کتابوں کا کیا جواب دیتے ہیں؟ کیا وہ کتابیں مسلّم نہیں؟

—— دریابادی: مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مولانا شاہ عبدالعزیزؒ سب نے ردّ شیعہ میں لکھا ہے لیکن یہ بناء تکفیر کسی نے نہیں تحریر فرمائی۔

حکیم الامت: کتابوں کے ہوتے ہوئے یہ احتمالات کیا قوت رکھتے ہیں۔ کیا عدم التفات اس کا سبب نہیں ہو سکتا۔

دریا بادی: میری فہم ناقص میں تو یہ آتا ہے کہ ان سب حضرات کے اقوال میں تاویل کرنے سے یہ آسان تر ہے کہ خود مولانا عبدالشکور صاحب کی تحقیق میں تاویل کر لی جائے، خصوصاً جب کہ مصلح ملت بھی اسی کے داعی ہیں۔

حکیم الامت: کیا تاویل؟ اور آیا وہ اس تاویل پر مطلع ہو کر قبول بھی کر لیں گے۔ یا وہ تاویل القول بما لا یرضیٰ بہ القائل میں داخل ہوگی۔

مشورہ۔ مولانا عبدالشکور صاحب سے بھی ان سب خیالات کو پیش فرمایا جاوے۔

دریا بادی: یہ خط بند ہی کر رہا تھا کہ ایک صاحب نے ڈاک سے مشہور و مستند شیعہ مجتہد قاضی نوراللہ شوستری کی کتاب مصائب النواصب سے حسب ذیل اقتباس بھیجا ہے:۔

> شیعہ امامیہ کی جانب جو عقیدہ تغیر فی القرآن کا منسوب کیا گیا ہے، تو جمہور امامیہ اس کے قائل نہیں یہ قول تو صرف ایک حقیر سی جماعت کا ہے جو قابل اعتنا نہیں![1]

حکیم الامت: اس کا مفصل جواب تو مولوی عبدالشکور صاحب دیں گے۔ مگر میں اس وقت قاضی صاحب کی نسبت اتنا سوال کرتا ہوں کہ اس شرذمہ قلیلہ کو جمہور امامیہ مسلمان سمجھتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو تصریح دکھلائی جائے۔ اور اگر مسلمان سمجھتے ہیں تو کافر کو مسلمان سمجھنا اور تحریف قرآن کے عقیدہ کو کفر نہ سمجھنا یہ بھی کفر ہے یا نہیں، اگر نہیں تو کیوں۔ اگر ہے تو جمہور امامیہ کیا ٹھہرے"،

---

[1] ما نسب الی شیعۃ الامامیۃ بوقوع التغیر فی القرآن لیس من ما قال بہ جمہور الامامیۃ انما قال بہ شرذمۃ قلیلۃ ولا اعتداد بہم۔

وہ طویل مکتوب ۔ اردسمبر والا ابھی ختم نہیں ہوا ۔ ابھی چل رہا ہے ۔ اور یہ پورا نمبر بھی اسی کی نذر ہوگا ۔ بہر حال پچھلے نمبر کی حضرت کی عبارت سے مسلسل آگے پڑھئے

" جواب سابق جانے کے بعد اس کے متعلق ایک مختصر مضمون اور ذہن میں آیا تھا اگرچہ اس کی چنداں حاجت نہیں مگر ضیافت طبع کے طور پر اس کی نقل جداگانہ کاغذ پر بھیجتا ہوں ۔

تنقیح علی اصول الفقہ ۔ تکفیر کے دو درجے ہیں ۔ ایک فی ما بینہ و بین اللہ یعنی جو معاملات عبد اور حق تعالیٰ کے درمیان ہیں ان کا مدار تو کفر باطنی پر ہے ۔ جس کا بالتعیین کسی پر حکم نہیں لگایا جا سکتا ۔ اور دوسرا درجہ احکام ظاہرہ کے اعتبار سے ہے ۔ اس کا مدار قوانین خاصہ پر ہے جو علماء کے کلام میں مدوّن ہیں ۔ اس درجہ میں احتمالات غیر ناشی عن دلیل ملحوظ نہیں ۔ ورنہ کسی کافر پر جہاد تک بھی جائز نہ رہے ۔ کیونکہ احتمال ہے کہ یہ دل میں مومن ہو اور اظہار کفر میں اس کے پاس کوئی واقعی عذر ہو ۔ اور ظاہر ہے کہ اس میں کس قدر خلط خبط لازم آتا ہے ۔

توضیح علی اصول الکلام ۔ ایمان جس طرح ایک اجمالی ہے ایک تفصیلی ۔ اور دونوں مدار احکام ہیں ۔ اسی طرح کفر بھی ایک اجمالی ہے ایک تفصیلی ۔ اور دونوں مدار احکام ہیں ۔ پس جیسا فرقہ اسلامیہ کی طرف اپنے کو نسبت کر دینا موجب حکم بالایمان ہے گو ایک ایک عقیدہ اسلامیہ کی تفصیل نہ کرے ۔ اسی طرح کسی فرقۂ کفریہ کی طرف اپنے کو نسبت کر دینا موجب حکم بالکفر ہے گو ایک ایک عقیدہ کفریہ کی تفصیل نہ کرے ۔ آگے ایک ضعیف سوال رہ جاتا ہے کہ اگر ایسے فرقہ کی طرف اپنے کو منسوب کرے جس کے کچھ عقاید اسلامیہ ہوں کچھ کفریہ اس کا کیا حکم ہوگا سو قواعد سمعیہ و عقلیہ اس پر متفق ہیں کہ مجموعہ ایمان و کفر کا کفر ہی ہے ۔ وقد صرح فی قولہ تعالیٰ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيدُونَ اَنْ يَّتَّخِذُوا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا ورنہ دنیا میں ایسا کوئی

کافر نہ نکلے گا جس کا ہر عقیدہ کفریہ ہی ہو کثرت سے کافر صانع کے قائل ہیں۔ کثرت سے معاد کے قائل ہیں۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اگر ننانوے (۹۹) وجوہ کفر کی ہوں اور ایک ایمان کی تو ایمان کا حکم کیا جائے گا۔ اس سے مراد کسی ایک ہی قول یا فعل کے وہ وجوہ ہیں جن میں دونوں احتمال ہیں جیسے ایک کلام کے کئی معنی ہو سکتے ہیں۔

تصریح الجواب علیٰ اصول التصوف۔ جواب بالا مع اپنے کل اجزاء کے درجہ منع میں ہے یعنی فتویٰ مذکورہ پر جو شبہات تھے، ان کا جواب ہے۔ جواب بالا خود فتویٰ نہیں۔ چونکہ سرسری نظر میں اس کو فتویٰ سمجھا جا سکتا تھا اس لئے تسہیل[1] امر کے لئے اپنی تحقیق خاص اس باب میں معروض ہے۔ اور یہ تحقیق باعتبار اپنی حقیقت کے فقہ اور کلام ہی میں داخل ہے۔ مگر باعتبار صورت کے اس کو تصوف سے خاص قرب و مناسبت ہے۔ اس لئے عنوان میں اس کا لحاظ رکھا گیا۔ وہ تحقیق یہ ہے کہ اگر کسی خاص جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو خواہ تردد کے اسباب علماء کا اختلاف ہو، خواہ قرائن کا تعارض ہو یا اصول کا غموض ہو تو اسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم کیا جاوے نہ اسلام کا۔ حکم اول میں تو خود اس کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے اور حکم ثانی میں دوسرے مسلمانوں کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے، پس احکام میں دونوں احتیاطوں کو جمع کیا جائے گا یعنی نہ اس سے عقد مناکحت کی اجازت دیں گے نہ اس کی اقتداء کریں گے نہ اس کا ذبیحہ کھائیں گے۔ اور نہ اس پر سیاسیات کا قرانہ جاری کریں گے۔ اگر تحقیق کی قدرت ہو تو اس کے عقاید کی تفتیش کر لیں گے اور اس تفتیش کے بعد جو ثابت ہو ویسے احکام جاری کریں گے۔ اور اگر تحقیق کی قدرت نہ ہو تو سکوت کریں گے۔ اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں گے۔ اس کی نظیر وہ حکم ہے جو اہل کتاب کی مشتبہ روایات کے متعلق حدیث میں وارد ہے لا تصدقوا اهل الکتاب ولا تکذبوا هم وقولوا امنا بالله وما انزل الینا رواه

[1] تسہیل (قاموس)

البخاری۔ دوسری فقہی نظیر احکام خنثیٰ کے ہیں۔ یوخذ فیہ بالاحوط والاوثق فی امور الدین وان لا یحکم بثبوت حکم وقع الشک فی ثبوتہ، واذا وقف خلف الامام قام بین صف الرجال والنساء ویصلی بقناع ویجلس فی صلاتہ جلوس المرأۃ ویکرہ لہ فی حیلۃ لبس الحلی والحریر ویخلو بہ غیر محرم من رجل او امرأۃ او یسافر من غیر محرم من الرجال وان مات لم یغسلہ رجل ولا امرأۃ وتیمم بالصعید ویکفن کما یکفن الجاریۃ"۔

——— دریابادی: گرامی نامہ نے سرفراز کیا۔ اس شفقت بزرگانہ[1] پر دل خاص طور پر سپاس گذار ہوا۔ ایک علٰحدہ پیکٹ میں ایک شیعی عالم کا رسالہ اس مبحث[2] پر ارسال خدمت کر رہا ہوں۔

——— حکیم الامت: اب کی بار جواب میں خلاف عادت قدرے دیر ہوئی جس کا سبب یہ تھا کہ ایک روز رسالہ کے دیکھنے اور اتفاق سے مولوی حبیب احمد آگئے تھے ان کے دکھلانے میں صرف ہوا۔ پھر چونکہ اُن کی نظر اس جماعت کی کتابوں پر ہے میں نے اُن سے اس کے متعلق رائے لکھنے کی فرمائش کی۔ اس کی نقل میں ایک دن کی دیر ہوئی۔ چنانچہ وہ تحریر بھی ہمراہ ہے۔ اصل رسالہ بھی تطبیق مقامات کے لئے مرسل ہے۔ مولوی حبیب احمد کی استدعا ہے کہ ایسا ہی رسالہ اگر ممکن ہو بہ قیمت یہاں بھجوا دیا جائے میں اطمینان سے مفصل تنقید کروں گا۔ یہ ان کا قول ہے۔ اب میرا قول ہے کہ اگر آسکے تو اس کی قیمت میرے ذمہ ہے۔ مولوی صاحب کے عنوانات کو نہ دیکھئے، مضمون کو رسالہ پر منطبق کر کے دیکھئے اور میری نظر ان کی کتابوں پر ہے نہیں، میں زیادہ مدد نہیں دے سکتا۔

---

[1] یعنی اب کی مکاتبت میں ابتداء کرنا، اور مسئلہ کا فیصلہ اپنے اصلی مذاق کے مطابق، مسلک تصوف پر کرنا۔

[2] غالباً یہ رسالہ "تحریف کی خانہ ساز حقیقت" مؤلفہ علامہ محمد نقی صاحب بانی امامیہ مشن ہے، جس کا جواب امام اہل سنت رح نے "تحریف کی خانہ ساز حقیقت کا جواب" کے نام سے تحریر فرمایا ہے، جس کے پہلے حصہ کا نام "معجزۃ القرآن" ہے اور دوسرے کا "نصرۃ القرآن"۔ اہل علم کے لئے دونوں حصوں کا مطالعہ نہایت مفید و ضروری ہے۔ ایک ایک لفظ کا جواب ہے اور اہل علم کے لئے نہایت اثر انگیز۔

______ دریابادی: جناب کا تو ایک خاص مسلک انزوا اور عزلت کا ہے مجھے زیادہ فکر و حیرانی دوسرے علماء سے متعلق ہے۔ خصوصاً حضرات فرنگی محل اور جمعیۃ العلماء، اور سب سے بڑھ کر خود اپنے مولانا[۱] کے متعلق۔ ان حضرات کا شیعوں کا ساتھ سیاسی جلسوں میں برابر رہا کرتا ہے یہ شیعہ رئیسوں کی مہمان داری قبول کرتے ہیں۔ ان کے ہاں ٹھہرتے ہیں، شیعہ اکابر کو جلسوں کا صدر بناتے ہیں[۲]۔ غرض سارا اخلا ملا بالکل مسلمانوں کا سا۔ فتویٰ تکفیر کے ساتھ ان اعمال کا تطابق میری سمجھ سے باہر ہے۔

______ حکیم الامت: ایسے برتاوے میں تو میں بھی مبتلا ہوں۔ میں اگرچہ کہیں نہیں جاتا سو وہ تو میرے پاس آتے ہیں۔ میں بھی برتاؤ مسلمانوں جیسا کرتا ہوں صرف اس بنا پر کہ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔ اور حقیقت اس برتاؤ کی محض خوش اخلاقی ہے[۳]۔

---

[۱] شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ۔

[۲] چند ہی روز قبل لکھنؤ میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس کے جلسے بہت دھوم دھام سے ہوئے تھے، ان میں سنی علماء نہ صرف شیعہ ممبروں کے ساتھ شیر و شکر تھے بلکہ متعدد علماء کرام مشہور شیعی رئیس، راجہ احمد علی خاں (سلیم پور) کے برابر مہمان رہا کئے۔

[۳] یہ یقیناً مولانا کی خوش اخلاقی تھی کہ اچھی مثال دوسرے علماء کے ساتھ پیش کر دی۔ دونوں کے طرز عمل میں کوئی نسبت ہی نہ تھی۔

ایک باخبر صاحبِ علم کا مکتوب نمبر ۱

حضرت ......[1] دامت برکاتکم وعمت - بعد اہدای سلام مسنون باداب مقرون گزارش ہے کہ اس وقت "سہیل لکھنؤ" کے دو متفرق نمبر اتفاقاً اس کمترین کو مل گئے ایک پرانا پرچہ ربیع الثانی سنہ ۴۶ھ کا ہے اور ایک تازہ ربیع الاول سنہ ۴۸ھ کا دیکھکر دل چاہا کہ کچھ لکھوں مگر جس قدر اختصار میں چاہتا تھا نہ ہو سکا لہذا اس کو دو حصوں پر تقسیم کر دیا پہلا مضمون آج بھیجتا ہوں اور دوسرا انشاء اللہ تعالیٰ اکل شرف دست بوسی حاصل کرے گا۔

میں جو کچھ لکھ رہا ہوں یہ سب "النجم" کا فیض ہے ورنہ میں اپنی حالت خود جانتا ہوں ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل　　　　نسیمِ صبح تیری مہربانی

حق یہ ہے کہ مذہب شیعہ کے جو سربستہ راز جناب والا کے ذریعہ سے منکشف ہوئے اب تک دنیا اُن سے بے خبر تھی بعض بعض چیزوں کے کچھ مجمل اشارات حضرت مولٰنا شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں خصوصاً ازالۃ الخفا میں ملتے ہیں مگر اُن اشارات کا مفہوم اب آپ کی تحریرات عالیہ کے دیکھنے کے بعد سمجھ میں آتا ہے۔

خاصکر یہ مسألہ کہ شیعوں کا ایمان قرآن مجید پر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے حضور والا[2] نے اس قدر صاف کر دیا کہ بے اختیار دل سے یہ دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایسی اچھی جزا عطا فرمائے جو قرآن کریم کی بڑی سے بڑی خدمت کرنے والوں کو اُسنے دی ہو وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

اِس مسألہ سے جو جو فوائد حاصل ہوئے واقعی بہت ہیں۔ بہت سے فوائد "النجم" کے ایسے ہیں کہ عام طور پر لوگوں کو ان کا احساس بھی نہیں مثلاً عرض کرتا ہوں کہ میرے ایک دوست نے جو ابھی حال ہی میں "تھانہ بھون" سے ایک طویل قیام کے بعد آئے ہیں بیان فرمایا کہ جناب مولٰنا اشرف علی صاحب سے کسی نے شیعہ سنی کی مناکحت اور اس مناکحت کیوجہ سے توارث کا مسألہ دریافت کیا تھا مولٰنا نے

---

[1] کسی کی تعریف میں اسقدر مبالغہ مذموم ہے اسی لئے اس مقام کے الفاظ حذف کر دیئے گئے۔ مدیر "النجم"

[2] ہاں یہ حق تعالیٰ کا احسان ہے کہ ایک ذرہ ناچیز سے اپنی کتاب پاک کی خدمت لی وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْم۔ مدیر "النجم"

اسکے جواب مین فرمایا کہ النجم کے دیکھنے سے مجھے معلوم ہوچکا ہے کہ شیعوں کا ایمان قرآن مجید پر نہیں ہے اس لیے یہ شخص اگر پہلے مجھسے دریافت کرتا تو میں اس نکاح ہی کو نا جائز بتاتا" یہ اور اس قسم کے فوائد جو علماے اعلام کو پہونچے بہت زائد اور اکثر و بیشتر غیر محسوس ہیں۔

اس مسالہ ایمان بالقرآن سے شیعہ بھی بہت بے چین ہوے اور اس بے چینی کا علاج نہ ابتک کچھ ہوسکا نہ ہوسکتا ہے۔ قرآن مجید کا رُعب اس قدر ہے کہ کلمہ گوئی کے بعد قرآن مجید پر ایمان نہ رکھنے کا صاف اقرار کرلینے اور اس عیب کو اپنے سر اوڑھ لینے کی جراُت نہیں ہوتی اور اس عیب سے صفائی پیش کرنا بھی مذہب شیعہ کو ساتھ رکھتے ہوے نا ممکن ہے۔

---

۷ محرم ۱۳۴۷ھ　　　　النجم لکھنؤ نمبر ۱ جلد ششم

علامہ بحر العلوم کا فتویٰ

"فواتح الرحموت" شرح "مسلّم الثبوت" میں صاف لکھدیا کہ تفسیر "مجمع البیان" دیکھنے سے مجھے شیعوں کا یہ عقیدہ معلوم ہوا اور جو شخص قرآن کے کم ہو جانے کا قائل ہو وہ قطعاً کافر ہے۔ چنانچہ علامہ بحر العلوم لکھتے ہیں کہ :

و نقل فی مجمع البیان عن بعض شیاطینھم الذین عندھم ثقات انہ ذھب من القرآن آیات کثیرۃ العیاذ باللہ ولا یعلمہا الا المعصوم وسیبیّنہا الامام المھدی الموعود مع انہ قد تواتر ان القرآن ھو ھذا۔

تفسیر "مجمع البیان" میں بعض ان کے شیاطین سے جو روافض کے نزدیک ثقات میں سے ہیں یہ امر منقول ہے کہ قرآن سے بہت سی آیتیں جاتی رہی ہیں اور پناہ بخدا ان گمشدہ آیتوں کو معصوم کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور عنقریب حضرت قائم منتظر ان آیات کو بیان فرمائیں گے، باوصفیکہ یہ امر متواتر ہے کہ قرآن یہی ہے جو موجود ہے۔

امام اہل سنت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی لکھتے ہیں کہ علامہ بحر العلوم فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کو شیعوں کی تفسیر "مجمع البیان" دیکھنے کو مل گئی اور اس سے اُن کو معلوم ہوا کہ شیعہ تحریف قرآن کے معتقد ہیں، اگرچہ تفسیر "مجمع البیان" کا مصنف[1] منجملہ ان چار اشخاص کے ہے جو تحریف قرآن کا از راہ تقیہ انکار کرتے ہیں اور اس نے دوسرے شیعوں کی صفائی کے لئے تحریف قرآن کے عقیدہ کو بہت ہلکا کر کے دکھایا ہے۔

منقول از "النجم" نمبر ۱ جلد ششم صـ۷، ۷ محرم ۱۳۴۷ھ

---

[1] ابو علی مصنف تفسیر "مجمع البیان"۔ عنوان از ادارہ

مذہب کی سیاسی اور غیر سیاسی تقسیم

از افادات حجۃ الاسلام امام اہلسنت حضرت مولانا الحاج والحافظ شاہ محمد عبدالشکور فاروقی مجددی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

حسب فرمائش جناب شیخ عبدالعزیز صاحب رئیس تلہ گنگ ضلع کیمبل پور

یکے از مطبوعات
مکتبہ فاروقیہ کراچی ۳۲
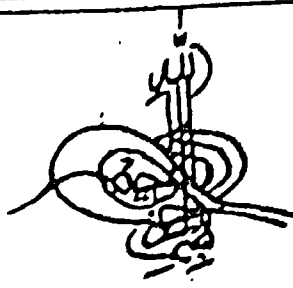
سرنامہ

زیر نظر مکتوب میرے والد امام اہلسنت حجۃ الاسلام حضرت مولینا الحاج والحافظ شاہ محمد عبدالشکور فاروقی مجددی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے مخدومی المکرم مولینا ومقتدانا حاجی حافظ حکیم محمد اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ کے نام جمعہ ۴ ذیقعدہ ۱۳۷۶ھ کو دارالمبلغین لکھنؤ سے تحریر فرمایا تھا اور ساتھ ہی اس نامۂ گرامی کی نقل بھی اپنے پاس رکھ لی تھی ——————

حضرت والدی العلام رحمۃ اللہ علیہ نے اس نامۂ شامہ میں وقت کے جن اہم مسائل پر خامہ فرسائی فرمائی ہے اسکی ضرورت آج بھی اسی طرح محسوس ہو رہی ہے جیسا کہ اس وقت تھی۔

اس والا نامہ کے حواشی برادر محترم مولنا مولوی حافظ محمد عبدالمومن فاروقی مدیر "اخبار النجم" "آفتاب و حرم کے زور قلم کا نتیجہ ہیں جنکی پر خلوص سعی و کاوش نے وہ جگمگاتے اور تابناک فانوس روشن کئے جو ہر جویائے حق کے لئے مشعلِ راہ رہیں گے۔ برّد اللہ مضاجعہم

عرصہ سے خیال تھا کہ قبلہ و کعبہ نوّر اللہ مرقدہ کے تمام وہ مکاتیب شائع کئے جائیں جو مختلف دینی اُمور پر مشتمل ہیں بحمد اللہ اس سلسلے کا یہ پہلا مکتوب پیش ہے جو زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ فللّٰہ الحمد حمداً کثیراً۔

میری خواہش ہے کہ برادران دینی تمام وہ مکاتیب جو اعلیٰ حضرتؒ کے ان کے پاس وقتاً فوقتاً آئے ہیں مجھے ارسال فرمادیں جو بعد طباعت انشاء اللہ اسی طرح بصد شکریہ مجلد ہئے جائیں گے جس طرح کہ وہ موصول ہوئے

اس جدوجہد میں دینی تعلیمات کے اضافے کا امکان ہے،

گراں قدر معلومات کا یہ حصہ اہل علم کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ روشن مستقبل کی ضمانت دے گا۔

فقط ناچیز محمد عبد الغنی الفاروقی غفرلہ

مورخہ بروز شنبہ ۱۲/ اکتوبر ۱۹۶۸

باسمہ تعالیٰ حامداً ومصلیاً ومسلماً

از لکھنؤ ـــــ دار المبلغین

۴ ذیقعدہ ـــــ یوم جمعہ

۱۳۶۴ھ

جامع الفضائل والمکارم زیدت معالیکم ـــــــ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ ـــــ اس وقت یہ عریضہ ایک خالص دینی مقصد کے لئے لکھ رہا ہوں اور دعا کر رہا ہوں کہ :۔ خدا پیرایہ بخشد از قبولش

اس مرتبہ جب آپ کی زبان مبارک سے سنا کہ مسلم کی دو قسمیں ہیں، سیاسی اور مذہبی تو اس حقیر نے عرض کیا کہ آپ ایسا نہ فرمائیں بلکہ دوسروں کو اس تقسیم سے روکیں ـــــ اس مرتبہ سے پہلے بھی ایک دفعہ آپکی زبان مبارک سے یہ تقسیم سنی تھی اور تکلیف بھی ہوئی تھی مگر اس وقت کچھ عرض نہیں کیا گیا تھا ـــــ

آپ سے پہلے جناب عبد الماجد دریابادی نے اس تقسیم کا مضمون[1] حوالہ قلم کرتے ہوئے لکھا تھا کہ

"میرے نزدیک مسلم وہ ہے جو اپنے کو مسلمان کہتے ہوئے نہ شرماتے"

ان کے قلم سے یہ جملہ چنداں باعث تکلیف نہ ہوا تھا، اب آج ایک شخص نے بیان کیا کہ انگریزی طلبہ نے آپ سے کچھ تحریری سوالات کئے تھے ان کے جواب میں بھی آپ نے تقسیم مذکور رقم فرمائی ہے۔ لہٰذا ضروری معلوم ہوا کہ یہ عریضہ لکھوں۔

---

[1] یہ مضمون دریابادی صاحب کے ایک خط میں ہے جو بنام نورچشم مولوی حافظ محمد عبد المومن سلمہ صادر ہوا تھا۔ اس خط کی بنا یہ تھی کہ تھانہ بھون کے رسالہ "النور" میں دریابادی کا ایک مکتوب بنام مولانا اشرف علی صاحب طبع ہوا۔ جس میں فتوائے تکفیر شیعہ پر دریابادی صاحب نے اپنا استعجاب واستبعاد ظاہر کیا تھا، اور اس فتوی پر آپ کی تصحیح اور آپ کے دستخط پر تو ان کو انتہائی حیرت دامنگیر ہوئی ـــــ "النور" میں اس مکتوب کے ساتھ مولانا اشرف علی صاحب کا جواب بھی تھا جس میں پوری پوری تائید فتوی تکفیر کی تھی جس کا ایک لطیف جملہ یہ تھا کہ علماء کسی کو کافر نہیں بناتے (بالنون) بلکہ کافر بتلاتے ہیں (بالتاء) ـــــ "النور" کے اس مضمون کو نورچشم مذکور نے "النجم" میں جو اس وقت انہیں کے زیر اہتمام تھا شائع کر دیا۔ اسی پر دریابادی صاحب نے ایک غیظ وغضب سے بھرا ہوا خط نورچشم مذکور کو بھیجا اور دوسری طرف مولانا اشرف علی صاحب کے اندر اپنی طبیعت کے موافق تبدیلی پیدا کرنے کی تدابیر شروع کر دیں اور شاید وہ اپنی تدابیر میں کامیاب بھی ہو گئے۔ واللہ اعلم۔

مسلم کی تقسیم مذکور کتاب وسنت واقوال علمائے سلف رحمۃ اللہ علیہم کے موافق نہیں معلوم ہوتی۔ سیاسی مسلم کی جو تعریف بھی کی جائے لسان شرع میں یا تو اس کو منافق کہا گیا ہے یا مرتد۔ مسلم کا اطلاق ایسے لوگوں پر ہرگز نہیں کیا گیا۔ بلکہ ان کے مسلم ومومن ہونے کی نفی قرآن مجید میں منصوص ہے۔ قولہ تعالےٰ ومن الناس من یقول اٰمنا باللّٰہ وبالیوم الاٰخر وما ھم بمومنین وقولہ تعالےٰ واذا جاءوکم قالوا اٰمنا وقد دخلوا بالکفر وھم قد خرجوا بہ وقولہ تعالےٰ لقد قالوا کلمۃ الکفر وکفروا بعد اسلامھم دوسری بات یہ بھی سنی گئی کہ انگریزی طلبہ کے جواب میں آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ "میں نے اپنے فتوےٰ میں ان شیعوں کو کافر لکھا ہے جو تحریف قرآن کے قائل ہیں"۔ اگرچہ یہ جملہ بہت بلیغ ہے، ممکن ہے کہ اصل حقیقت سے واقف ہوتے ہوئے آپ نے بطور تعریض کے یہ جملہ ارشاد فرمایا ہو۔ لیکن اس خیال سے کہ مبادا آپ کے علم میں یہ چیز ہو کہ سب شیعہ قائل تحریف نہیں ہیں معروضات ذیل کی طرف آپ کی توجہ مبذول کراتا ہوں۔

۱ــــ شیعوں کا جو اعتقاد صحابہ کرامؓ کے متعلق ہے اس کا لازم بیّن یہ ہے کہ قرآن مجید پر انکا ایمان نہ ہو۔ جیسا کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات قدسیہ میں اور حضرت مولٰنا شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ازالۃ الخفاء میں اس کی تصریح فرمائی۔

۲ــــ کتب معتبرہ شیعہ میں زائد از دو ہزار روایات[1] اس مضمون کی ان کے آئمہ معصومین سے

---

[1] ان زائد از دو ہزار روایات کے مضامین دیکھ کر یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ مذہب شیعہ کا حال دوسرے مذاہب باطلہ کے مثل نہیں ہے مذہب شیعہ کے مصنف کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوئے بلکہ بڑی عالی دماغی اور تیز طبعی کے ساتھ اس مذہب کی تصنیف محض دین اسلام کے خراب کرنے اور اصل اسلام کو دنیا سے معدوم کرنے کے لئے عمل میں آئی ہے، اگر اللہ تعالےٰ نے اس دین کی حفاظت اپنے ذمہ نہ لی ہوتی تو ممکن تھا کہ مذہب شیعہ کے تصنیف کرنیوالے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے۔ مثال کے طور پر صرف ایک کتاب احتجاج طبرسی کی ایک روایت کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں، یہ کتاب مدرسۃ الواعظین لکھنؤ میں داخل درس ہے۔ یہ کتاب ایران کی مطبوعہ ہے۔ اس میں ایک لمبی روایت بتحریف قرآن کی جناب علی مرتضےٰ رضؓ سے منقول ہے۔ ایک زندیق حضرت علیؓ کے پاس آیا اور اس نے قرآن پر کچھ اعتراضات کئے ہر اعتراض کے جواب میں حضرت علیؓ نے یہی ارشاد فرمایا کہ اس جگہ تحریف ہو گئی ہے مثلاً اس نے کہا کہ سورۂ نساء کی آیت وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامٰی فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنٰی وثلاث ورباع میں شرط وجزا میں باہم ربط نہیں معلوم ہوتا حضرت علیؓ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ فی الیتامٰی اور فانکحوا کے درمیان ایک تہائی قرآن سے زیادہ عبارت نکال ڈالی گئی جس میں خطابات بھی تھے اور قصص بھی تھے اور احکام بھی، لہٰذا بسبب شرط وجزا کے درمیان سے اتنی عبارت (باقی ص۵ پر)

منقول ہیں کہ قرآن مجید میں پانچ قسم کی تحریف کی گئی نقصان، زیادت، تبدیل الفاظ، تبدیل حروف، خرابئ ترتیب آخر الذکر قسم کے متعلق یہ تصریح بھی ان کتب میں ہے کہ سورتوں کی ترتیب بھی خراب کر دی گئی اور سورتوں کے اندر آیتوں کو بھی اور آیتوں کے اندر کلمات کی بھی اور کلمات کے اندر حروف کی بھی۔

۳ ـــــ مذکورہ بالا روایات ان کے علماء کے ان تین اقراروں کے ساتھ ان کی کتابوں میں ہیں۔

ـــــ اقرار اول یہ کہ یہ روایات کثیر ہیں، زائد از دو ہزار ہیں، مستفیض ہیں، متواتر ہیں۔

ـــــ اقرار دوم یہ کہ یہ روایات تحریف قرآن پر صریح الدلالۃ ہیں۔

ـــــ اقرار سوم یہ کہ انہیں روایات کے مطابق اعتقاد بھی ہے۔

۴ ـــــ شیعوں میں گنتی کے چار اشخاص منکرِ تحریف کہے جاتے ہیں (۱) شیخ صدوق (۲) شریف مرتضیٰ (۳) ابو جعفر طوسی (۴) ابو علی طبرسی مصنف تفسیر مجمع البیان، علامہ نوری طبرسی اپنی بے نظیر کتاب موسوم بہ فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب مطبوعہ ایران میں فرماتے ہیں لم یعرف من القدماء خامس لھم انہیں چار اشخاص کے انکار سے ہمارے علمائے کرام نے دھوکا[1] کھایا اور یہ سمجھا کہ سب شیعہ قائل تحریف نہیں ہیں۔

نکال ڈالی گئی تو مضمون خبط بے ربط ہو گیا اور فرمایا کہ لو شرحت لك كل ما اسقط وحرف وبدل مما يجري هذا المجرى لطال وظهر ما تحظر التقية اظهاره اور مثلاً اسی زندیق نے کہا کہ قرآن میں سب نبیوں کی توہین کی گئی ہے اور سب سے زیادہ آپ کے نبی کی توہین ہے۔ اس کے جواب میں بھی حضرت علیؓ نے یہی ارشاد فرمایا کہ یہ سب آیات تحریفی ہیں منافقوں کی بنائی ہوئی عبارتیں ہیں جو انہوں نے درج قرآن کر دی ہیں فرمایا کہ والذی بدا فی الکتاب من الازراء علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ من فریۃ الملحدین اور فرمایا کہ انہم اثبتوا فی الکتاب مالم یقلہ اللہ لیلبسوا علی الخلیقۃ اور فرمایا کہ زادوا فیہ ما ظہر تناکرہ وتنافرہ اور فرمایا کہ تضمینہ من تلقائہم ما یقیمون بہ دعائم کفرہم اور فرمایا کہ اسی قرآن میں ایسے مضامین منافقوں نے بڑھا دیئے ہیں کہ آج مخالفین اسلام کو دین اسلام پر قدح کرنے کا موقع مل گیا۔

دحواشی صفحہ ہذا) [1] ان دھوکا کھانے والوں میں بعض بڑے بڑے اکابر علماء ہیں، مگر عجیب بات یہ ہے کہ قرون متاخرہ کے علماء نے تو دھوکا کھایا لیکن امام بخاریؒ جن کا شمار متقدمین میں ہے، جن کے وقت میں مذہب شیعہ ایک راز سربستہ تھا اس دھوکا سے محفوظ رہے اور اپنی کتاب صحیح بخاری میں ایک مستقل باب شیعوں کے اسی کفر خالص کے رد کے لئے منعقد کیا جس کا عنوان ہے لم یترك النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا ما بین الدفتین شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں اسی باب کی شرح میں فرماتے ہیں لقد تلطف المصنف حیث رد علی الرافضۃ بما روی عن احد ائمتھم

حالانکہ ان چار شخصوں کے اقوال کو خود علمائے[1] شیعہ نے ایسا رد کر دیا ہے کہ کوئی جان ان میں باقی نہیں رکھی۔ آخر آخر میں ان کے مجتہد اعظم مولوی سید محمد نے جن کو شاہ اودھ نے سلطان العلماء[2] کا خطاب دیا تھا ان چاروں کے اقوال کو رد کر کے صاف صاف کہہ دیا الحق احق بالاتباع بلکہ بڑی جرأت کے ساتھ یہاں تک فرما دیا کہ اس قرآن کی جو آیت ہمارے کسی متفق علیہ مسئلہ کے خلاف ہو گی اس آیت پر عمل[3] جائز نہیں۔

پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان چار اشخاص کی اصل عبارات کو بغائر نظر دیکھنے سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ ان کا یہ انکار از راہِ تقیہ ہے۔ اولاً اس لئے کہ وہ اپنے انکار کی کوئی سند اپنے ائمہ معصومین سے نقل نہیں کرتے اور اپنی زائد از دو ہزار روایات تحریف کا کوئی صحیح جواب نہیں دیتے بلکہ جرح مبہم کے طور پر یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ یہ روایات ضعیف[4] ہیں مگر ہمارے محدثین نے ان کو صحیح سمجھا — ثانیاً اس لئے کہ وہ اپنے انکار تحریف کی سند میں صحابہ کرام کی خدمات دینیہ کو پیش کرتے ہیں

---

[1] ان رد کرنے والوں میں علامہ محسن کاشی مصنف تفسیر صافی اور علامہ نوری طبرسی مصنف فصل الخطاب وغیرہ وغیرہ بے تعداد علماء ہیں۔ علامہ نوری نے فصل الخطاب میں یہاں تک لکھ دیا اور بالکل سچ لکھا کہ اگر ان چار اشخاص کے اقوال مان لئے جائیں تو ہمیں اپنی زائد از دو ہزار روایات کو بے وجہ بے سبب جھوٹا ماننا پڑے گا اور ہمارا سارا فن حدیث بے اعتبار ہو جائے گا۔ پھر ہم مسئلہ امامت جس کی بنیاد روایات پر ہے کہاں سے ثابت کریں گے۔ نتیجہ یہ کہ ہمارا مذہب ہی غلط اور باطل محض ہو جائے گا۔ [2] سلطان العلماء صاحب نے اپنی کتاب ضربت حیدریہ میں ان چاروں شخصوں کے اقوال کو خوب رد کیا ہے اور رد کرنے کی ضرورت یہ پیش آئی کہ حضرت مولانا رشید الدین خان صاحب دہلوی جو حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں اپنی کتاب شوکت عمریہ میں جو ایک شیعہ کے رسالہ متعہ کا رد ہے آیات قرآنیہ سے متعہ کی حرمت ثابت فرمائی تھی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا تھا کہ شیعہ جو تحریف قرآن کا عذر پیش کرتے ہیں یہ عذر قابل سماعت نہیں کیونکہ ان کے مذہب میں یہی عقیدہ تحریف ایک مردود عقیدہ ہے، شریف مرتضیٰ جیسے ان کے اکابر اس عقیدہ کے منکر ہیں، سلطان العلماء صاحب کی کتاب ضربت حیدریہ شوکت عمریہ کا جواب ہے، لہٰذا سلطان العلماء صاحب کو لکھنا پڑا کہ شریف مرتضیٰ وغیرہ معصوم نہ تھے ان کی تقلید شیعوں پر لازم نہیں، ضربت حیدریہ جلد دوم صفحہ ۷۲ میں ان کے اصل الفاظ یہ ہیں "تقلید سید مرتضیٰ غیر لازم فان الحق احق بالاتباع ولم یکن السید علم الہدیٰ معصوما حتی یجب ان یطاع" [3] اصل عبارت ان کی ضربت حیدریہ جلد دوم مطبوعہ مطبع جعفری لکھنؤ صفحہ ۸۳ پر یہ ہے "ہرگاہ بسبب قرائن قویہ و اخبار امامیہ ترتیب منافی اصل مراد باشد یا بعض آیات برخلاف معنی متفق علیہ بین الطائفۃ المحقہ دلالت داشتہ باشد دراں ہنگام تشبث و تمسک بآں ترتیب و آں آیہ جائز نخواہد بود۔" [4] ضعیف ہونے کی کوئی وجہ ان لوگوں نے نہیں بیان کی اور جرح مبہم باتفاق فریقین مقبول نہیں ہوتی۔

اور کہتے ہیں کہ جس کتاب کی طرف اتنی بڑی جماعت کو ایسا شدید اعتنا ہو اور اس کے درس و تدریس اور حفظ و محافظت میں اتنی بڑی جماعت ایسا شغف رکھتی ہو وہ کتاب ہرگز محرف نہیں ہو سکتی ـــــ ثالثاً اس لئے کہ اپنے علماء و محدثین کو جو قائل تحریف ہیں کافر کیا معنی ضال اور خاطی بھی نہیں کہتے بلکہ ان کو اسی طرح واجب التعظیم والتقدیم جانتے ہیں ـــــ

۵ ـــــ مذہب شیعہ اور اس کی کتابوں کے مطالعہ سے ہر شخص کے لئے یہ بات بدیہی ہو جاتی ہے کہ کوئی شیعہ نہ کبھی منکر تحریف ہوا نہ ہو سکتا ہے کیونکہ ان کے مذہب کی اصل بنیاد[۱] قرآن مجید کی عداوت پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کے کہ مذہب شیعہ ایک ایسا انوکھا مذہب ہے جس میں ایک مسئلہ بھی متفق علیہ نہیں۔ اعتقادات سے لیکر اعمال تک اعمال میں کتاب الطہارۃ سے کتاب المواریث تک کوئی ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں جس کے متعلق ان کے آئمہ معصومین کی متضاد احادیث اور اصحاب آئمہ کے متبائن اقوال[۲] نہ ہوں باایں ہمہ تحریف قرآن اور صرف تحریف قرآن ایک ایسا مسئلہ ہے جو اختلاف روایات اور اختلاف اقوال اصحاب آئمہ سے محفوظ ہے اس مرکز پر آکر سب متفق ہو جاتے ہیں۔

ف اس مسئلہ پر اس حقیر سے اور علمائے شیعہ سے مناظرے بھی ہوئے چنانچہ امروہہ کے معرکۃ الآراء مناظرہ کی مطبوعہ روداد موجود ہے جس کا نام شکست عظیم باعدائے قرآن کریم اور لقب الزلزال فی اول السوال ہے ـــــ اس مناظرہ میں یہ حقیر مدعی تھا اور علمائے شیعہ جن سے چار

---

[۱] قرآن مجید سے عداوت کی وجہ ظاہر ہے دین اسلام کی تخریب کے لئے مذہب شیعہ تصنیف ہوا اور دین اسلام کی تخریب قرآن کے موجود ہوتے ہوئے ناممکن و محال ہے بلکہ یہی بات یہ ہے کہ صحابہ کرام سے جو عداوت مذہب شیعہ کو ہے اس کا سبب بھی یہی ہے کہ قرآن مجید کے عینی شاہد ہیں اور جب تک کسی چیز کے عینی شاہدوں کو مجروح نہ کیا جائے وہ چیز مشکوک نہیں ہو سکتی [۲] چنانچہ علمائے شیعہ کو مستقل کتابیں اپنے بے نظیر اختلاف کی گتھی سلجھانے کے لئے تصنیف کرنی پڑیں۔ از انجملہ کتاب استبصار ہے جو شیعوں کی اصول اربعہ میں داخل ہے، مولوی سید دلدار علی والد بزرگوار سلطان العلماء نے اپنی کتاب اساس الاصول مطبوعہ زمانہ شاہی لکھنؤ کے صفحہ ۵ پر اپنی اختلاف روایات کا صریح اقرار کیا ہے اصل عبارت ان کی صفحہ مذکور پر یہ ہے "ان الاحادیث المأثورۃ عن الائمۃ مختلفۃ جدا لا یکاد یوجد حدیث الا و فی مقابلتہ ما ینافیہ ولا یتفق خبر الا و بازائہ ما یضادہ حتی صار ذالک سببا لرجوع بعض الناقصین عن اعتقاد الحق انتہی بقدر الضرورۃ"، یہ عبارت اساس الاصول کی رسالہ مدح صحابہ میں جو طبع کر کے "تسپ کمیشن" میں تقسیم کیا گیا تھا مع اور بہت سی مفید عبارتوں کے موجود ہے۔

بڑے بڑے تخت بھرے ہوئے تھے، عجیب تھے۔ دعوے یہ تھا کہ کسی شیعہ کا ایمان قرآن مجید پر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے ـــــــ

مناظروں کے علاوہ اس حقیر نے اس مبحث پر متعدد کتابیں بھی تالیف کی ہیں ازانجملہ کتاب تنبیہ الحائرین بحمایۃ الکتاب المبین اور الاول من المائتین کے چار نمبر اس مبحث میں نہایت کافی و شافی ہیں اور ان میں اس مبحث کے تمام اطراف و جواب کا ایسا استیعاب ہے کہ بعونہ تعالےٰ کوئی گوشہ باقی نہیں رہا جس پر روشنی نہ ڈالی گئی ہو ـــــــ والحمدللہ علیٰ ذالک حمداً کثیرا ؛ فقط

حسب ذیل مکتوب حضرت والدی العلام رحمۃ اللہ علیہ کا عزیزی شیخ عبدالعزیز صاحب سے دستیاب ہوا اور اس کے ساتھ دو مکتوب اور بھی تھے ــــ برادرم شیخ عبدالعزیز اور ان کے گھرانے سے قبلہ وکعبہ رحمۃ اللہ علیہ کے قدیم مراسم تھے۔ اس سبب یہ عبث نامہ ان کے والد صاحب مرحوم و مغفور کے نام شرف صدور ہوا۔ اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں کہ یہ تمام مکاتیب کتابی شکل میں شائع ہو جائیں ــــ ناچیز۔ محمد عبدالغنی فاروقی

باسمہ تعالےٰ حامداً و مصلیاً

مجی مخلصی وفقکم اللہ تعالےٰ ـــــــ

از لکھنو دار المبلغین ،
۱۵ ار شعبان پنجشنبہ ۱۳۸۰ ھ

بعد سلام مسنون و دعا ہای فلاح دارین واضح ہو آپ کا تار میری خیریت معلوم کرنے کے لئے پہنچا جس کا جواب بذریعہ تار بھیج دیا گیا اگرچہ جواب میں کچھ دیر ہو گئی۔

اب میری طبیعت بھی بتقاضائے عمر ٹھیک نہیں رہتی خدا کرے ایک مرتبہ اور پاکستان پہنچ جاؤں اور آپ لوگوں کو دیکھ لوں۔ انشاء اللہ بعد رمضان ارادہ کروں گا اور آپ کو اطلاع دوں گا۔ اپنے یہاں سب کو سلام دعا کہہ دیجئے۔ فقط

عبدالشکور عفا عنہ

مذہبِ شیعہ پر ایک محققانہ تبصرہ

اس زمانہ میں جہاں اور فتنوں کی ترقی ہے ایک بڑا فتنہ یہ ہے کہ شیعوں کی طرف سے باقاعدہ منظم طور پر اہلسنّت و جماعت کے خلاف معاندانہ کارروائیوں کا طوفان برپا ہے اور ہمارے مذہب و بزرگانِ مذہب پر ہر قسم کے ناروا حملے ہو رہے ہیں۔ ایک مدّت تک صبر و خاموشی کے بعد اس طرف توجہ کرنی پڑی اور بتوفیقِ خداوندی جو خدمت ہوسکی انجام دی گئی۔ اگرچہ اس حقیر نے اپنے وقت کا زیادہ حصہ مذہبِ شیعہ کے ردّ و ابطال میں صرف نہیں کیا بلکہ زیادہ وقت دوسرے کاموں میں صرف ہوا لیکن چونکہ اس وقت اہلسنّت میں کسی اور کو اس طرف توجہ نہیں ہے الّا ماشاء اللہ۔ اس لئے تھوڑے سے کام سے زیادہ شہرت ہوگئی۔

۱۳۲۲ھ سے آج تک مذہبِ شیعہ کے متعلق جس قدر لکھا جاچکا ہے وہ اس مذہب کی اصل حقیقت معلوم کرنے کے لئے کافی ہے۔ اور حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ تحریریں، تقریریں جو کچھ بھی اس مذہب کے متعلق بیان کیا گیا وہ سراسر تحقیق اور خالص انصاف پر مبنی ہے۔ اگر کوئی شیعہ بھی ٹھنڈے دل سے اس کا مطالعہ کرے، تو انشاء اللہ تعالیٰ بے اثر نہ رہے گا۔ چنانچہ وقتاً فوقتاً بعض باخبر اور متعصب شیعوں نے بھی

گذارش | مضمون ہٰذا خاص طور پر بغور مطالعہ کا محتاج ہے۔ مذہبِ شیعہ سے متعلق سینکڑوں صفحات پر مشتمل علمی کتب بھی زیرِ نظر مضمون کی شرح کا درجہ رکھتی ہیں۔ (ادارہ)

بعض مضامین کی لاجوابی کا اعتراف[1] کیا۔

بالمشافہہ مناظروں میں بھی کبھی اپنے مخاطب کو خواہ مخواہ مغلوب[2] کرنے کی کوشش نہیں کیگئی بلکہ بعونہ تعالیٰ اپنے ضمیر اور اپنی تحقیقات کے مطابق نہایت سادگی سے دلائل پیش کئے گئے۔ شیعہ مناظرین کی طرف سے خلاف تہذیب اور اشتعال انگیز حرکات بھی ہوئیں کتابوں کے جھوٹے حوالے اور عبارتوں کے غلط ترجمے بھی پیش ہوئے تو بھی ترکی بہ ترکی جواب دینے سے پرہیز کیا گیا اور آیۂ کریمہ ادفع بالتی ھی احسن پر عمل کرکے تمامتر توجہ اظہار حق پر صرف کیگئی۔

فالحمد للہ حمداً کثیرا

اس مقام پر مذہب شیعہ کے متعلق صرف دو باتیں نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیجاتی ہیں اور امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ وہ دونوں باتیں مذہب شیعہ کی حقیقت کو طشت ازبام کرنے کیلئے کافی ہونگی انصاف شرط ہے واللہ الموفق۔

پہلی بات

ساری دنیا جانتی ہے مسلم وغیر مسلم سب اس بات سے واقف ہیں کہ دین اسلام کی بنیاد قرآن شریف

---

[1] چنانچہ مولوی سید مصطفےٰ حسین صاحب نے جو آجکل ضلع گونڈا میں کورٹ آف وارڈس کے منیجر ہیں عصمت ائمہ اثناعشر کے بحث میں یہ اقرار لکھ دیا کہ شیعوں نے عصمت ائمہ کے ثبوت میں جسقدر دلائل پیش کئے تھے ان کا رد النجم میں میں نے دیکھا مگر اس رد کا کوئی تشفی بخش جواب باوجود میرے مطالبہ کے شیعہ علما نے نہ دیا۔ یہ اقرار النجم دور قدیم میں شایع ہوچکا ہے۔ اور مولوی حکیم شبیر حسن صاحب مولوی فاضل مقیم جرول نے متعہ کی بحث میں اپنا دستخطی اقرار لکھکر دیا کہ بیشک متعہ کا دین اسلام میں حرام ہونا از روئے قرآن و احادیث فریقین ثابت ہوگیا اور علمائے شیعہ نے کوئی جواب اسکا نہ دیا۔ مولوی سبط حسن شمس العلما صاحب نے باوجود وعدے کے اور باوجود پے درپے مطالبات کے جواب سے خاموشی اختیار کی۔ [2] بخلاف اسکے مدیر الواعظین لکھنے کے ایک بزرگ مولوی محمد شفیع صاحب اپنے رسالہ میں اصول مناظرہ بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ مناظرہ داؤں پیچ کا نام ہے جسطرح بھی ہوسکے حریف کو مغلوب کرنے کی کوشش کرو قواعد کی پابندی یا اظہار حق کی سعی فعل عبث ہے۔ پوری عبارت بلفظہٖ النجم دور جدید کے کسی نمبر میں دیدی

پر رہی امت اسلامیہ کے پاس سوا قرآن مجید کے کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جسکو پورے یقین اور کامل جزم کے ساتھ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کہا جا سکے۔ قرآن مجید کے ایک ایک حرف کو مسلمان جس اعتقاد و یقین کے ساتھ اللہ کا کلام جانتے ہیں اسی یقین کے ساتھ غیر مسلم اسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف کی ہوئی کتاب خیال کرتے ہیں۔

قرآن مجید کے بعد احادیث کا رتبہ ہے۔ احادیث دو قسم کی ہیں متواتر اور آحاد۔ متواتر احادیث بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہیں مگر متواتر یعنی حقیقی بہت کم اور نہایت کم ہیں اور وہ بھی کتابی روایات کے ذریعہ سے نہیں بلکہ زبانی روایات کا سلسلہ ملانے کے بعد مثلاً تعداد رکعات فرائض پنجگانہ وغیرہ۔ اب رہیں غیر متواتر یعنی احاد ان میں جو محدثین کی تحقیقات میں درجۂ صحت کو پہونچگئی ہیں وہ بھی یقینی طور پر نہیں بلکہ ظن غالب کے طور پر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا یا مذہب شیعہ میں ائمہ معصومین کا ارشاد کہی جاتی ہیں۔

اِن احادیث صحیحہ پر عمل کرنے میں مجتہدین کا باہم اختلاف اور اس اختلاف میں ایک کا دوسرے کو کسی درجہ میں بھی قابل ملامت نہ قرار دینا بلکہ واجب الاکرام سمجھنا ان احادیث کے مرتبہ کی کافی شہادت ہے۔

ان احادیث کا درجہ معلوم کرنے کیلئے یہ بات کافی ہے کہ آج تک کسی سنی عالم نے کسی شیعہ کو اس بنا پر کافر نہیں کہا کہ شیعہ صحیح بخاری کی احادیث کو غلط سمجھتے ہیں اور نہ کسی شیعہ عالم نے کسی سنی کو اس بات پر کافر کہا کہ سنی کتاب کافی کی روایات کو کذب محض جانتے ہیں۔

غرضکہ یہ احادیث ظنی ہیں اور صرف عمل کیلئے ہیں اور عمل میں بھی اختلاف مجتہدین کی گنجایش ہے لہذا اصل مذہب یعنی اعتقادات کی بنیاد ان احادیث پر نہیں ہے جیسا کہ محدثین اور اصولیین نے اسکی تصریح بھی کر دی ہے۔

خود شیعہ بھی اس بات کی تصریح کر چکے ہیں کہ یہ احادیث اگر پایۂ صحت کو بھی پہونچ جائیں تو بھی عمل ان پر ضروری نہیں[۱]۔

[۱] چنانچہ مولوی دلدار علی جو شیعوں کے مجتہد اعظم تھے حسام میں فرماتے ہیں "خبر واحد اگر بے معارض ہم باشد ظنی ست در اصول اعتقادیات باں تمسک نباید کرد بلکہ نزد محققین شیعہ امامیہ مثل ابن زہرہ و ابن ادریس و شریف مرتضیٰ و اکثر قدما قابل احتجاج نیست" اور مولوی حامد حسین صاحب استقصاء الافحام ۳۶ میں فرماتے ہیں "ہر حدیث صحیح جائز العمل ہم نیست چہ جائے آنکہ واجب العمل باشد۔"

المختصر شان صرف قرآن مجید کی ہے کہ اسکا ایک ایک حرف قطعی ہے اور اسی پر دین اسلام کی بنیاد ہے۔
کلمہ گویان اسلام میں پرانے اور نئے بہت سے فرقے ہوئے جنمیں باخود باہم نہایت سخت اختلافات ہیں مگر کسی نے قرآن میں اختلاف نہیں کیا نہ کسی قسم کا شک و تردد قرآن کے متعلق کسی نے ظاہر کیا۔

لیکن ایک فرقہ شیعہ

ہے جس نے قرآن میں اختلاف کیا اور محض اختلاف نہیں بلکہ قرآن کے مشکوک بنانے کیلئے اپنی ساری طاقت ختم کر دی بلکہ حق یہ ہے کہ مذہب شیعہ کی بنیاد ہی قرآن کی مخالفت و عداوت پر ہے۔
شیعوں نے قرآن مجید کے مشکوک بنانے میں کیا کیا سعی بیجا مل کی ہیں ان کا اجمالی علم حسب ذیل امور سے ہو سکتا ہے۔

(۱) مذہب شیعہ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ تمام صحابہ کرام بلا استثناء جھوٹے تھے۔ ایک بھی ان میں سچا نہ تھا۔ شیعوں نے اپنے خیال میں صحابہ کرام کو دو گروہوں پر تقسیم کیا ہے۔ ایک گروہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھ والوں کا جو بہت بڑا گروہ تھا جسمیں تقریبًا ایک لاکھ چوبیس ہزار آدمی تھے اور دوسرا گروہ حضرت علی مرتضیٰ اور اُن کے ساتھ والوں کا جسمیں بقول شیعہ صرف پانچ آدمی تھے۔ مذہب شیعہ ان دونوں گروہوں کو جھوٹا قرار دیتا ہے۔ فرق صرف اسقدر ہے کہ اس بڑے گروہ کے جھوٹ کا نام شیعوں کی اصطلاح میں نفاق ہے اور اس چھوٹے گروہ کے جھوٹ کا نام تقیہ ہے۔

لہ شیعہ حضرات خلفائے ثلثہ اور ان کے ساتھ والوں کو معاذ اللہ منافق کہتے ہیں اور منافق کا جھوٹا ہونا اظہر من الشمس ہے قرآن مجید میں بھی منافق کے جھوٹے ہونے کی شہادت دیگئی ہے واللہ یشهد ان المنافقین لکاذبون اسکے علاوہ ان کا جھوٹا ہونا نص امامت کے انکار سے بھی ثابت ہے اب رہے حضرت علی اور انکے ساتھ والے ان کا جھوٹا ہونا مسئلہ تقیہ سے ثابت ہے حضرت علی اور اُن کے ساتھ والوں کا دین تقیہ تھا اور تقیہ کا جھوٹ ہونا انشاء اللہ تعالیٰ آگے بیان ہوگا۔ الغرض مذہب شیعہ میں کل صحابہ کرام جھوٹے مانے گئے ہیں۔
ٰ کتاب احتجاج مطبوعہ ایران ۱۳۰۲ھ میں ہے کہ جب حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تو سوا پانچ آدمیوں کے سب نے برضا و رغبت بیعت کی حضرت علی ابوذر مقداد سلمان عمار اصل عبارت یہ ہے مامن الامۃ احد بایع مکرھا غیر علی واربعتنا۔ نیز روضہ کافی ۱۱۵ میں روایت ہے کہ بعد رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ مرتد ہوگئے تھے سوا ان تین کے مقداد۔ ابوذر سلمان اس سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت علی کے گروہ میں صرف یہی چند اشخاص تھے اور بس۔

پس جبکہ صحابہ کرام کل کے کل جھوٹے مان لئے گئے اور ظاہر ہے کہ دین کی جو چیز بھی بعد والوں کو ملی ہے انھیں لوگوں کے نقل و روایت سے ملی ہے لہٰذا کوئی چیز دین کی قابل اعتبار نہ رہی قرآن بھی غیر قابل اعتبار ہو گیا۔

(۲) یہ قرآن جو ہمارے پاس ہے اور ہر زمانہ میں مسلمانوں کے پاس رہا بقول[1] شیعہ تینوں خلفاء کا جمع کیا ہوا ہے اور ان تینوں خلفا کو مذہب شیعہ اُس دین کا دشمن مانتا ہے جس دین کی بنیاد قرآن پر ہے اور دشمن بھی کیسا طاقتور؛ صاحب فوج و لشکر سیاہ و سفید کا مالک کہ جو امور عادۃً محال سمجھے جاتے ہیں ان کو وجود میں لے آنا انکے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔ مثلاً اہل تواتر کا کسی جھوٹ پر متفق کر دینا محال ہے مگر ان تینوں خلفائے اسکو کر کے دکھا دیا۔ حضرت علی کی خلافت جس کا اعلان ستر ہزار کے مجمع میں خود رسول اللہ نے دیا ان لوگوں نے پورے مجمع کو اس اعلان کے انکار پر متفق کر دیا۔ لہٰذا ایسے دشمنوں سے کسی طرح اطمینان نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے قرآن میں کچھ تصرف نہیں کیا۔ اور کسی قسم کی تحریف اُن سے نہیں ہونے پائی۔ پس قطعاً و یقیناً سارا قرآن مشکوک ہو گیا کہ شروع سے آخر تک ایک حرف بھی اسکا قابل اعتبار نہ رہا۔

کتب شیعہ میں ائمہ معصومین سے کوئی روایت بھی اس مضمون کی منقول نہیں کہ گو یہ قرآن دشمنوں کے ہاتھ سے ملا ہے مگر اسمیں کوئی تصرف انھوں نے نہیں کیا۔ اگر ایسی کوئی روایت ہوتی بھی تو وہ اخبار احاد کی قسم سے ہوتی اور قرآن کی توثیق اس سے ناممکن ہوتی لیکن کچھ آنسو پچھ جاتے۔

(۳) کتب شیعہ میں زائد از دو ہزار[2] روایات تحریف قرآن کی موجود ہیں۔ جن میں

---

[1] شیعہ بلا اختلاف اسکے قائل ہیں اور اہلسنت میں بعض محققین ادھر گئے ہیں کہ قرآن کی جمع و ترتیب کا کام خود رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم انجام دیگئے تھے بہت سے دلائل اس بات کی شہادت دیتے ہیں چنانچہ آخری تحقیق اس حقیر کی بھی یہی ہے [2] علامہ نوری طبرسی اپنی کتاب فصل الخطاب مطبوعہ ایران کے صفحہ ۲۲۷ میں لکھتے ہیں وھی کثیرۃ جدا حتی قال السید نعمۃ اللہ الجزائری فی بعض مولفاتہ کما حکی عنہ ان الاخبار الدالۃ علیٰ ذلک تزید علی الفی حدیث وادعی استفاضتھا جماعۃ کالمفید والمحقق الداماد والعلامۃ المجلسی وغیرھم بل الشیخ ایضاً صرح فی التبیان بکثرتھا بل ادعی تواترھا جماعۃ یاتی ذکرھم۔ ترجمہ! اور وہ (یعنی روایات تحریف) بہت زیادہ ہیں یہاں تک کہ سید نعمت اللہ جزائری نے اپنی بعض تالیفات میں جیسا کہ انسے نقل کیا گیا ہے لکھا ہے کہ جو روایتیں تحریف قرآن پر دلالت کرتی ہیں وہ دو ہزار حدیث سے زائد ہیں اور ان روایات کے مستفیض ہونیکا ایک جماعت نے دعوٰی کیا ہے مثل شیخ مفید اور محقق داماد اور علامہ مجلسی وغیرہم کے بلکہ شیخ نے بھی تبیان میں ان روایات کے کثیر ہونے کی تصریح کی ہے بلکہ ایک جماعت نے ان روایات کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔

پانچ[1] قسم کی تحریف قرآن میں بیان کیگئی ہے۔ اول[2] جابجا سے آیتیں اور سورتیں نکال ڈالی گئیں۔ دوم[2] جابجا لوگوں نے اپنا کلام بڑھا دیا جس سے بیدینی اور گمراہی پیدا ہوتی ہے۔ سوم جابجا الفاظ بدل دیئے گئے۔ چہارم جابجا حروف تبدیل کر دیئے گئے۔ پنجم قرآن کی ترتیب الٹ پلٹ کر دیگئی۔ ترتیب قرآن میں چارقسم کی ہے سورتوں کی ترتیب آیتوں[3] کی ترتیب آیتوں کے اندر کلمات کی ترتیب۔ کلمات[3] کے اندر حروف کی ترتیب۔ روایات شیعہ میں یہ تصریح ہے کہ یہ چاروں قسم کی ترتیب خراب کردیگئی۔

ان زائد از دو ہزار روایات تحریف کے ساتھ حسب ذیل امور کتب شیعہ میں موجود ہیں۔

الف علمائے شیعہ نے اقرار کیا ہے کہ یہ روایات تحریف کثیر ہیں[4] متواتر ہیں۔ یہ بھی اقرار کیا ہے کہ یہ روایات تحریف قرآن پر صراحۃً دلالت کرتی[4] ہیں۔ یہ بھی اقرار کیا ہے کہ ان روایات کے مطابق عقیدہ[4] بھی ہے۔

ب. علمائے شیعہ میں سوا چار اشخاص کے اور کسی نے تحریف قرآن کا انکار[5] نہیں کیا۔ شریف[6] مرتضیٰ۔ شیخ صدوق ابن بابویہ قمی۔ ابو علی طبرسی مصنف تفسیر مجمع البیان۔ اور ان چار کا انکار بھی ازراہ تقیہ ہے۔

---

[1] ان پانچوں قسم کی تحریف کی روایات بطور نمونہ کے دیکھنا ہوں تو تنبیہ الحائرین اور آلاول من المائتین اور رودادِ مناظرہ امروہہ دیکھنا چاہیئے [2] کثیر ہونیکی شہادت مولوی حامد حسین صاحب نے بھی دی ہے چنانچہ مضمون دہلی کی شرح میں انکی عبارات استقصاء سے منقول ہوچکیں انکے علاوہ فصل الخطاب ص۳ میں ہے قال السید المحدث الجزائری فی الانوار ما معناہ ان الاصحاب قد اطبقوا علی صحۃ الاخبار المستفیضۃ بل المتواترۃ الدالۃ بصریحہا علی وقوع التحریف فی القرآن کلاما ومادۃ واعرابا والتصدیق بہا۔ ترجمہ سید محدث جزائری نے انوار میں لکھا ہے کہ ہمارے اصحاب کا اتفاق ہے ان روایات کے صحیح ہونے پر اور انکی تصدیق پر جو مستفیض بلکہ متواتر ہیں اور تحریف قرآن پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں باعتبار کلام اور مادہ اور اعراب کے [3] اسکی شہادت بھی مولوی حامد حسین کے کلام میں ہے نیز فصل الخطاب سے ابھی نقل ہوئی [4] اسکی شہادت دیباچہ تفسیر صافی سے تنبیہ الحائرین میں منقول ہوچکی ہے [5] فصل الخطاب ص۳۳ میں ہے الثانی عدم وقوع التغیر والنقصان فیہ وان جمیع ما نزل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ ھو الموجود فی ایدی الناس فیما بین الدفتین والیہ ذھب الصدوق فی عقائدہ والسید المرتضیٰ وشیخ الطائفۃ فی التبیان ولم یعرف من القدماء موافق لھم پھر ص۳۴ میں لکھتے ہیں و الی طبقتہ لم یعرف الخلاف صریحا الا من ھذہ المشائخ الاربعۃ۔

اسلئے کہ وہ اپنے انکار کی سند میں اپنے یہاں کی کوئی دلیل پیش نہیں کرتے بلکہ صحابہ کرام کی دینداری اور انکے تقدس سے استدلال کرتے ہیں جو انکے مذہب کے بالکل منافی ہو۔ پھر خود علما شیعہ نے بڑے شد و مد سے انکے انکار کو اور انکے دلائل کو رد کر دیا ہو (دیکھو تفسیر صافی کا دیباچہ)

ج تحریف قرآن کے خلاف کوئی روایت ائمہ معصومین کی کتب شیعہ میں نہیں ہو نہ اصحاب ائمہ میں سے کسی کا قول تحریف کے خلاف ہو۔ یہ بات مذہب شیعہ میں نہایت ہی عجیب و غریب ہو کیونکہ انکے یہاں اختلاف روایت کا یہ حال ہو کہ کوئی مسالہ اصول و فروع کا ایسا نہیں ہو جسمیں مختلف اقوال ائمہ معصومین کے منقول نہوں حتیٰ کہ مسائلہ امامت و عصمت ائمہ کے متعلق بھی اختلافات موجود ہیں اور ان اختلافات کی یہ کثرت و شدت ہو کہ بعض لوگ ان اختلافات کو دیکھ کر مذہب شیعہ سے پھر گئے۔ علمائی شیعہ ان مختلف روایات میں جن کو چاہتے ہیں ائمہ کا اصلی مذہب قرار دیدیتے ہیں اور جسکو چاہتے ہیں تقیہ پر محمول کر دیتے ہیں۔

غرضکہ تحریف قرآن ہی ایک ایسا مسالہ ہو کہ اسمیں اختلاف نہیں ہو اس مرکز پر تمام شیعہ جمع ہو جاتے ہیں اور انکے مذہبی روایات کا دائرہ اس مرکز کے گرد گھومتا ہے اسکے سوا اور کوئی مسالہ ایسا نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصل بنیاد مذہب شیعہ کی عداوت قرآن پر ہو نہ مسالہ امامت پر اور نہ عصمت ائمہ پر اور نہ کسی اور چیز پر۔ اسی سے یہ پتہ بھی ملتا ہے کہ صحابہ کرام سے نفرت اور ان پر جرح و قدح محض قرآن ہی کو مشکوک بنانے کیلئے ہو۔

ان تحقیقات کے مشاہدہ کے بعد کوئی شک اس بات میں باقی نہیں رہتا کہ مذہب شیعہ کا بانی کوئی دشمن اسلام کا تھا اور وہ حسب بیان مورخین عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔ اس کا اقرار دبی زبان سے علمائے شیعہ نے بھی کیا ہے۔[1]

---

[1] رجال کشی ص ۷۱ میں ہو ذکر بعض اہل العلم ان عبد اللہ بن سبا کان یہودیا فاسلم و والی علیا علیہ السلام وکان یقول و ہو علی یہودیتہ فی یوشع بن نون وصی موسیٰ بالغلو فقال فی اسلامہ بعد وفات رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ فی علی علیہ السلام مثل ذلک وکان اول من اشہر القول بفرض امامۃ علی واظہر البراءۃ من اعدائہ وکاشف مخالفیہ واکفرہم فمن ہہنا قال من خالف الشیعۃ

اس مسئلہ پر راقم سطور سے کئی مناظرے بھی ہوئے جنمیں بڑے معرکہ کا مناظرہ وہ تھا جو ۱۹۰۶ء میں بمقام امروہہ مولوی سبط حسن صاحب سے ہوا جسکی روئداد کئی بار طبع ہو کر شایع ہوئی نام اسکا شکست عظیم باعدائے قرآن کریم ہے۔

نیز متعدد تصانیف بھی اس حقیر کی خاص اس مسئلہ پر ہیں جنمیں سب سے زیادہ جامع اور مکمل کتاب تنبیہ الحائرین[له] ہے اور اسکے بعد الاول من المائتین[عه] تالیف ہوئی۔

ان مساعی میں حق تعالی نے یہ اثر دیا کہ آج عام واقفیت اس مسئلہ سے پیدا ہو گئی ہے اور یہ راز فاش ہو گیا ہے کہ شیعوں کا ایمان قرآن مجید پر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید کے ساتھ شیعوں کا یہ سلوک ان کے مذہب کی حقیقت کو بالکل بے پردہ کر دیتا ہے آگے کچھ دیکھنے جانچنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہر شخص جانتا ہے کہ جسکا ایمان قرآن مجید پر نہو اسکے پاس اسلام کا نام بھی نہیں ہو سکتا۔ وہ کس بنیاد پر کہہ سکتا ہے کہ میرا مذہب دین اسلام ہے۔ اور میں حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی ہوئی شریعت پر ہوں۔

اصل التشیع ماخوذ من الیھودیۃ۔ ترجمہ بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا ایک یہودی تھا وہ اسلام لایا اور علی علیہ السلام سے اُسنے موالات کی اور وہ اپنی یہودیت کے حالت میں یوشع بن نون خلیفہ موسیٰ کے متعلق غلو کیا کرتا تھا مسلمان ہونے کے بعد جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی تو اسنے علی علیہ السلام کے متعلق ویسا ہی غلو کیا اور وہ پہلا شخص ہے جسنے امامت علی کے فرض ہونے کا قول مشہور کیا اور انکے دشمنوں کی کھلم کھلا مخالفت کی ان کو کافر کہا۔ اسی وجہ سے شیعوں کے مخالفین کہتے ہیں کہ تشیع کی اصل یہودیت سے لیگئی ہے۔

له یہ کتاب شیعوں کے مجتہد علامہ حائری صاحب کے رسالہ موعظہ تحریف قرآن کے جواب میں ہے مجتہد صاحب موصوف نے لاہور میں اشتہار دیکر تحریف قرآن پر لیکچر دیا اور اس لیکچر میں آریوں کو بھی شریک کیا پھر وہ لیکچر چھاپ کر شایع کیا

عه الاول من المائتین کے چار نمبر ہیں۔ نمبر اول میں یہ بیان ہے کہ مذہب شیعہ کی بنیاد عداوت قرآن حکیم پر ہے، اور کسی شیعہ کا ایمان قرآن مجید پر نہیں ہے اور نہو سکتا ہے، نمبر دوم میں از روئے کتب معتبرہ شیعہ ثابت کیا گیا ہے کہ شیعوں نے ترک قرآن کے بعد اپنے دین کے کیا کیا ماخذ ایجاد کئے، نمبر سوم میں یہ بات روز روشن کیطرح واضح کر دیگئی ہے کہ ترک قرآن کے بعد شیعہ اپنے کو کسی مذہب و ملت کا پابند نہیں کہہ سکتے، نمبر چہارم میں اُن دلائل کی حقیقت ظاہر کیگئی ہے جو وہ اپنے ایمان بالقرآن پر پیش کرتے ہیں پھر آخر میں ان دلائل کا رد بھی کر دیا گیا ہے۔

اس موقع پر یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ شیعہ ہمیشہ قرآن مجید کے متعلق اپنے اس سلوک اور اپنے اعتقاد کو چھپاتے رہے اور ناواقف کے سامنے اب بھی صاف انکار کر دیتے ہیں اور بڑی صفائی سے کہدیتے ہیں کہ ہم ہرگز تحریف قرآن کے قائل نہیں ہیں نہ ہمارے یہاں تحریف قرآن کی کوئی روایت ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کرتے ہیں کہ اُن چار منکرین تحریف میں سے کسی کا قول پیش کر کے فرما دیتے ہیں کہ ہم کو قائل تحریف کہنا بالکل افترا و بہتان ہے۔

اور اگر کسی واقف حال سے سابقہ پڑ گیا اور دیکھا کہ اُسکے سامنے انکار چل نہیں سکتا تو اُسکے سامنے یہ روش اختیار کرتے ہیں کہ اہلسنت کی کتابوں سے کچھ روایتیں نسخ تلاوت یا اختلاف قرات کی نقل کر کے کہدیتے ہیں کہ اہلسنت کے یہاں بھی تحریف قرآن کی روایتیں موجود ہیں ۔ لیکن یہ بھی ان کیلئے کچھ مفید نہیں ہو سکتی : بچند وجوہ۔

(۱) یہ بات انکی اگر صحیح بھی ہوتی تو صرف الزامی جواب ہوتا وہ بھی فقط اہلسنت کے مقابلہ میں اگر کوئی آریہ یا عیسائی یا کوئی دہریہ لامذہب اس مبحث میں انکے مقابل ہو تو اسکے سامنے یہ جواب کچھ کام نہ دیگا بلکہ اسکے اعتراض کو اور قوی کر دیگا۔

(۲) اہلسنت کے مقابلہ میں بھی اُن کی یہ بات چل نہیں سکتی کیونکہ اہلسنت کی روایات میں ہرگز یہ مضمون نہیں ہے کسی نے قرآن میں تصرف کر کے کمی یا بیشی یا تحریف کر دی۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جس طرح اہلسنت نے انکی روایات پیش کر کے ان کے علما کے تین اقرار پیش کئے ہیں کہ یہ روایات متواتر ہیں اور یہ روایات تحریف قرآن پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں ۔ اور انھیں روایات کے مطابق اعتقاد ہے اسی طرح انھوں نے علمائے اہلسنت کے اقرار ان تینوں باتوں کے متعلق کیوں نہ پیش کئے اگر اعتقاد کے متعلق علمائے اہلسنت کا اقرار نہیں پیش کر سکتے تو کم از کم ان روایات کے متواتر ہونے اور تحریف پر صراحۃً نہ سہی کسی طرح بھی دلالت کرنے کا اقرار پیش کر دیتے ۔ لیکن وہ ایسا نہیں کر سکے اور نہ قیامت تک کر سکیں گے۔

ان روایات کے متعلق علمائے اہلسنت کی تصریحات موجود ہیں کہ یہ روایات نسخ تلاوت اور اختلاف قرات سے متعلق ہیں تحریف کا مضمون ان روایات سے کسی نے بھی نہیں سمجھا نیز علمائے اہلسنت کی یہ تصریحات بھی موجود ہیں کہ یہ روایات احاد ہیں اور ایک جماعت محدثین کی ان روایات کے

صحیح و مستند ہونے ہی کی منکر ہے۔

عجیب لطف کی بات یہ ہے کہ ان روایات کو خود علمائے شیعہ نے بھی مقام مناظرہ سے علیحدہ ہو کر نسخ تلاوت ہی پر محمول کیا ہے۔ تفصیل کے ساتھ یہ سب باتیں تنبیہ الحائرین میں ہیں۔

دوسری بات

شیعوں کو قرآن مجید پر ایمان نہ ہونے کا کچھ بھی افسوس نہیں اور نہ اسکو وہ عیب سمجھتے ہیں بلکہ اسمیں صرفی نحوی اغلاط بتا کر اسکے مثل قرآن بنا سکنے کے مدعی ہیں۔ جیسا کہ مرزا احمد علی صاحب لاہوری نے لکھا ہے کہ "کہ اگر یہی قرآن معجزہ ہے تو ایسا قرآن تو میں بھی بنا سکتا ہوں"۔ شیعوں کا دعوی ہے کہ ہم اہلبیت کے پیرو ہیں اور اسپر انکو بہت ناز ہے اور کہتے ہیں کہ اہلبیت قرآن ناطق ہیں اور سنیوں کا قرآن تو قرآن صامت ہے۔

مذہب شیعہ نے حضرت علی کو اور ان کی اولاد میں گیارہ حضرات کو اہلبیت قرار دیا ہے ان کے نزدیک یہی بارہ[1] بزرگوار اہلبیت ہیں اور امام معصوم مفترض الطاعۃ ہیں اور ان کی بزرگی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی کے برابر[1] ہے اور ان سب کو تحلیل و تحریم کا بھی اختیار[2] ہے جس چیز کو چاہیں حلال کر دیں جس چیز کو چاہیں حرام کر دیں۔

کتب شیعہ میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث تو خال خال مثل نہ ہونے کے ہیں تمام تر روایات انھیں بارہ بزرگوں سے اور خاصکر امام جعفر صادق اور انکے والد امام محمد باقر کیطرف منسوب کیجاتی ہیں ان بزرگوں کے علاوہ ازواج مطہرات ہی نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ کے عم محترم اور انکی اولاد ہی نہیں بلکہ حضرت علی اور جناب فاطمہ زہرا کی بقیہ اولاد بھی اہلبیت سے خارج ہے اور

---

[1] اصول کافی صفحہ ۱۱۱ میں امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ انھوں نے حضرت علی کے فضائل میں بیان فرمایا جری لہ من الفضل مثل ماجری لمحمد ولمحمد الفضل علی جمیع ماخلق اللہ عزوجل الیٰ ان قال وکذلک یجری لائمۃ الھدیٰ واحد بعد واحد ترجمہ حضرت علی کی بزرگی مثل اس بزرگی کے ہے جو محمد کی ہے اور محمد کو جمیع مخلوقات پر فضیلت ہے اور یہی بزرگی تمام ائمہ کی یکے بعد دیگرے ہے [2] تحلیل و تحریم کے اختیار کی روایت اصول کافی صفحہ ۲۰۰ میں فھم یحلون مایشاؤن ویحرمون مایشاؤن کے الفاظ کیساتھ موجود ہے۔

انمیں بہت سے بزرگوار ایسے ہیں جن سے عداوت رکھنا اور ان پر تبرّا کرنا مذہب شیعہ میں ضروری ہے[1]

اِسوقت ہم نہ اس تحقیق کے درپے ہیں کہ اہلبیت رسول کون حضرات ہیں نہ اس بات سے کچھ تعرض کرنا چاہتے ہیں کہ ان بارہ بزرگوں کو جو ہدایت میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا مماثل و ہمسر قرار دیا گیا ہے اسکا مقصد کیا ہے[2] اور شیعہ اسکے کیا دلائل پیش کرتے ہیں بلکہ صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ان بارہ بزرگوں کے اتباع کا دعویٰ کہاں تک درست ہے اور اس دعویٰ کی تصدیق کتب شیعہ سے کہاں تک ہوتی ہے۔

واضح ہو کہ شیعوں کا یہ کہنا کہ اُن کا مذہب ان بارہ بزرگوں سے ماخوذ ہے اور وہ ان بارہ حضرات کے پیرو ہیں خود انھیں کی کتابوں سے پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچتا بلکہ اس کا غلط ہونا اظہر من الشمس ہوجاتا ہے عیسائیوں کا بھی یہ دعویٰ کہ ان کا مذہب حضرت مسیح علیہ السلام کا تعلیم کیا ہوا ہے غلط اور یقیناً غلط ہے مگر انکے دعویٰ کے غلط ہونے میں اور شیعوں کے دعوے کے غلط ہونے میں بڑا فرق ہے شیعوں کی غلطی بلا شبہہ عدیم المثال ہے۔

کتب شیعہ سے جو حقیقت اس دعوے کی معلوم ہوتی ہے اسمیں سے صرف چار پانچ چیزیں یہاں لکھی جاتی ہیں۔ زیادہ تفصیل کسی کو دیکھنا ہو تو وہ الخامس من المائتین وغیرہ میری تالیفات کا مطالعہ کرے۔

(۱) اسمیں کچھ شک نہیں کہ شیعوں کے اس دعوے کی بنیاد اُن کی اُن روایات پر ہے جو انکی کتابوں میں ہیں اور اسمیں بھی کچھ شک نہیں کہ وہ روایتیں اگر صحیح بھی ہوں تو اخبار احاد ہیں کوئی ایک بھی ان میں متواتر نہیں ہے نہ متواتر کا وجود اُن کے یہاں ہوسکتا ہے اسلئے کہ انکی جماعت ہی ائمہ کے عہد میں اتنی قلیل تھی کہ وہ سب متفق ہوکر بھی کوئی روایت کریں تو اتنے قلیل التعداد اشخاص کی روایت کسی طرح متواتر نہیں کی جاسکتی چہ جائیکہ وہ سب بھی سوا تحریف قرآن کے اور کسی مسألہ کی روایت پر متفق نہیں ہیں حتی کہ مسألہ امامت وعصمت ائمہ میں بھی ان سب کا

[1] یہ مضمون احتجاج طبرسی ص۱۰ سے حواشی آیندہ میں نقل ہوگا۔ [2] قرآن مجید کے ساتھ شیعوں کا سلوک دیکھکر اس بات کا یقین کامل ہوجاتا ہے کہ ان ائمہ کو رسول کا مثل و مانند بنانا محض انکار ختم نبوت کیلئے ہے اور کوئی مقصد اسکا ہو ہی نہیں سکتا۔

اتفاق نہیں ہے۔ غرضکہ انھیں اخبار آحاد پر دعوی اتباع اہلبیت کا دار و مدار ہے اور خود انکے علماء تصریح کر چکے ہیں کہ اخبار احاد ظنی ہوتے ہیں ان سے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا۔

(۲) شیعہ راوی کہتے ہیں کہ ائمہ تنہائی میں اپنا اصلی مذہب ہم کو تعلیم کیا کرتے تھے اور مجمع عام میں وہ اہل سنت کے موافق اپنے عقائد و اعمال ظاہر فرمایا کرتے تھے۔ اگر کوئی ان شیعہ راویوں سے کہتا کہ ہم تمھاری بات کا کیونکر اعتبار کریں ائمہ سے ہمارے مواجہہ میں اپنی روایت کی تصدیق کرادو تو صاف کہدیتے تھے کہ ہم تصدیق نہیں کرا سکتے بلکہ اگر کبھی نوبت تصدیق کی آئی تو ائمہ نے ان راویوں کو جھٹلا دیا اور کہا کہ یہ لوگ میرے اوپر افترا کرتے ہیں میں نے ہرگز یہ تعلیم ان کو نہیں دی۔

ك علامہ مجلسی حق الیقین صفحہ میں لکھتے ہیں "از احادیث ظاہر میشود کہ جمعے از راویان کہ در اعصار ائمہ علیہم السلام بودہ اند۔ از شیعیان اعتقاد بعصمت ایشان نداشتہ اند بلکہ ایشان را علمای نیکوکار می دانستہ اند چنانچہ از رجال کشی ظاہر می شود معہذا ائمہ علیہم السلام حکم بایمان بلکہ بعدالت ایشان میکردہ اند" ترجمہ۔ احادیث سے ظاہر ہوتا ہو کہ ایک جماعت شیعہ راویوں کی جو ائمہ علیہم السلام کے زمانے میں تھی ائمہ کی عصمت کا اعتقاد نہ رکھتی تھی بلکہ ان کو علمائے نیکوکار جانتی تھی جیساکہ رجال کشی سے ظاہر ہو باوجود اسکے ائمہ ان لوگوں کے مومن بلکہ عادل ہونیکا حکم کرتے تھے ك اس مضمون کے شواہد کتب شیعہ میں شمار سے باہر ہیں۔ ازانجملہ فروع کافی جلد سوم صفحہ میں زرارہ صاحب سے منقول ہو کہ میں امام باقر علیہ السلام سے تنہائی میں مسائل پوچھتا تھا کہ مجمع عام میں وہ تقیہ کرتے تھے اصل عبارت یہ ہو فاتیتہ من الغد بعد الظهر وکانت ساعتی التی اخلوبه فیها بین الظهر والعصر وکنت اکرہ ان اسأله الا خالیا خشیة ان یفتینی من اجل ان یحضرہ بالتقیة نیز اصول کافی صفحہ میں ہو کہ امام جعفر صادق نے شیعوں سے کہا انکم علی دین من کتمه اعزه الله ومن اذاعه اذله الله یعنی تمہارا دین ایسا ہے کہ جو اسکو چھپائیگا خدا اسکو عزت دیگا اور جو اسکو ظاہر کریگا خدا اسکو ذلیل کریگا

ك مجالس المومنین مجلس پنجم صفحہ میں ہو "در کتاب مختار از سید منقول است کہ گفت روزے در خدمت امام جعفر علیہ السلام بودم کہ دو کس در مجلس اذن دخول طلبیدند آنحضرت ایشان را اذن کرد چون بنشستند یکے از ایشان از اہل مجلس پرسید کہ آیا در شما امام مفترض الطاعۃ ست آنحضرت فرمود کہ چنین کسے درمیان خود نمی شناسیم ایشان گفتند در کوفہ قومے ہستند کہ زعم ایشان آن ست کہ در میان شما امام مفترض الطاعۃ موجود ست و ایشان دروغ نمی گویند زیرا کہ صاحب ورع و اجتہاد اند و از جملہ ایشان عبداللہ یعفور و فلان و فلان اند پس آنحضرت فرمود کہ من ایشان را باین اعتقاد امر نکردم گناہ من دراں چیست

اب صاحبان عقل ذرا سمجھیں اسوقت ہمارے سامنے ایک جماعت شیعہ راویوں کی ہو جو کہتی ہو کہ ائمہ نے ہم کو تنہائی میں مذہب شیعہ کی تعلیم دی ہو اور ہم اسکی تصدیق کسی کے سامنے نہیں کرا سکتے تصدیق کی نوبت آتی ہو تو ائمہ ان کو جھٹلا دیتے ہیں۔ دوسری جماعت سنی راویوں کی ہو جو کہتی ہو کہ ائمہ نے تنہائی میں بھی ہم کو مذہب اہلسنت کی تعلیم دی اور علانیہ بھی اور ہم اسکی تصدیق ائمہ سے کرا سکتے ہیں چنانچہ انھوں نے تصدیق بھی کرا دی اب بتاؤ کہ تقاضائے عقل کیا ہو کس جماعت کو سچا سمجھنا چاہیئے۔

شیعہ کہتے ہیں کہ ائمہ سنیوں سے ڈرتے تھے اور تقیہ کرتے تھے حتی کہ حضرت علی خود اپنے عہد خلافت میں بھی تقیہ کرتے رہے اور تقیہ ہی کی وجہ سے انھوں نے متعہ کے حلال ہونے کا فتوی نہ دیا نماز تراویح جیسی بدعت کو نہ روکا اور تینوں خلفا کی تعریف کرتے رہے اور ہر بات میں اپنے کو سنی بنائے رہے۔ ہم کہتے ہیں کہ واقعی اگر ائمہ ایسے ہی تھے اور انکی یہی عادت تھی کہ لوگوں سے ڈر کر حق کو چھپاتے تھے اور خلاف حق اقوال و افعال کے مرتکب ہوتے تھے تو کیا یہ ممکن نہیں ہو کہ وہ شیعوں سے ڈر کر شیعوں کے موافق جو کچھ کہتے ہوں وہ از راہ تقیہ ہو۔ بلکہ شیعوں سے ڈرنا اور ان سے تقیہ کرنا قرین قیاس ہو کیونکہ یہ لوگ کسی آئین و قانون کے پابند نہ تھے اور انکے ہاتھوں قتل و تذلیل کی مصیبتیں برابر پہونچتی رہتی تھیں ایک طرف تو حکومت سے ملے رہتے تھے دوسری طرف ان ائمہ سے اظہار ولا کیا کرتے تھے اور جہاں کسی نے انکی ہاں میں ہاں نہ ملائی اس پر لعنت و تبرا کرنے کو تیار رہتے تھے غرضکہ بڑی خطرناک جماعت تھی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان ائمہ کا مذہب سنی شیعہ دونوں کے علاوہ کچھ اور ہو مگر چونکہ ہر طرف مسلمانوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی اسلئے اپنا اصلی مذہب ظاہر کرتے ہوئے ڈرتے تھے اور از راہ تقیہ اپنے کو مسلمان کہتے تھے اور مسلمانوں کے سے کام کرتے تھے حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفا مقصد اول صفحہ ۲۰۲ میں اسی مضمون کو ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

"اگر تقیہ باوجود خلافت و شجاعت و شوکت و قیام بقتال جمیع اہل ارض جائز باشد میتوان گفت کہ با جمعے کہ با شیخین بدے بودند در خفیہ بنا بر تقیہ انکار شیخین می نمود پس کلام خیر الامۃ متعین نیست و خلاف تنا و تقیہ دھی تواں گفت کہ اظہار اسلام و نماز پنجگانہ خواندن و از دوزخ ترسیدن ہمہ

بنا بر تقیہ مسلین بود ص۷

(۳) شیعہ کہتے ہیں کہ ائمہ تنہائی میں بھی اپنے شیعوں کو غلط مسائل تعلیم کیا کرتے تھے جس کی وجہ کبھی تو یہ ہوتی تھی کہ ائمہ چاہتے تھے کہ شیعوں میں اختلاف رہے[۱] تاکہ لوگ ان کو ائمہ سے برائت کرنے میں سچا نہ سمجھیں اور کبھی یہ وجہ ہوتی تھی کہ صحیح مسئلہ بتانے میں شیعوں کو مالی[۲] نقصان پہنچ جانے کا

۱ؔ اصول کافی ص۳۷ میں ہے عن زرارۃ بن اعین عن ابی جعفر قال سالتہ عن مسألۃ فاجابنی ثم جاءہ رجل آخر فسألہ عنھا فاجابہ بخلاف ما اجابنی ثم جاءہ رجل فسألہ عنھا فاجابہ بخلاف ما اجابنی واجاب صاحبی فلما خرج الرجلان قلت یا ابن رسول اللہ رجلان من اھل العراق من شیعتکم قدما یسئلان فاجبت کل واحد منھما بغیر ما اجبت صاحبہ فقال یا زرارۃ ھذا خیر لنا ولکم وابقیٰ لنا ولکم ولو اجتمعتم علی امر واحد لصدقکم الناس علینا ولکان اقل لبقاءنا وبقاءکم ثم قال قلت لابی عبد اللہ شیعتکم لو حملتموھم علی الاسنۃ او النار لمضوا وھم یخرجون من عندک مختلفین قال فاجابنی بمثل جواب ابیہ۔ ترجمہ: زرارہ فرماتے ہیں میں نے امام باقر سے ایک مسئلہ پوچھا تو انہوں نے مجھے جواب دیا پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے وہی مسئلہ پوچھا اس کو میرے جواب کے خلاف جواب دیا پھر ایک اور شخص آیا اس نے بھی وہی مسئلہ پوچھا اس کو انھوں نے ہم دونوں کے خلاف جواب دیا جب وہ دونوں آدمی چلے گئے تو میں نے کہا اے فرزند رسول یہ دونوں شخص عراق کے رہنے والے تمہارے شیعہ تھے مسئلہ پوچھنے آئے تھے تم نے ہر ایک کو دوسرے کے خلاف جواب دیا تو امام باقر نے فرمایا اے زرارہ اس میں ہماری اور تمہاری خیر ہے اور اگر تم سب ایک بات پر متفق ہو جاؤ تو لوگ تم کو ہم سے روایت کرنے میں سچا سمجھ لیں گے اور اسمیں ہماری بقا بھی نہ رہے گی اور تمہاری بقا بھی نہ رہیگی۔ زرارہ صاحب فرماتے ہیں پھر میں نے امام جعفر صادق سے کہا کہ تمہارے شیعہ اگر ان کو نیزوں میں اور آگ میں بھیجدو تو چلے جائیں وہ تمہارے پاس سے مختلف ہو کر نکلتے ہیں تو انہوں نے بھی اپنے والد کی طرح جواب دیا۔ ۲ؔ فروع کافی جلد سوم ص۴۸ میں ہے عن عبد اللہ بن محرز قال سألت اباعبد اللہ عن رجل اوصی الی وھلک وترک ابنۃ فقال اعط الابنۃ النصف واترک للموالی النصف فرجعت فقال اصحابنا لا واللہ ما للموالی شیٔ فرجعت الیہ من قابل فقلت ان اصحابنا قالوا لیس للموالی شیٔ وانما اتقاک فقال لا واللہ ما اتقیتک ولکن خفت علیک ان تؤخذ بالنصف فان کنت لا تخاف فاذا النصف الاخر الی ابنتہ ترجمہ: عبد اللہ بن محرز کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق سے پوچھا کہ ایک شخص نے مجھے وصی بنادیا وہ مرگیا اور ایک بیٹی اس نے چھوڑی امام نے فرمایا آدھا مال بیٹی کو دیدو اور آدھا غلاموں کے لئے رہنے دو جب میں وطن لوٹ کر آیا تو میرے اصحاب نے کہا واللہ غلاموں کا میراث میں کچھ حصہ نہیں چنانچہ سال آیندہ پھر میں امام کے پاس گیا اور میں نے کہا کہ میرے اصحاب کہتے ہیں کہ غلاموں کا کچھ حصہ نہیں امام نے تجھ سے تقیہ کیا تو امام جعفر صادق نے فرمایا واللہ میں نے تجھ سے تقیہ نہیں کیا بلکہ مجھے یہ خوف ہوا کہ کہیں تجھ کو تاوان نہ پڑ جائے اگر تجھے اس کا اندیشہ نہیں ہے تو بقیہ آدھا بھی بیٹی کو دیدے

اندیشہ ہوتا تھا۔ اور یہ تو ایک معمولی بات تھی کہ ائمہ جب کوئی بات کہتے تھے تو ہر بات میں ستر ستر[1] پہلو اپنے بچاؤ کے رکھ لیتے تھے۔

(۴) شیعہ کہتے ہیں کہ ائمہ آپس میں بھی اختلاف رکھتے تھے یعنی ایک امام کی تعلیم دوسرے امام کے خلاف ہوتی تھی۔ یہ اختلاف کبھی تو بوجہ تقیہ[2] کے ہوتا تھا کہ ایک امام نے تقیہ کر کے غلط مسالہ بتا دیا اور دوسرے امام نے تقیہ نہ کیا اور صحیح مسالہ ارشاد فرما دیا اور کبھی یہ اختلاف اس سبب سے ہوتا تھا کہ ائمہ کو تحلیل و تحریم[3] کا اختیار ہوتا تھا۔

نتیجہ ان سب باتوں کا یہ تھا کہ خود علمائے شیعہ نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ اصحاب ائمہ نے ائمہ سے نہ اصول دین کو یقین کیساتھ حاصل کیا تھا نہ فروع[4] دین کو۔ پس اب انصاف کرو کہ

---

[1] مولوی دلدار علی صاحب مجتہد اساس الاصول صفحہ ۱۵ میں لکھتے ہیں عن ابی عبد اللہ انہ قال انی لاتکلم علی سبعین وجہا لی فی کلہا المخرج وایضا عن ابی بصیر قال سمعت ابا عبد اللہ یقول انی لاتکلم بالکلمۃ الواحدۃ لہا سبعون وجہا ان شئت اخذت کذا وان شئت اخذت کذا۔ ترجمہ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کوئی بات کہتا ہوں تو اسمیں ستر وجہیں ہوتی ہیں کہ میرے لئے ہر ایک میں نکل جانے کا رستہ ہوتا ہے نیز ابو بصیر امام صادق سے راوی ہیں کہ انھوں نے فرمایا میں جو بات کہتا ہوں اسمیں ستر پہلو ہوتے ہیں میں چاہوں تو اسکو اختیار کروں اور چاہوں اسکو۔ [2] فروع کافی جلد دوم صفحہ میں ابان بن تغلب سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا کان ابی علیہ السلام یفتی فی زمن بنی امیۃ ان ما قتل البازی والصقر فھو حلال وکان یتقیھم وانا لا اتقیھم وھو حرام ما قتل ترجمہ میرے والد علیہ السلام بنی امیہ کے زمانہ میں یہ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ باز اور شکرے کا مارا ہوا شکار حلال ہے وہ بنی امیہ سے تقیہ کرتے تھے مگر میں انسے تقیہ نہیں کرتا ان کا مارا ہوا شکار حرام ہے۔

[3] اصول کافی صفحہ امام محمد تقی علیہ السلام نے شیعوں کے باہمی اختلاف کے متعلق منقول ہے کہ انھوں نے ائمہ کا ذکر کر کے فرمایا واجری طاعتھم علیھا وفوض امورھا الیھم فھم یحلون ما یشاؤن ویحرمون ما یشاؤن یعنی مخلوق پر ائمہ کی طاعت خدا نے فرض کی اور مخلوق کے کام ائمہ کے سپرد کر دئے وہ جو چاہتے ہیں حلال کرتے ہیں اور جو چاہتے ہیں حرام کرتے ہیں [4] شیخ مرتضیٰ فرائد الاصول مطبوعہ ایران صفحہ میں لکھتے ہیں ثم ان ما ذکرہ من تمکن اصحاب الائمۃ من اخذ الاصول والفروع بطریق الیقین دعوی ممنوعۃ واضحۃ المنع۔ ترجمہ۔ یہ جو انہوں نے بیان کیا کہ اصحاب ائمہ اصول و فروع دین کو یقین کیساتھ حاصل کرنے پر قادر تھے یہ دعوے غلط ہے اور اسکا غلط ہونا واضح ہے مولوی دلدار علی صاحب اساس الاصول صفحہ ۱۲ میں لکھتے ہیں کہ اصحاب ائمہ پر یقین کا حاصل کرنا فرض بھی نہ تھا۔

جب اصحاب ائمہ نے یقین حاصل نہ کیا تو آج کس بنیاد پر اس بات کا یقین کیا جا سکتا ہے کہ مذہب شیعہ ائمہ کی تعلیم ہے۔

(۱۵) مذہب شیعہ میں جھوٹ بولنا عیب نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے[1] انکے دین کے دس حصے ہیں ان میں سے نو حصہ جھوٹ بولنے میں ہیں جھوٹ بولنا خدا کا دین ہے ائمہ کا دین ہے جو جھوٹ نہ بولے وہ بیدین و بے ایمان ہے۔

اصحاب ائمہ میں خصوصیت کیساتھ یہ صفت موجود تھی وہ اسقدر جھوٹ بولتے تھے کہ اُن کے آپس کے لوگ بھی پریشان تھے اور عبداللہ بن یعفور نے اسکی شکایت امام جعفر صادق سے کی تھی[2] پس اس صورت میں مذہب شیعہ کو جو وہ ائمہ سے روایت کرتے ہیں وہ روایت کیونکر سچی سمجھی جا سکتی ہے

[1] اصول کافی ص۴۸۲ میں ہے قال ابو عبد اللہ علیہ السلام یا ابا عمران تسعۃ اعشار الدین فی التقیۃ ولا دین لمن لا تقیۃ لہ ترجمہ دین کے دس حصوں میں سے نو حصہ تقیہ میں ہیں اور جو تقیہ نہ کرے وہ بیدین ہے نیز اسی کتاب کے ص۴۸۴ میں امام باقر سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا التقیۃ دینی و دین آبائی ولا ایمان لمن لا تقیۃ لہ ترجمہ تقیہ میرا دین ہے اور میرے باپ دادا کا دین ہے اور جو تقیہ نہ کرے وہ بے ایمان ہے اب رہی یہ بات کہ یہ فضائل تو تقیہ کے ہیں نہ جھوٹ بولنے کے اسکا جواب یہ ہے کہ خود امام نے تقیہ کے معنی جھوٹ بولنے کے بیان فرمائے ہیں چنانچہ اصول کافی ص۴۸۲ میں امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ التقیۃ من دین اللہ قلت من دین اللہ قال ای واللہ من دین اللہ ولقد قال یوسف ایتھا العیر انکم لسارقون واللہ ما کانوا سرقوا شیئا ولقد قال ابراھیم انی سقیم واللہ ما کان سقیما ترجمہ تقیہ اللہ کا دین ہے یوسف پیغمبر نے کہا تھا کہ اے قافلہ والو تم چور ہو حالانکہ اللہ کی قسم انھوں نے کچھ چرایا نہ تھا اور ابراہیم نے کہا تھا کہ میں بیمار ہوں حالانکہ اللہ کی قسم وہ بیمار نہ تھے اس حدیث سے معلوم ہوا ایک شخص نے چوری نہ کی تھی اسکو چور کہا گیا یہ تقیہ ہے ایک شخص بیمار نہ تھا اسنے اپنے کو بیمار کہا یہ تقیہ ہے اسیکو جھوٹ بھی کہتے ہیں

[2] اصول کافی ص۲۳۴ میں عبداللہ بن یعفور سے روایت ہے وہ کہتا ہے میں نے امام جعفر صادق سے کہا انی اخالط الناس فیکثر عجبی من اقوام لا یتولونکم ویتولون فلانا وفلانا لھم امانۃ وصدق ووفاء واقوام یتولونکم لیس لھم تلک الامانۃ ولا الوفاء ولا الصدق ترجمہ مجھے بڑا تعجب ہوتا ہے جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ جو لوگ تم کو نہیں مانتے اور فلاں فلاں یعنی تینوں خلفا کو مانتے ہیں ان میں امانت ہے سچائی ہے وفا ہے اور جو لوگ تم کو مانتے ہیں ان میں نہ امانت ہے نہ وفا نہ صدق۔ امام نے اسکے جواب میں یہ نہ فرمایا کہ تم غلط کہتے ہو ایسا نہیں ہے بلکہ یہ فرمایا کہ جنت ہمارے ہی ماننے والوں کو ملیگی

نیز ائمہ جو اپنا مذہب زبان سے بیان کرتے ہیں وہ بیان کس طرح سچا خیال کیا جا سکے

وجوہ مذکورہ کے ہوتے ہوئے کون شخص مذہب شیعہ کو ان ائمہ سے ماخوذ کہہ سکتا ہے۔ اب رہا
دعویٰ محبت اہلبیت کا وہ اسی سے ظاہر ہے کہ امام حسینؑ کو اس مظلومیت کے ساتھ کوفہ میں بلا کر شہید
کیا اور پھر لطف یہ ہے کہ فرماتے ہیں قتل اہلبیت سے تشیع میں خلل نہیں آتا[1] محبت اہلبیت کا مضمون ہو تو
اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ خاندان رسول میں جو بھی ان کا ہم خیال نہ ہو اس سے[2] عداوت رکھنا بلکہ
تبرا کرنا ضروری جانتے ہیں[3] محبت اہلبیت اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ ان ائمہ کو جھوٹ بولنے والا التقیہ باز
قرار دیکر انکا اصلی مذہب اسقدر مشتبہ کر دیا کہ اب قیامت تک ازروئے مذہب شیعہ ائمہ کا کوئی مذہب
ہی متعین نہیں ہو سکتا۔ تعظیم اہلبیت اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ فرماتے ہیں ایک[4] مرتبہ متعہ کرنے سے
امام حسین کا مرتبہ ملجاتا ہے دو مرتبہ متعہ کرنے سے امام حسن کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور تین مرتبہ متعہ کرنے سے
حضرت علی کا اور چار مرتبہ متعہ کرنے سے رسول خدا کا (معاذ اللہ من ذلک)

مذہب شیعہ کے متعلق اس تبصرہ میں جو کچھ لکھا گیا وہ مشتے نمونہ از خروارے سے بھی کم ہے۔ والحمد للہ اولا و آخرا

---

[1] اس کا ثبوت کتب شیعہ سے دیکھنا ہو تو اظہار حق حصہ اول یا کتاب قاتلان حسین دیکھنا چاہئے۔ [2] شیعہ صاحبان خلیفہ ہارون رشید کو شیعہ مانتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہارون رشید اہلبیت کو بوجہ سلطنت کے قتل کرتا تھا احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران صفحہ ۲۱۰
میں ہے روی ان المامون قال لقومه اتدرون من علمنی التشیع فقال القوم لا واللہ ما نعلم ذلک قال علمنیه الرشید
قیل له وکیف ذلک والرشید یقتل اهل هذا البیت قال کان یقتلهم علی الملک فان الملک عقیم [3] احتجاج طبرسی
صفحہ ۲۵۰ میں ہے اولا یرون الامامیة لا تلتفت الی من خالفها من العترة وخاذ عن جادتها فی الدیانة وتجهما
فی الولایة لا تمعرله شیٔ من المدح والتعظیم فضلاً عن غایته واقصی نهایته بل تبرأ منه وتعادیه ترجمہ کیا لوگ
نہیں کہ عترت رسول میں جو لوگ دین میں اور مسائل امامت میں امامیہ کے مخالف ہیں امامیہ انکی طرف التفات بھی نہیں کرتے نہ انکی مدح
و تعظیم جائز سمجھتے ہیں بلکہ ان پر تبرا کرتے ہیں اور ان سے دشمنی رکھتے ہیں ۱۲ [4] دیکھو تفسیر منہج الصادقین زیر فمن ربع پارہ پنجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

تحریف قرآن شریف کے متعلق سوال اور اسکا جواب

"الہ آباد میں ایک انگریزی تعلیمیافتہ سنی نے جنکی صحبت اکثر شیعہ صاحبوں سے رہتی ہے تحریف قرآن کے متعلق زبانی کچھ باتیں دریافت کیں جنکا جواب انکو دیا گیا۔ بعد میں وہ باتیں کچھ تفصیل کے ساتھ قلمبند کرلی گئیں تاکہ اور لوگوں کو بھی فائدہ پہونچے اور خود صاحب موصوف کو بھی مزید اطمینان کے ساتھ غور و خوض کا موقع ملے اور وہ اپنے شیعہ دوستوں کی بھی تشفی کرسکیں۔

سوال اوّل

کیا اہل سنت کی مستند کتابوں میں کوئی ذکر تحریف قرآن کا ہے یعنی کوئی ذکر اس بات کا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن شریف سے کوئی عبارت یا کوئی لفظ کم کردیگئی یا بڑھائی گئی

جواب سوال اوّل

اہل سنت کی مستند کتابوں میں کوئی معتبر قول یا کوئی معتبر روایت[1] اس مضمون کی نہیں ہے کہ قرآن شریف سے کوئی عبارت یا کوئی لفظ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کم کی گئی یا بڑھائی گئی۔

سائل کا جواب

سائل نے اس جواب کے مقابلہ میں دو روایتیں پیش کیں۔ ایک روایت "مظاہر حق" اردو ترجمہ "مشکوۃ" سے جس سے سائل کے خیال میں کمی کا ثبوت ہوتا ہے۔ دوسری روایت اردو ترجمہ "جامع ترمذی" سے جس سے سائل کے نزدیک بیشی کا ثبوت ہوتا ہے۔

---

[1] سائل نے پوچھا تھا کہ کوئی ذکر تحریف قرآن کا ہے یا نہیں چونکہ ذکر کی دو ہی صورتیں ہوسکتی تھیں ایک یہ کہ مستند عالم کا کوئی قول ہو یا کوئی معتبر روایت ہو اس لئے بجائے ذکر کے قول اور روایت کی تصریح کردی گئی۔

مظاہر حق کی روایت میں یہ مضمون ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انزل اللہ میں آیت رجم[۱] تھی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رجم کیا ہے اور ہمنے بھی رجم کیا ہے اور رجم کتاب اللہ میں حق ہے۔

ترمذی کی روایت میں یہ مضمون ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سورۂ واللیل میں لفظ ماخلق کے پڑھنے سے انکار کیا اور فرمایا کہ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے والذکر والانثی پڑھایا ہے۔

اس کا جواب بچند وجوہ حسب ذیل ہے

وجہ اول - یہ کہ ان دونوں روایتوں میں سے کسی میں کوئی لفظ ایسی نہیں ہے جسکا ترجمہ یا مفہوم یہ ہو سکتا ہو، کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نے آیت رجم قرآن شریف سے نکال ڈالی یا سورۂ واللیل میں لفظ ماخلق بڑھا دی بلکہ آیت رجم والی روایت مشکوٰۃ کی نسخ سے تعلق رکھتی ہے یعنی آیت رجم قرآن شریف میں نازل ہوئی تھی پھر خدا نے اسکی تلاوت منسوخ کردی حکم باقی رکھا۔ چنانچہ علمائے کرام شارحین حدیث نے اسکی تصریح فرمادی ہے، دیکھئے تفسیر اتقان کی سینتالیسویں نوع۔

اور لطف تو یہ ہے کہ مقام مناظرہ سے علٰحدہ اپنی جگہ پر بیٹھ کر علمائے[۲] شیعہ نے بھی اس کا

---

[۱] دین اسلام میں زنا کی سزائیں دو ہیں بعض صورتوں میں تنو درّہ مارے جاتے ہیں جنکے متعلق قرآن شریف میں آیت موجود ہے اور بعض صورتوں میں زانی کو زمین میں نصف جسم تک دفن کر کے پتھر مارے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ مر جائے اسی کو رجم کہتے ہیں۔ اسکا تذکرہ قرآن شریف میں نہیں ہے احادیث میں ہے اسی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ قرآن شریف میں آیت نازل ہوئی تھی پھر اسکی تلاوت منسوخ ہوگئی۔

[۲] چنانچہ علامہ ابوعلی طبرسی اپنی تفسیر مجمع البیان میں آیہ کریمہ ما ننسخ من آیۃ کی تفسیر میں نسخ کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں منہا ما یرتفع اللفظ ویثبت الحکم کایۃ الرجم فقد قیل انہا کانت منزلۃ فرفع لفظہا وقد جاءت اخبار کثیرۃ بان اشیاء کانت فی القرآن فنسخ تلاوتہا ترجمہ اقسام نسخ میں سے ایک قسم یہ ہے کہ تلاوت منسوخ ہوجائے اور حکم قائم رہے جیسے کہ آیت رجم بس بتحقیق کہا گیا ہے کہ وہ نازل ہوئی تھی پھر اسکی تلاوت منسوخ ہوگئی اور بہت سی روایتیں اس مضمون کی ہیں کہ کچھ آیتیں قرآن میں تھیں انکی تلاوت منسوخ کردی گئی۔

اقرار کیا ہے کہ یہ روایت نسخ پر دلالت کرتی ہے نہ تحریف پر۔ اور خود اس روایت کے اسی طریق میں جس کو سائل نے پیش کیا اور دوسرے طُرق میں وہ الفاظ و مضامین موجود ہیں جو نسخ کے سوا کسی دوسری طرف وہم کو جانے سے روکتے ہیں۔

اور وماخلق والی روایت ترمذی کی اختلاف قرات سے تعلق رکھتی ہے جیسا کہ علماے محدثین و قرّاے قرآن نے اسکی تصریح فرمادی ہے یعنی اس روایت کا مفہوم صرف اسقدر ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے لفظ ماخلق کے پڑھنے سے انکار کیا اور فرمایا کہ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لفظ نہیں پڑھائی۔ اس سے یہ بات کیونکر نکلی کہ لفظ ماخلق منزل من اللہ نہیں ہے کسی انسان کی بڑھائی ہوئی ہے۔

قرآن شریف مختلف قراتوں پر نازل ہوا ہے اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابیؓ کو ایک قرات تعلیم فرمائی کسی کو دوسری۔ لہٰذا اس روایت سے ماخلق کی نفی نہیں ہوتی اسکا ثبوت تو رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر ہے ہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں دوسری قرات بغیر اس لفظ ماخلق کے بھی ہے اور وہی دوسری قرات آپنے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو تعلیم فرمائی۔ اس سے زیادہ کوئی مضمون اس روایت سے کھینچ تان کر بھی نہیں نکل سکتا۔

تمام قرائے قرآن لفظ وماخلق کو متواتر کہتے ہیں اور ابن مسعودؓ کی قرارت کو چونکہ وہ اخبار احاد سے ہے قرات شاذہ فرماتے ہیں۔

شبہ رہا یہ شبہ کہ ابن مسعود جیسے جلیل الشان صحابی قرأتِ متواترہ کے پڑھنے سے انکار اور قرأتِ شاذہ پر اصرار کیوں فرماتے تھے۔

جواب تو جواب یہ ہے کہ متواتر و شاذ کی تفریق تو زمانہ مابعد کے لحاظ سے پیدا ہوئی۔ ورنہ جن لوگوں نے بلا واسطہ رسول اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سُنی ......

لہ مثلاً حضرت عمرؓ کا یہ فرمانا کہ مَا اَنْزَلَ اللہ میں آیت رجم بھی تھی۔ اگر ان کے نزدیک یہ آیت غیر منسوخ ہوتی تو "تھی" کے بجائے "ہے" فرماتے اور یہ فرمانا کہ اگر کتاب اللہ میں زیادتی جائز نہ ہوتی تو میں اس آیت کو لکھ دیتا۔ اگر ان کے نزدیک یہ آیت غیر منسوخ ہوتی تو اس کے لکھنے سے کتاب اللہ میں زیادتی کیوں ہوتی۔ اور یہ فرمانا کہ قرآن کے آخر میں یا حاشیہ پر لکھتا۔ اگر ان کے نزدیک یہ آیت غیر منسوخ ہوتی تو اصل قرآن میں لکھنے کا ارادہ کیوں نہ فرماتے۔

اُنکے حق میں وہ حدیث متواتر سے بڑھکر قرآن شریف کی برابر واجب الامتثال ہے اسی وجہ سے صحابہ کرام کی عادت تھی کہ جو تعلیم کسی صحابی کو بلا واسطہ رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی تھی اسی تعلیم پر وہ نہایت مضبوطی سے قائم رہتے تھے اور کسی طرح کسی حال میں اُسکو ترک نہ فرماتے تھے اگرچہ کیسے ہی قابل وثوق اور معتبر ذرائع سے اسکے خلاف دوسری تعلیم رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تک پہونچ بھی جاتی اور یہی ہونا بھی چاہیے تھا۔ ع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

یہی وجہ حضرت ابن مسعودؓ کے انکار و اصرار کی تھی۔

ف (۱) قرآن شریف میں جمہور کے نزدیک تین۳ قسم کا نسخ ہوا ہے۔ ۱ تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہوجائیں جیسے عشر رضعات والی آیت ۲ صرف تلاوت منسوخ اور حکم باقی جیسے آیت رجم ۳ صرف حکم منسوخ اور تلاوت باقی جیسے وصیت والی آیت۔ پہلی دونوں قسم کی منسوخ آیتیں بحکم نبوی قرآن شریف میں نہیں لکھی گئیں۔ تلاوت کے منسوخ ہوجانیکا مطلب یہی کہ نماز میں بجائے قرآن شریف کے اسکا پڑھنا ناجائز کر دیا گیا اور اس کے پڑھنے میں وہ ثواب بھی نہ رہا جو تلاوت قرآن میں ہوتا ہے بلکہ اُس کے لیئے وہ درجہ رہ گیا جو احادیث کا ہے۔

ف (۲) قرآن شریف کا متعدد قراتوں پر نازل ہونا احادیث صحیحہ مستفیضہ سے ثابت ہے مگر ان میں سے جو حد تواتر کو پہونچگئی ہیں اور مصحف امام کے رسم خط سے مطابقت رکھتی ہیں نماز میں انھیں کے پڑھنے کا حکم ہے جیسے الم غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون کہ اسمیں لفظ غلبت اور سیغلبون میں دو قراتیں ہیں اور دونوں متواترہ ہیں دونوں مصحف امام کے رسم خط کے اندر ہیں لہذا دونوں کا نماز میں پڑھنا درست ہے غُلِبَتْ سَيَغْلِبُوْنَ اور غَلَبَتْ سَيُغْلَبُوْنَ اور قرات شاذہ وہ قرات ہے جو قرات متواترہ کے خلاف ہو اور اخبار احاد سے ثابت ہو۔ نماز میں اسکا پڑھنا درست نہیں جیسے یہی والذکر والانثی والی قرات۔

وجہ دوم یہ کہ یہ دونوں روایتیں بلکہ اس قسم کی تمام روایات اخبار احاد ہیں متواتر نہیں لہذا بالفرض اگر صحت کے اعلیٰ سے اعلیٰ رتبہ پر ہوتیں اور تحریف پر صراحۃً دلالت کرتیں تو قابل اعتبار

نہ عقیں کیونکہ قرآن شریف کے غیر محرف ہونیکا عقیدہ ہمارے یہاں اُن زبردست عقائد میں ہے جن پر کفر و اسلام کا فیصلہ ہوتا ہے اور ایسے عقائد میں شیعہ سنی دونوں کے علماء نے بلا اختلاف تصریح کردی ہے کہ اخبار آحاد قطعاً ساقط از اعتبار ہیں[۵۱] حتی کہ وہ اخبار آحاد جنکے خلاف دوسری روایت موجود نہو وہ بھی باب عقائد میں بیکار ہیں یعنی کسی عقیدہ کی بنیاد اُن پر رکھنا درست نہیں چہ جائیکہ متواتر روایات کے خلاف ہوں جیسے کہ یہاں کہ اگر ان روایات میں تحریف کا مضمون فرض کرلیا جائے کفر ضِ المحالات تو یہ روایات اُن متواترات اور قطعیات کے خلاف ہوجائینگی جنسے قرآن شریف کے غیر محرف بلکہ ناممکن التحریف ہونیکا عقیدہ ثابت ہے۔

قرآن شریف کے غیر محرف ہونیکا عقیدہ اہل سنت کے نزدیک اُن ضروریات دین میں ہے جنکا منکر بلا تردد قطعاً خارج از اسلام ہے جیسے توحید کا منکر یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت یا ختم نبوت کا منکر۔ اسلیئے کہ قرآن شریف میں تحریف کا نہونا اور نہ ہوسکنا خود قرآن مجید[۵۲] سے متواتر سنت

[۵۱] مولوی دلدار علی صاحب مجتہد اعظم شیعہ اپنی کتاب اساس الاصول میں فرماتے ہیں "خبر واحد اگر بے معارض هم باشد ظنی در اصول اعتقادیات بآن تمسک نباید کرد بلکہ نزد محققین شیعہ امامیہ مثل ابن زہرہ و ابن ادریس و شریف مرتضٰی و اکثر قدمائے ایشان قابل احتجاج نیست و متاخرین ایشان ہمین مذہب را اختیار کردہ اند و لہٰذا اخبار احاد از دلائل شمردہ بلکہ رد آن را واجب دانستہ خصوصاً در اعتقادیات"۔

[۵۲] قرآن مجید کی متعدد آیتیں ہیں جنسے تحریف قرآن کا محال ہونا ثابت ہوتا ہے از انجملہ ایک یہ آیت ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ یعنی بتحقیق ہم نے نازل کیا ہے اس نصیحت کو یعنی قرآن کو اور بتحقیق ہم اسکی حفاظت کرنے والے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب خدا نے اسکی حفاظت کا وعدہ کیا ہے تو اب کسی قسم کی تحریف کمی بیشی تبدل تغیر خرابی ترتیب وغیرہ کچھ بھی نہیں ہوسکتی شیعہ کہتے ہیں اس آیت میں ذکر سے مراد قرآن نہیں ہے بلکہ رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں خدا نے اس آیت میں وعدہ کیا ہے کہ ہم نبی کی حفاظت کرینگے یعنی کفار ان کے قتل پر قابو نہ پائینگے۔ مگر نبی کو ذکر کہنا ایک ایسی بات ہے کہ شاید شیعوں کے سوا کسی کا دماغ اسکو قبول نہ کریگا۔

[۵۳] متواتر احادیث بھی بہت ہیں جنمیں قرآن مجید کی حفاظت کی خبر دیگئی ہے مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ قرآن کو پانی دھو نہیں سکتا یعنی حوادث دہر اسکو فنا نہیں کرسکتے۔

حدیثوں سے اجماع[۵۱] متواتر سے دلائل[۵۲] عقلیہ سے ثابت ہے۔ اور خود علماء شیعہ کو بھی اس امر[۵۳] کا اقرار ہے کہ اہل سنت بالاجماع اس قرآن کے کامل اور غیر محرف ہونیکا اعتقاد رکھتے ہیں اور جو شخص تحریف کا قائل ہو اسکو کافر جانتے ہیں۔

ان روایات سے تحریف کا ثابت ہونا تو کجا ان روایات کی ہستی تو اس پایہ کی ہے کہ ایک جماعت علمائے کرام کی ان روایات کے اصلی مضمون یعنی نسخ ہی کی منکر ہے یہ جماعت کہتی ہے کہ نسخ تلاوت کوئی چیز نہیں ہے جس قدر قرآن شریف خدا کی طرف سے نازل ہوا وہ سب بین الدفتین موجود ہے اسمیں سے کوئی آیت کیا معنی کوئی حرف بھی منسوخ التلاوۃ نہیں ہوا یہ روایات سب اخبار احاد ہیں اور اخبار احاد ظنی ہیں اُن سے ایسے مضامین جنمیں دلائل یقینیہ کی ضرورت ہوتی ہے ثابت نہیں ہو سکتے۔

---

۵۱ اجماع متواتر اگر کسی کو دیکھنا ہو تو آیہ انا لہ لحافظون کی تفسیر میں علمائے اہل سنت نے جو کچھ لکھا ہے اسکا مطالعہ کرے اسکو صاف معلوم ہو جائیگا کہ بیشک علمائے اہل سنت کا اسپر اجماع ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی رح اتقان کی اٹھارویں نوع میں لکھتے ہیں الذی نذھب الیہ ان جمیع القران الذی انزلہ اللہ وامر باثبات رسمہ ولم ینسخہ ولا رفع تلاوتہ بعد نزولہ ھو ھذا الذی حواہ مصحف عثمان رضی اللہ عنہ وانہ لم ینقص منہ شئ ولا زید فیہ وان ترتیبہ ونظمہ ثابت علی ما نظمہ اللہ تعالی ورتبہ علیہ رسولہ من ای السور لم یقدم من ذلک موخر ولا اخر منہ مقدم ترجمہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ پورا قرآن جو اللہ نے نازل فرمایا اور جسکے قائم رکھنے کا حکم دیا اور اُسکو منسوخ نہیں کیا نہ اسکی تلاوت کو موقوف کیا وہ یہی ہے جو مصحف عثمان رضی میں ہے نہ اسمیں کچھ کم کیا گیا نہ بڑھایا گیا اور اسکی ترتیب بھی اسی حالت پر ہے جو اللہ تعالی نے قائم کی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سورتوں کی آیتوں کو مرتب کیا نہ کوئی مقدم موخر کیا گیا اور نہ کوئی مؤخر مقدم کیا گیا ۵۲ دلائل عقلیہ تحریف قرآن کے محال ہونے پر اگر کسی کو مطلوب ہوں تو وہ سید البشر امام الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اہتمام کو دیکھے جو آپنے اور آپکے اصحاب کرام رض نے حفاظت قرآن کیلئے کیا اس اہتمام کو دیکھکر ہر شخص کہدیگا کہ اس اہتمام کا ناکام رہنا ممکن نہیں پھر اسکے ساتھ جب تاریخی مشاہدات ملائے جائیں تو دلیل اور زیادہ قوی ہو جاتی ہے۔ دلائل عقلی کی تقریر مناظرہ حصہ دوم میں بہت مفصل ہے جسکا جی چاہے دیکھے۔

۵۳ چنانچہ شیعوں کے قبلہ محترم مولوی حامد حسین صاحب استقصاء الافحام مجلد اول صہ ۹ میں فرماتے ہیں "مصون بودن قرآن از تحریف" ... اہلسنت آن را قرآن کامل اعتقاد کنند و معتقد نقصان آنرا ناقص الایمان بلکہ خارج از اسلام میدارند۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ تفسیر اتقان کی سینتالیسویں نوع میں جو نسخ ہی کے مباحث کے لیے ہے فرماتے ہیں۔

تنبیہ حکی القاضی ابوبکر فی الانتصار عن قوم انکار هذا الضرب لان الاخبار فیہ اخبار احاد و لا یجوز القطع علی انزال قران و نسخہ باخبار احاد لا حجۃ فیھا	آگاہ رہو۔ قاضی ابوبکر نے اپنی کتاب انتصار میں ایک بڑی جماعت سے نسخ کی اس قسم کا انکار نقل کیا ہے کیونکہ جو روایتیں اس بارے میں ہیں وہ سب اخبار احاد ہیں اور نہیں جائز ہے یقین کرنا کسی قرآن کے منزل ہونے اور اس کے منسوخ ہو جانے کا اخبار احاد کی بنا پر جنکا شمار دلائل شرعیہ میں نہیں ہے۔

شبہ رہا یہ شبہ کہ ان روایات میں بعض وہ ہیں جن کو محدثین نے صحیح کہا حالانکہ ایسی روایات کو کتاب میں درج ہی نہ کرنا چاہیے چہ جائیکہ صحیح کہنا۔

جواب اس کا جواب یہ ہے کہ جب محدثین و فقہاء و متکلمین سب نے بالاتفاق اصول کی کتابوں میں یہ بات طے کر دی کہ اخبار احاد ظنی ہیں بنیادِ اعتقاد نہیں بن سکتیں صرف اعمال میں ان سے کام لینا چاہیئے وہ بھی بہ شرائط۔

نیز محدثین نے اپنی یہ عادت بھی ظاہر کر دی کہ جو روایت انکو ملتی ہے اسکو درج کر دیتے ہیں اور اگر وہ اُن کے مقرر کردہ ضوابط اسناد کے مطابق ہوتی ہے تو اسپر بلحاظ اسناد صحت کا حکم بھی لگا دیتے ہیں تو اب کسی شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

حدیث کی مستند کتابوں میں ایسی روایتیں بھی درج ہیں کہ خود اُن کتابوں کے مصنفوں کا عقیدہ تو کجا عمل بھی اُن روایات کے خلاف ہے۔ امام مالکؒ نے جو تمام محدثین کے سرتاج ہیں اپنی کتاب مُوطا میں بعض روایتیں ایسی بھی درج فرمائی ہیں کہ خود انکا عمل اُن روایات کے خلاف ہے امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب جامع ترمذی کے آخر میں کتاب العلل میں لکھا ہے کہ میں نے دو حدیثیں اس کتاب میں ایسی لکھی ہیں جن پر تمام امت میں سے کسی نے عمل نہیں کیا اور ایسی روایتیں تو ترمذی میں بیسیوں ہیں کہ امام ترمذی اُن پر بڑے زور سے صحت کا حکم لگا رہے ہیں مگر عمل انکا اُن روایتوں کے خلاف ہی ہے مثلاً نماز میں سورۂ فاتحہ کے وجوب کے امام اور منفرد کے ساتھ مخصوص ہونے کی روایت۔

عجیب تر لطف یہ ہی کہ علمائے شیعہ کو بھی اپنی روایات کے متعلق ان سب باتوں کا مع شے زائد اقرار کرنا پڑا ہے طوعاً وکرہاً۔

وجہ سوم۔ ترمذی کی روایت پیش کردہ سائل کے متعلق ایک بات سب سے زیادہ یہ ہی کہ حضرت ابن مسعودؓ کا لفظ ماخلق کے پڑھنے سے انکار کرنا اور والذکر والانثی پر اصرار کرنا ان متواتر روایات کے خلاف ہی جو خود ابن مسعودؓ سے منقول ہیں۔ قرّائے سبعہ میں سے حضرت عاصمؒ حضرت حمزہؒ حضرت کسائیؒ باسانید متواترہ اسی قرآن مجید کو جو اس وقت موجود ہے اور ہر زمانے اور ہر مقام میں مسلمانوں کے پاس رہا حرف بحرف شروع سے آخر تک جس طرح حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت

سلہ قبلہ شیعہ مولوی دلدار علی صاحب حسام میں فرماتے ہیں ز ہیچ یک محدثین عامہ و خاصہ التزام این نمودہ کہ در ہر کتاب حدیث باشد آنچہ روایت کنند برطبق مدلول ظاہری آن معتقد و عامل باہم باشند" نیز اسی کتاب حسام میں ہے "بالجملہ دانستی کہ بنائے اعتقادات امامیہ بر اخبار آحاد نیست لیس ابن بابویہ در کتاب اعتقادات خود روس اعتقادات حقہ امامیہ را کہ بنا بر آیات و احادیث متواترہ و اجماع اہل بیت و ادلہ عقلیہ بہ ثبوت پیوستہ مذکور ساختہ و در کتب احادیث موافق داب محدثین اخبار آحاد را ہر قسم کہ ماثور گشتہ مندرج فرمودہ و لازم نیست کہ محدثین آنچہ روایت کنند مطابق آن اعتقاد ہم داشتہ باشند" نیز اسی کتاب حسام میں ہے "بدانکہ ورود احادیث مختلفۃ الظواہر مخصوص بہ ہیچ یک از فرق اہل اسلام کہ ارباب کتب احادیث و اخبار باشند نیست و نظر بہمین علمائے اہل اسلام طریق جمع بین الاحادیث المختلفہ و وجوہ ترجیح احد الخبرین المتعارضین را در حدیث و دوم در کتب اصول وغیرہ مدون و بیان ساختہ اند لیس اگر بہ مجرد ایراد روایات مختلفہ ابن بابویہ محل طعن و تشنیع باشد کافہ محدثین اہل اسلام باید محل طعن و تشنیع باشند" شیعوں کے امام المناظرین مولوی حامد حسین صاحب استقصاء الافحام جلد اول صفحہ میں فرماتے ہیں۔ "بودن ہر حدیث صحیح واجب العمل مخالف تصریحات علمائے اعلام ست" نیز اسی صفحہ میں ہے "ہر حدیث صحیح جائز العمل ہم نیست چہ جائے آنکہ واجب العمل باشد" نیز اسی صفحہ میں ہے "ضرور نیست کہ ہر روایت ثقۃ الاسلام و شیخ صدوق رضوان اللہ علیہما و مانند ایشان واجب القبول باشد" نیز اسی کتاب کے صفحہ میں ہے "از مطالعہ کتب معتبرات سنیہ مثل تقریب نودی برزعم مخاطب واضح میشود کہ ہر حدیث جائز العمل ہم نیست فضلاً عن ان یکون واجب العمل" نیز اسی کتاب کی جلد دوم صفحہ ۵۹۳ میں ہی "از مجرد روایت امرے اعتقاد بآن لازم نیست آیا نمے بینی کہ حضرات اہل سنت بسیارے از نصوص خلافت جناب امیر علیہ السلام روایت میکنند حالانکہ اگر اعتقاد این امر را بایشان نسبت کنند کذب و بہتان محض ست"

کیا ہے اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے بھی روایت کیا ہے اور کوئی اختلاف انکا یا کسی کا
کسی حرف کے متعلق نقل نہیں کیا معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعودؓ کے اس مصحف سے اختلاف کرنے کی
روایتیں محض بے بنیاد اور کسی دشمن قرآن کی خانہ زاد ہیں۔ ع

کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

طرفہ تماشا یہ ہے کہ وہی علقمہؓ جن سے ماخلق کے انکار کی روایت ترمذی میں مذکور ہے مذکورہ بالا
تینوں قاریوں کی اسانید متواترہ میں ہیں علقمہ عدم اختلاف کی روایت بھی کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے محققین نے
لکھدیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کے اس مصحف سے اختلاف کرنے کی جتنی روایات ہیں اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت
ابن مسعودؓ نے اپنا کوئی مصحف اس مصحف موجود کے خلاف مرتب کیا تھا یا انکی قرات ہماری قرات سے مختلف تھی
یہ سب امور بالکل غلط ہیں۔ علامہ ابن حزم اپنی کتاب الفصل فی الملل والنحل جلد دوم ص ۷۷ میں لکھتے ہیں۔

واما قولهم ان مصحف عبد الله بن مسعود خلاف مصحفنا فباطل وكذب وافك مصحف عبد الله بن مسعود انما فيه قراءته بلا شك وقراءته هي قراءة عاصم المشهورة عند جميع اهل الاسلام في شرق الدنيا وغربها نقرأ بها كما ذكرنا

اور لیکن لوگوں کا یہ کہنا کہ عبد اللہ بن مسعودؓ کا مصحف ہمارے مصحف کے خلاف تھا یہ بات خلاف حق اور جھوٹ اور بہتان ہے۔
عبد اللہ بن مسعودؓ کا مصحف بلاشک وہی تھا جس میں انکی قرات تھی۔ اور انکی قرات وہی عاصم کی قرات ہے جو تمام اہل اسلام کے یہاں مشہور ہے دنیا کی مشرق میں بھی اور مغرب میں بھی اور ہم لوگ اسکو پڑھتے ہیں جیسا کہ ہم ذکر کر چکے۔

اسی طرح امام رازی امام نووی علامہ بحر العلوم نے بھی حضرت ابن مسعود کی طرف ان اختلافات کے
منسوب کرنے کو افترا و بہتان و کذب قرار دیا ہے۔

شبہ: رہا یہ شبہ کہ پھر ترمذی نے اس روایت کو صحیح کیوں کہا اسکا جواب یہ ہے کہ محدثین کا کسی روایت
کو صحیح وضعیف وغیرہ کہنا بلحاظ اسناد کے ہوتا ہے اور اس روایت میں جو غلطی میں نے بیان کی جو
بالکل صاف اور بدیہی ہے وہ اسناد کے لحاظ سے نہیں بلکہ معنی کے لحاظ سے ہے اور اس قسم کی غلطی
کو اصطلاح محدثین میں علت معنویہ کہتے ہیں اور جس روایت میں اس قسم کی غلطی ہو اسکو معلول

کہتے ہیں چنانچہ امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب کی جن دو حدیثوں کو کتاب العلل میں فرمایا ہی کہ تمام اُمت میں کسی نے اُن پر عمل نہیں کیا اُنکو بھی معلول قرار دیا ہی اور بلحاظ اسناد اُنکی صحت کو مسلم رکھا ہی۔
وجہ چہارم۔ آیت رجم والی روایت کے متعلق یہ تو بیان ہو چکا کہ اُس سے تحریف کا مضمون نہ کوئی سمجھتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے بلکہ شیعہ بھی اُس سے نسخ تلاوت ہی کا مفہوم سمجھتے ہیں اور یہ بھی بیان ہو چکا کہ ایک جماعت علماے اہل سنت کی نسخ تلاوت کی منکر ہے اور اس روایت کو اور اس کے مثل دوسری روایات کو غیر مقبول قرار دیتی ہے۔ ان دونوں باتوں کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ بعض علما جو نسخ تلاوت کے منکر ہیں اور اس روایت کو بھی ناقابل قبول نہیں کہتے وہ اس روایت کی تاویل کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصود یہ نہ تھا کہ لوگ حکم رجم کو آیت منسوخ التلاوۃ سمجھ لیں اُنکو خوب معلوم ہوگا کہ قرآن شریف میں رجم کا حکم کبھی نازل ہی نہیں ہوا بلکہ اُن کا مقصود صرف یہ تھا کہ رجم کے حکم سے مسلمان واقف رہیں اور ایسا نہو کہ قرآن شریف میں زنا کی ایک قسم خاص کی سزا دُرّہ مارنا دیکھ کر لوگ یہ خیال کرلیں کہ زنا کے ہر قسم کی سزا دُرّہ مارنا ہے۔
اس قسم کے خیالات حفاظت و اشاعت احکام اسلامی کے اور مسلمانوں کی آیندہ نسلوں کی دینی و دُنیاوی فلاح و بہبود کے اکثر ان کو رہتے تھے اور اس مقصد کے لیے ہر ممکن تدبیر کو وہ کام میں لاتے تھے۔ اسلام کے بعد اُنکی مقدس زندگی کا ہر ورق اور ہر ورق کے دونوں رُخ انھیں زرّیں کوششوں سے منقش ہیں اور انھیں کی مساعی مشکورہ کا نتیجہ ہے کہ آج اسلام کے عقائد و اعمال اپنی اُسی آب و تاب سے صفحہ ہستی پر چمک رہے ہیں اور اتنے قرنہاے بے شمار گذرنے پر بھی مسلمانوں کی موجودہ نسلوں کے لئے دین پاک کی تعلیمات کے خزانہ اسی طرح محفوظ ہیں۔ چنانچہ اسی مضمون کے سلسلہ میں جو روایتیں ہیں اُنمیں حکم رجم کے ساتھ دجال کے نکلنے اور کچھ لوگوں کے بعد عذاب جنت میں داخل ہونیکا بھی تذکرہ ہے کہ یہ چیزیں بھی قرآن شریف میں تمکو نہ ملینگی کہیں ایسا نہو کہ تم ان چیزوں کا انکار کرجاؤ۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ ان چیزوں کو بھی قرآن شریف کی آیات منسوخ التلاوۃ میں مانتے تھے۔
باقی رہے روایت کے الفاظ تو اولاً روایت بالمعنی کے عام ہونے کے سبب سے یہ کسی طرح نہیں کہا جا سکتا کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ کیا تھے مختلف راویوں نے مختلف الفاظ اکی طرف

منسوب کیے ہیں۔ ثانیاً وہ الفاظ قابل تاویل ہیں مثلاً یہ کہ ما انزل اللہ میں آیت رجم بھی تھی۔ ما انزل اللہ سے خاص قرآن کیوں مراد لیا جائے جو احکام کہ احادیث میں ہیں وہ بھی ما انزل اللہ میں ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی ہر بات ما انزل اللہ ہے قولہ تعالیٰ ما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحیٰ اور مثلاً یہ کہ رجم کتاب اللہ میں تھا ہو سکتا ہے کہ کتاب اللہ سے مراد قرآن نہ ہو بلکہ عام حکم خداوندی مراد ہو لفظ کتاب اللہ خود قرآن شریف میں اسی معنی میں مستعمل ہے قولہ تعالیٰ لولا کتاب من اللہ سبق۔

کہا جائے اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگر حکم رجم کو آیت قرآنی نہ جانتے تھے تو مصحف میں اس کے لکھنے کا ارادہ کیوں ظاہر کیا بلکہ یہ ارادہ تو پتہ دیتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ آیت منسوخ التلاوۃ بھی نہ تھی۔ تو جواب اسکا یہ ہے کہ اولاً حضرت عمرؓ نے لکھنے کا ارادہ ظاہر فرمانے کے ساتھ اس ارادہ پر عمل نہ کرنے کی وجہ یہ ظاہر فرمائی لولا انی اکرہ ان ازید فی کتاب اللہ لکتبتہ فی المصحف یہ وجہ صاف بتلا رہی ہے کہ حضرت عمرؓ قرآن شریف میں اسکے لکھنے کو زیادت فی کتاب اللہ اور ایک مکروہ فعل جانتے تھے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ حکم رجم کی عبارت آیت قرآنی نہ ہو۔ ثانیاً اس موقع پر حضرت عمرؓ کے الفاظ مختلف نقل کیئے گئے ہیں۔ بخاری و ترمذی وغیرہ میں فی المصحف ہے اور مصنف امام احمد میں فی ناحیۃ من المصحف ہے اور فتح الباری کی روایت میں فی اٰخر القراٰن ہے اور امام سفرائینی کے رسالہ ناسخ و منسوخ میں علیٰ حاشیۃ المصحف ہے پس اب بقاعدہ الحدیث یفسر بعضہ بعضاً ماننا پڑے گا کہ حضرت عمرؓ نے قرآن شریف میں عبارت قرآنی کے ساتھ اسکے لکھنے کا ارادہ نہیں ظاہر کیا تھا بلکہ آخر قرآن میں یعنی قل اعوذ برب الناس کے بعد اور وہ بھی حاشیہ پر کسی گوشہ میں اور پھر اسکو مکروہ فعل اور زیادت فی القرآن سمجھا اور اپنے ارادہ پر عمل نہ کیا۔

سوال اوّل کا جواب

بعونہ تعالیٰ ختم ہو گیا۔ اور اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ اہل سنت کی کسی مستند کتاب میں کوئی ذکر تحریف قرآن شریف کا نہیں ہے اور سائل کی پیش کردہ دونوں روایتیں اس ذکر سے پاک ہیں۔

سوال دوم

اگر حضرات شیعہ یہی جواب اپنی کتابوں کی روایات متعلقہ تحریف کا دیں تو اُس کے قبول کرنے میں آپکو کیا عذر ہی۔

جواب سوال دوم

حضرات شیعہ اپنی کتابوں کی روایات کے متعلق یہ جواب نہیں دے سکتے بچند وجوہ۔

وجہ اوّل یہ کہ کتب شیعہ کی روایات میں یہ مضمون کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چند منافقوں نے اپنی اغراض فاسدہ کے مطابق قرآن کو جمع و مرتب کیا اور اسمیں بہت کچھ گھٹایا بہت کچھ بڑھایا بہت سے الفاظ بدل دیے بہت سے حروف بدل دیے وغیرہ وغیرہ اس صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ کوئی تاویل اسکی نہیں ہوسکتی۔ لہذا وہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ روایات نسخ تلاوت یا اختلاف قرأت کی ہیں۔ اختلاف قرأت کو تو وہ مانتے بھی نہیں، کہتے ہیں۔ ائمہ معصومین نے فرما دیا ہے کہ قرآن مختلف قرأتوں پر نازل ہی نہیں ہوا۔[1]

ف۔ کتب شیعہ میں جو روایات تحریف قرآن کی ہیں اُن میں حسب ذیل مضامین ہیں۔

(۱) قرآن شریف کی آیتیں اور سورتیں جا بجا سے منافقوں نے نکال ڈالیں جنکے نکل جانے سے موجودہ عبارت قرآنی بے ربط ہو گئی۔

(۲) قرآن میں جا بجا منافقوں نے اپنا کلام بڑھا دیا جو فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے اور

---

[1] اصول کافی کتاب فضل القرآن باب النوادر میں ہے:

عن ابی جعفر قال ان القرآن واحد نزل من عند واحد	امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا قرآن ایک ہے اور ایک کے پاس سے اُترا ہے۔

اور دوسری روایت اسکے بعد ہے۔

قلت لابی عبد اللہ ان الناس یقولون ان القرآن نزل علی سبعۃ احرف فقال کذبوا اعداء اللہ ولکنہ نزل علی حرف واحد من عند الواحد	میں نے امام جعفر صادق رضہ سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں قرآن سات قرأت پر نازل ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ دشمنان خدا جھوٹ بولتے ہیں قرآن ایک قرأت پر نازل ہوا اور ایک کے پاس سے نازل ہوا۔

اسمیں دین اسلام کے خلاف باتیں ہیں ان سے کفر کے ستون قائم ہوتے ہیں۔ اور ان میں نبیوں کی بالخصوص اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت توہین ہے۔

(۳) منافقوں نے جا بجا قرآن شریف کے الفاظ و حروف کو بدل دیا جس سے مقصود کلام کچھ سے کچھ ہوگیا اور حق مخفی ہوگیا۔

(۴) منافقوں نے قرآن شریف کی ترتیب بھی الٹ پلٹ کردی نہ صرف سورتوں کی ترتیب بلکہ سورتوں کے اندر جو آیتیں ہیں انکی بھی اور آیتوں کے اندر جو الفاظ ہیں اُنکی بھی۔

(۵) سب سے زیادہ مزے کی بات یہ ہے کہ ائمہ معصومینؑ نے یہ تو بیان کردیا کہ قرآن شریف میں یہ سب قسم کی تحریفیں کیگئیں لیکن مقامات تحریف کو معین نہ کیا اور فرمایا کہ اس سے تقیہ ہم کو روکتا ہے۔

نمونے کے طور پر ان تمام مضامین کی روایتوں کے چند اقتباسات تحریر ہذا کے ضمیمہ میں درج کیے جائیں گے۔

وجہ دوم۔ یہ کہ روایات شیعہ کے متعلق اُن کے اکابر علما کا یہ اقرار[۵۱] موجود ہے کہ یہ روایتیں تحریف قرآن پر صراحتہً دلالت کرتی ہیں جسمیں کچھ شک نہیں ہوسکتا۔ لہذا وہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ روایتیں تحریف کی نہیں ہیں بلکہ نسخ تلاوت یا اختلاف قرأت کی ہیں۔

وجہ سوم یہ کہ روایات شیعہ کے متعلق اُن کے اکابر علما کا یہ اقرار[۵۲] موجود ہے کہ ہماری مستند کتب میں تحریف قرآن کی روایتیں دو ہزار سے زیادہ ہیں۔ یہ روایات کثیر ہیں مستفیض ہیں متواتر ہیں مسئلہ امامت کی روایات سے کم نہیں ہیں۔ لہذا وہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ روایتیں اخبار آحاد ہیں بنیاد اعتقاد نہیں بن سکتیں۔

وجہ چہارم۔ یہ کہ شیعہ تحریف قرآن کا اعتقاد رکھتے ہیں اور یہ اعتقاد ان کے یہاں ایسا ضروری ہے جیسے مسئلہ امامت کا اعتقاد بلکہ اُس سے بھی زیادہ اسلیے کہ مسئلہ امامت میں تو ان کے یہاں اختلافات بہت ہیں حتی کہ صحابہ ائمہ کی ایک جماعت ائمہ کے معصوم ہونے ہی کا انکار کرتی ہے۔ پھر کوئی پانچ اماموں کی امامت کو مانتا ہے کوئی بارہ کی کوئی کم کی کوئی زیادہ کی ائمہ کی تعیین میں اختلاف ہے

---

۵۱ اس اقرار کی عبارتیں بھی کتب شیعہ سے ضمیمہ میں منقول ہونگی

۵۲ اس اقرار کی عبارات بھی ضمیمہ میں دیکھئے۔

بہت سے فرقے اُن میں ہیں اور ہر ایک اپنا راگ الگ الگ گاتا ہے اور ہر ایک کی تائید میں روایات بھی موجود ہیں بخلاف اعتقادِ تحریفِ قرآن کے کہ اس میں اُن کے تمام مختلف فرقے متفق ہیں اور اس کے خلاف کوئی روایت بھی اُن کی کسی کتاب میں نہیں ہے۔ کتبِ شیعہ میں گنتی کے چار اشخاص اعتقادِ تحریف کے منکر بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) شیخ صدوق۔
(۲) شریف مرتضیٰ۔
(۳) شیخ ابو جعفر طوسی۔
(۴) علامہ ابو علی طبرسی مصنّف تفسیر "مجمع البیان"۔

اور علمائے شیعہ کی یہ تصریح بھی موجود ہے کہ ہمارے متقدمین میں ان چار کے سوا کوئی پانچواں شخص تحریفِ قرآن کا منکر نہیں ہے اور عجیب لطف کی بات یہ ہے کہ ان چار اشخاص کا انکار بھی ازراہِ تقیہ ہے اور محض اس لیے ہے کہ مسلمانوں کی فہرست سے شیعوں کا نام خارج نہ ہو جائے۔ اپنی کتاب "تنبیہ الحائرین" میں اس کو میں نے بہت مفصل و مدلّل بیان کیا ہے۔

لہٰذا شیعہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ روایاتِ تحریف ہمارے اجماع یا ہماری معتبر روایات یا ہمارے اعتقادات کے خلاف ہیں لہٰذا قابلِ قبول نہیں ہیں۔

ف یہ بات بہت عبرت کی نظر سے دیکھنے کے لائق ہے کہ مذہبِ شیعہ میں اختلافِ روایت اس حد کو پہنچا ہوا ہے اُن کے علماء نہیں بلکہ اُن کے ائمہ معصومین کے باہمی اختلافات ہر ہر اصولی و فروعی مسئلے میں اس نہایت تک ہیں کہ ان کی کتابوں کی سیر کرنے والا بے تکلف سمجھ لیتا ہے کہ چند چالاک اور چلتے پرزوں نے باہم سازش کر کے کسی خاص مقصد کو نصب العین بنا کر ان گوشہ نشین فقراء کے نام سے روایتیں گڑھنا شروع کیں ہر ایک نے ہر موقع کے مناسب روایتیں گڑھیں اور ایک کو دوسرے کی گڑھنت کی خبر نہ ہوئی جب وہ روایتیں سب ایک جگہ جمع ہوئیں تو یہ تماشا نظر آیا۔ پھر چند تیز طبیعت حضرات نے اپنی طبّاعی سے اُس گتھی کو سلجھانے کے لیے کچھ اصول ایجاد فرمائے جن میں سب سے زیادہ کارآمد چیز تقیہ ہے۔ یہ سب کچھ ہوا مگر فطرتِ انسانی کو سارے عالم معدوم کر دینا کسی کے اختیار کی بات نہیں ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام عالم اسلامی میں اس فرقہ کے لوگ

اکذب الناس مشہور ہوے اور اس انکے مذہب کی طرف سے مسلمانون مین ایک عام نفرت پیدا ہوئی بالآخر اکابر علماے شیعہ کی زبان سے یہ درد انگیز فریاد نکل ہی گئی کہ ہمارے[1] یہان اختلاف روایت اسقدر ہے کہ کوئی مسئلہ شروع سے آخر تک ایسا نہین جسمین ائمہ معصومین کے مختلف اقوال اور مختلف فتوے نہون اور یہ پتہ چلانا کہ ان مختلف فتوون مین سے ائمہ کا اصلی مذہب کیا تھا اور اس اختلاف کا سبب کیا تھا طاقت انسانی سے بالاتر بات ہے۔ بیچارون کے قلم سے یہ بھی نکلگیا کہ اس اختلاف سے واقف ہوکر بہت لوگ مذہب شیعہ

---

[1] مولوی دلدار علی صاحب کتاب اساس الاصول صفحہ ۱ مین فرماتے ہین الاحادیث المأثورة عن الائمة مختلفة جدا لایکاد یوجد حدیث الا وفی مقابلته ما ینافیه ولا یتفق خبر الا وبازائه ما یضاده حتی صار ذلك سببا لرجوع بعض الناقصین عن اعتقاد الحق کما صرح به شیخ الطائفة فی اوائل التهذیب والاستبصار ومناشی هذه الاختلافات کثیرة جدا من التقیة والوضع واشتباه السامع والنسخ والتخصیص والتقیید وغیر هذه المذکورات من الامور الکثیرة کما وقع التصریح علی اکثرها فی الاخبار المأثورة عنهم وامتیاز المناشی بعضها عن بعض فی باب کل حدیثین مختلفین بحیث یحصل العلم والیقین بتعین المنشأ عسیر جدا وفوق الطاقة کما لا یخفی

ترجمہ۔ جو حدیثیں ائمہ سے منقول ہین وہ بہت مختلف ہین کوئی حدیث ایسی نہین جسکے مقابلہ مین اس کے خلاف دوسری حدیث نہو۔ کوئی خبر ایسی نہین جسکے مقابلہ مین دوسری خبر اسکی ضد موجود نہو۔ یہان تک کہ یہ اختلاف بعض ناقص لوگون کے مذہب شیعہ سے پھر جانیکا سبب ہوگیا جیسا کہ شیخ الطائفہ نے تہذیب و استبصار کے شروع مین تصریح کی ہے۔ اور ان اختلافات کے اسباب بہت ہین۔ مثلاً تقیہ اور جعلی حدیثون کا بنایا جانا اور سننے والون کو اشتباہ کا ہوجانا اور نسخ اور تخصیص اور تقیید وغیرہ وغیرہ بہت سی چیزین ہین جنکی تصریح ان احادیث مین جو ائمہ سے منقول ہین موجود ہے اور ان اسباب اختلاف مین یہ امتیاز کرنا کہ فلان اختلاف کا سبب فلان ہے اور فلان کا فلان بہت مشکل بلکہ طاقت انسانی سے باہر ہے جیسا پوشیدہ نہین

سے پہر گئے۔
یہ آن کو بھی انکو کہنا پڑی کہ اگر ہمارے ان اختلافات کو تم دیکھو تو ابوحنیفہؒ اور مالکؒ و شافعیؒ کے اختلافات سے کہیں زیادہ پاؤ گے۔[۱]

مگر با این ہمہ مسئلہ تحریف اور صرف مسئلہ تحریف ہی ایک ایسا مسئلہ ہے کہ مذہب شیعہ میں اختلاف روایت سے محفوظ ہے یعنی قرآن میں تحریف نہونے کی ایک روایت بھی ائمہ معصومین سے کتب شیعہ میں منقول نہیں۔

کوئی شیعہ اپنی کسی کتاب میں کوئی روایت اس مضمون کی نہیں دکھا سکتا کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی یا نہیں ہو سکتی۔ غرضکہ تحریف قرآن کے عقیدہ کو شیعوں کی تمام مختلف فرقوں نے کچھا ہو کر اسقدر مضبوط کیا ہے کہ کوئی شخص شیعہ ہو کر تحریف قرآن کے عقیدہ سے انکار نہیں کر سکتا۔

یہ بھی واضح رہے کہ یہ مسئلہ کہ شیعوں کا ایمان قرآن پر نہیں ہو سکتا اسکی بنیاد صرف عقیدہ تحریف پر نہیں ہے بلکہ اسکی بڑی زبردست وجوہ اور بھی ہیں جسکا جی چاہے تنبیہ الحائرین کا مطالعہ کرے

---

[۱] مولوی دلدار علی صاحب اساس الاصول صفحہ ۹۱ میں لکھتے ہیں وقد ذکرت ما ورد منهم من الاحادیث المختلفة التی یختص الفقه فی الکتاب المعروف بالاستبصار وفی کتاب تهذیب الاحکام ما یزید علی خمسة آلاف حدیث وذکرت فی اکثرها اختلاف الطائفة فی العمل بها وذلك اشهر من ان یخفی حتی انك لو تاملت اختلافهم فی هذه الاحکام وجدته یزید علی اختلاف ابی حنیفه والشافعی ومالك
ترجمہ۔ ائمہ معصومین علیہم السلام جو احادیث مختلفہ بالخصوص فقہ کے متعلق وارد ہوئی ہیں کتاب استبصار اور تہذیب الاحکام میں درج کی گئی ہیں جو پانچ ہزار حدیث سے زیادہ ہیں۔ اور اکثر احادیث میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ علمائے شیعہ کا ان پر عمل کرنے میں بھی اختلاف رہا۔ یہ بات بقدر مشہور ہے کہ چھپ نہیں سکتی۔ یہانتک کہ اگر تو ان کے اختلاف کو ان احکام میں دیکھے تو ابوحنیفہ اور شافعی اور مالکؒ کے اختلاف سے اسکو زیادہ پائیگا۔

ضمیمہ

مخفی نہ رہے کہ بانیان مذہبِ شیعہ نے بڑی بڑی کوششیں قرآن مجید کے مشکوک بنانے کی کی ہیں۔ کتبِ شیعہ کے دیکھنے والے جانتے ہیں کہ ایسی متفقہ کوشش انہوں نے کسی اور مقصد کے لئے نہیں کی بلکہ اس کوشش کو دیکھ کر ہر شخص اس بات کا یقین کر سکتا ہے کہ بلاشک مذہبِ شیعہ کی بنیاد قرآن مجید کی عداوت پر ہے۔

کلمہ گویانِ اسلام میں کوئی نیا یا پرانا فرقہ ایسا نہیں جس نے قرآن مجید پر حملہ کیا ہو بلکہ سب نے قرآن مجید کی حمایت کو اپنا فرضِ اولین سمجھا سوا فرقہ شیعہ کے۔

قرآن مجید کے مشکوک و مجروح بنانے کی جو کوششیں شیعوں نے کیں ان میں سے ایک کوشش یہ ہے کہ انھوں نے تحریفِ قرآن کا قصہ تصنیف کیا اور اس قصہ کی ہزاروں روایتیں گڑھ کر اُن ائمہ کی طرف منسوب کر دیں جن کو مثلِ رسول معصوم اور مفترض الطاعۃ کہتے ہیں۔

ان روایات میں قرآن مجید کی تحریف کی تمام اقسام بیان کی گئی ہیں۔ نمونہ کے طور پر ان ہزاروں روایتوں میں سے بطورِ نمونہ کے چند روایتیں ہر قسم کی بیان کی جاتی ہیں۔

قرآن شریف کے کم کیئے جانے کی روایات

(۱) "اصولِ کافی" میں جو مذہبِ شیعہ کی سب سے بڑی معتبر کتاب ہے، ایک مستقل باب ہے جس کا عنوان یہ ہے باب فیه نکت و نتف من التنزیل فی الولایة یعنی یہ باب اس بیان میں ہے کہ امامت کے متعلق قرآن مجید میں قطع و برید کی گئی ہے۔ اس باب میں بکثرت روایات اس مضمون کی ہیں۔ از انجملہ ایک روایت یہ ہے:

عن ابی بصیر عن ابی عبداللہ علیه السلام فی قول اللہ عزوجل وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فی ولایة علی فقد فاز فوزاً عظیماً ھٰکذا نزلت	ابوبصیر امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل کا قول وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فی ولایۃ علیٍّ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِیماً۔ اسیطرح نازل ہوا تھا

اب قرآن مجید میں فی ولایۃ علی کا لفظ آیت میں نہیں ہے بغیر اس لفظ کے آیت کا یہ مطلب تھا کہ جو شخص اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرے گا وہ کامیاب ہوگا مگر اس لفظ کے ساتھ آیت کا یہ مطلب ہوا کہ کامیابی کا وعدہ صرف اُن احکام کی اطاعت پر ہے جو امامت علیؑ سے تعلق رکھتے ہیں

(۲) اسی کتاب کے باب مذکور میں عبداللہ بن سنان سے روایت ہی۔

عن ابی عبداللہ علیہ السلام فی قولہ ولقد عھدنا الی اٰدم من قبل کلمات فی محمد وعلی فاطمۃ والحسن والحسین والائمۃ من ذریتھم فنسی ھکذا واللہ انزلت علی محمد صلی اللہ علیہ والہ

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہی کہ اللہ تعالی کا قول ولقد عہدنا الی آدم من قبل کلمات فی محمد وعلی وفاطمۃ والحسن والحسین والائمۃ من ذریتھم فنسی۔ اللہ کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر اسی طرح نازل ہوا تھا۔

اب قرآن شریف میں کلمات فی محمد وعلی وفاطمۃ والحسن والحسین والائمۃ من ذریتھم نہیں ہیں بغیر ان الفاظ کے آیت کا یہ مطلب تھا کہ ہمنے آدم کو پہلے حکم دیا تھا مگر وہ بھول گئے اور وہ حکم دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک درخت کے کھانے کی ممانعت تھی۔ مگر اب ان الفاظ کے ساتھ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آدمؑ کو محمدؐ وعلیؑ و فاطمہؑ وحسنینؑ ودیگر ائمہ کے متعلق کوئی حکم دیا گیا تھا اور وہ حکم کافی کی دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہی کہ حضرت آدمؑ کو ائمہ پر حسد کرنے کی ممانعت کیگئی تھی مگر انھوں نے [۱] حسد کیا اور اسی حسد کی سزا میں جنت سے نکال دیے گئے۔

(۳) اسی کتاب کے باب مذکور میں جابرؓ سے روایت ہی۔

عن ابی جعفر علیہ السلام قال نزل جبرئیل بھذہ الاٰیۃ علی محمد صلی اللہ علیہ والہ بئسما اشتروا بہ انفسھم ان یکفروا بما انزلنا فی علی بغیا۔

امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے وہ کہتے ہیں جبرئیلؑ اس آیت کو محمد صلی اللہ علیہ والہ پر اس طرح لائے تھے بئسما اشتروا بہ انفسھم ان یکفروا بما انزلنا فی علیؑ بغیا۔

اب قرآن مجید میں فی علی کا لفظ نہیں ہے۔ بغیر اس لفظ کے آیت میں خدا کی ہر نازل کی ہوئی چیز کے

---

[۱] حضرت آدم علیہ السلام کہ انھوں نے حسد جیسے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا شیعوں کی ایمانداری کی حقیقت کو خوب ظاہر کر رہا ہے۔ النجم کے مناظرہ حصہ اول میں بحث حسد آدم نہایت مکمل و مفصل لکھی گئی ہی جسمیں مولوی دلدار علی کے وقت سے لے کر مولوی حامد حسین تک تمام علمائے شیعہ کی تاویلات کا بھی جواب دیا گیا ہے۔

انکار کی مذمت تھی لیکن اس لفظ کے ساتھ صرف علیؓ کے متعلق جو آیتیں تھیں انکے انکار کی مذمت ہوئی۔

(۴) اسی کتاب کے باب مذکورین امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ

نزل جبریل بھذہ الآیۃ علی محمد صلی اللہ علیہ والہ ھکذا ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فی علی فاتوا بسورۃ من مثلہ۔ | جبرئیلؑ اس آیت کو محمد صلی اللہ علیہ و آلہ پر اس طرح لائے تھے۔ ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فی علی فاتوا بسورۃ من مثلہ۔

اب قرآن مجید میں فی علی کا لفظ اس آیت میں نہیں ہے اس آیت میں قرآن مجید کے معجزہ ہونیکا بیان ہے کہ اسکے مثل ایک سورۃ بھی کوئی نہیں بنا سکتا مگر فی علی کی لفظ کے ساتھ معلوم ہوا کہ پورا قرآن معجزہ نہیں بلکہ اعجاز صرف ان آیتوں میں ہے جو علیؓ کے متعلق ہیں۔

(۵) اسی کتاب کے باب مذکور میں امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے۔

فی قول اللہ عزوجل کبر علی المشرکین بولایۃ علی ما تدعوھم الیہ یا محمد من ولایۃ علی۔ ھکذا فی الکتاب مخطوطۃ۔ | اللہ عزوجل کا قول کبر علی المشرکین بولایۃ علی ما تدعوھم الیہ یا محمد من ولایۃ علی۔ اسی طرح قرآن میں لکھا ہوا ہے۔

ائمہ کے قرآن میں ہوگا مگر ہمارے قرآن پاک میں تو اب ولایۃ علی وغیرہ الفاظ نہیں ہیں آیت کا مطلب تو یہ تھا کہ مشرکوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت دین ناگوار ہے مگر ان زائد الفاظ کے ملانے سے مطلب یہ ہوگیا کہ حضرت علیؓ کی امامت میں جو لوگ شرک کرتے ہیں اُن کو آپ کی دعوت دین اور وہ بھی فقط امامت علی کے متعلق ناگوار ہے باقی حصہ آپ کی دعوت کا ان کو ناگوار نہیں نہ توحید ناگوار نہ رسالت نہ قیامت نہ اور کچھ۔

(۶) اسی کتاب کے باب مذکور میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ

فی قولہ تعالیٰ سأل سائل بعذاب واقع للکافرین بولایۃ علی لیس لہ دافع ھکذا واللہ نزل بھا جبریل علی محمد صلی اللہ علیہ والہ | اللہ تعالیٰ کا قول سال سائل بعذاب واقع للکافرین بولایۃ علی لیس لہ دافع اللہ کی قسم اس آیت کو اسی طرح جبرئیل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لائے تھے

بولایۃ علی کا لفظ اب قرآن شریف میں نہیں ہے۔ آیت میں یہ بیان تھا کہ کافروں پر جو

عذاب ہونیوالا ہو وہ ٹل نہیں سکتا مگر فی علی کی لفظ ملا دینے سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں حضرت علیؓ کی امامت کے منکروں کا عذاب بیان فرمایا گیا ہے کہ وہ ٹل نہیں سکتا۔

(۷) اسی کتاب کے باب مذکور میں امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ

نزل جبریل بھذہ الآیۃ علی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ ہکذا فبدل الذین ظلموا آل محمد حقہم قولا غیر الذی قیل لہم فانزلنا علی الذین ظلموا آل محمد حقہم رجزا من السماء بما کانوا یفسقون۔	جبریل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر یہ آیت اس طرح لیکر نازل ہوئے تھے فبدل الذین ظلموا آل محمد حقہم قولا غیر الذی قیل لہم فانزلنا علی الذین ظلموا آل محمد حقہم رجزا من السماء بما کانوا یفسقون۔

یہ آیت بنی اسرائیل کے قصہ میں ہے آل محمد حقہم کا لفظ اب قرآن مجید میں نہیں ہے۔ بغیر اس لفظ کے آیت کا مطلب یہ تھا کہ خدا نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ اس بستی میں جاؤ اور وہاں داخل ہو تے وقت حطۃ کہتے ہوئے جانا مگر انہوں نے ازراہ شرارت اس لفظ کو بدل دیا جسکی وجہ سے ان پر عذاب آیا لیکن اب آل محمد حقہم کا لفظ ملانے سے معلوم ہوا کہ آیت میں صحابہ کرامؓ کا بیان ہے کہ انہوں نے آل محمد پر ظلم کیا اور ان پر آسمان سے عذاب آیا۔ کیا براہ عنایت کوئی مجتہد صاحب بتا سکتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آل محمد پر کون سا ظلم کیا تھا اور ان پر آسمان سے کون سا عذاب نازل ہوا تھا۔

(۸) اسی کتاب اصول کافی کے باب النوادر صفحہ ۶۷۱ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے

ان القرآن الذی جاء بہ جبریل علیہ السلام الی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ سبعۃ عشر الف آیۃ	بتحقیق جو قرآن جبریل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کے پاس لائے تھے اسمیں سترہ ہزار آیتیں تھیں۔

اب قرآن شریف میں چھ ہزار کئی سو آیتیں ہیں لہذا معلوم ہوا کہ آدھے سے زیادہ قرآن نذر تحریف ہو گیا۔

بعضے شیعہ بلکہ ان کے بڑے بڑے مجتہد کہہ بیٹھتے ہیں کہ سنیوں نے ہمارے اوپر بیجا الزام لگایا ہے کہ ہم چالیس ۴۰ پارہ قرآن کے قائل ہیں ہماری کسی کتاب سے وہ اسکا ثبوت نہیں دے سکتے لہذا انکو چاہیے کہ اب اپنی اس روایت کو دیکھیں جس سنی نے انکو چالیس ۴۰ پارہ کا قائل کہا اس نے درحقیقت بڑی مہربانی ان کے حال پر کی۔ اسی روایت سے حساب کرکے دیکھو تو اسی پارہ

زیادہ قرار پاتے ہیں۔

(۹) کتاب "احتجاج طبرسی" میں جو کہ مذہب شیعہ کی ایک بڑی معتبر کتاب ہے ایک طویل روایت منقول ہے جو صفحہ ۱۱۹ سے شروع ہو کر صفحہ ۱۳۲ پر ختم ہوئی ہے اس روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک زندیق نے کچھ اعتراضات قرآن شریف پر حضرت علی مرتضیٰ کے سامنے پیش کیے حضرت علی رضی سے اسکے کسی اعتراض کا جواب بن نہ پڑا اور آپ نے قریب قریب ہر اعتراض کے جواب میں یہی فرمایا کہ قرآن میں تحریف ہو گئی ہے۔ اس روایت میں ہر قسم کی تحریف قرآن شریف کی بیان کی گئی۔ کمی کے متعلق جو اجزا ہیں وہ یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

ایک اعتراض اس زندیق کا یہ تھا کہ قرآن مجید کی عبارت جا بجا غیط بے ربط ہے مثلاً فان خفتم الا تقسطوا فی الیتامیٰ فانکحوا ما طاب لکم من النساء یعنی اگر تم کو اندیشہ ہو کہ یتیموں کے حق میں انصاف نہ کر سکو گے تو جن عورتوں سے چاہو نکاح کر لو۔ زندیق نے کہا کہ شرط و جزا میں کوئی ربط نہیں یتیموں کے حق میں انصاف نہ کر سکو تو عورتوں سے نکاح کر لو ایک بے جوڑ بات ہے حضرت علیؓ نے اسکے جواب میں فرمایا کہ فی الیتامیٰ اور فانکحوا کے درمیان سے ایک تہائی قرآن یعنی دس پارہ سے زائد نکل گیا اس وجہ سے یہ عبارت بے ربط ہو گئی اصل الفاظ روایت کے حسب ذیل ہیں

واما ظهورك على تناكر قوله فان خفتم الا تقسطوا فى اليتامى فانكحوا ما طاب لكم من النساء ولا كل النساء ايتاما فهو مما قدمت ذكره من اسقاط المنافقين من القرآن وبين القول فى اليتامى وبين نكاح النساء من الخطاب والقصص اكثر من ثلث القرآن وهذا وما اشبهه مما ظهرت حوادث المنافقين فيه لاهل النظر والتامل ووجد المعطلون واهل الملل المخالفين للاسلام مساغا الى القدح فى القرآن۔	اور تجھکو جو اللہ تعالیٰ کے قول فان خفتم الا تقسطوا فی الیتامیٰ فانکحوا ما طاب لکم من النساء کے بے ربط ہونے پر اطلاع ہوئی اور تو کہتا ہے کہ یتیموں کے حق میں انصاف نہ کرنا عورتوں سے نکاح کرنیکے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتا اور نہ کُل عورتیں یتیم ہوتی ہیں پس اسکی وجہ وہی ہے جو میں پہلے بیان کر چکا کہ منافقوں نے قرآن سے بہت کچھ نکال ڈالا فی الیتامیٰ اور فانکحوا کے درمیان میں بہت سے احکام اور قصے تھے تہائی قرآن سے زیادہ وہ سب نکال ڈالے گئے اسی قسم کی منافقوں کی تحریفات کی وجہ سے جو اہل نظر و تامل کو معلوم ہو جاتی ہیں مخالفین اسلام کو قرآن پر اعتراض کرنے کا موقع ملگیا۔

اس روایت کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ شیعوں کی طرح اُن کے جناب امیر بھی قرآن شریف کے سمجھنے سے عاجز و قاصر تھے آج اہلسنت کے ایک ادنیٰ طالبعلم سے پوچھو تو وہ بھی آیت کا ربط اچھی طرح بتادیگا یتامیٰ سے مراد یتیم لڑکیاں ہیں بعض لوگ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر لیتے تھے اور انکا مہر بھی کم باندھتے تھے اور دوسرے حقوق بھی ادا کرتے تھے کیونکہ ان یتیموں کی طرف سے کوئی لڑنے جھگڑنے والا ہوتا نہ تھا لہذا حکم دیا گیا کہ ایسی صورت میں اُن یتیم لڑکیوں کے علاوہ اور جو عورتیں تم کو پسند ہوں اُنسے نکاح کرلو۔

نیز اسی روایت میں ہی کہ جناب امیر نے اس زندیق سے فرمایا۔

ولو شرحت لك كل ما اسقط وحرف وبدل مما يجري هذا المجرى لطال وظهر ما تحظر التقية اظهاره۔

اور اگر میں تجھ سے تمام وہ آیتیں بیان کردوں جو نکال ڈالی گئیں اور تحریف کیگئیں اور بدلی گئیں تو بہت طول ہوگا اور تقیہ جس چیز سے منع کرتا ہی وہ ظاہر ہوجائیگا۔

عجب لطیفہ ہے جامعین قرآن کو منافق اور قرآن کو محرف کہنے سے تقیہ نے نہ روکا مگر مقامات تحریف کے معین کردینے سے تقیہ نے روک دیا کیونکہ مقامات تحریف کے معلوم و معین ہوجانے سے باقی حصہ قرآن کا کارآمد ہوجاتا تقیہ کو بھلا یہ کب گوارا تھا۔

نیز اسی روایت میں ہے کہ جناب امیر نے اس زندیق سے کہا۔

ولو علم المنافقون لعنهم الله من ترك هذه الآيات التي بينت لك تاويلها لاسقطوها مع ما اسقطوا منه

اگر منافقوں کو خدا انھیں لعنت کرے معلوم ہوجاتا کہ جن آیات کی تاویل میں نے تجھ سے بیان کی انکے بیان کرنے میں کیا خرابی ہی تو ضرور وہ انکو نکال ڈالتے جسطرح اور آیتیں نکال دیں۔

(۱۰) "تفسیر صافی" کے دیباچہ میں "تفسیر عیاشی" سے منقول ہے کہ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا۔

ان القرآن قد طرح منه اي كشيدة ـ بہ تحقیق قرآن سے بہت سی آیتیں نکال ڈالی گئیں۔

نیز اسی کتاب میں امام باقر علیہ السلام سے روایت ہی کہ

ولو قری القرآن كما انزل لالفيتنا فيه مسمين

اگر قرآن اسی طرح پڑھا جائے جیسا کہ وہ نازل کیا گیا تھا تو یقیناً تو قرآن میں ہمارا ذکر نام بنام پائے گا۔

واما ما هو محذوف عنه فهو قوله لكن الله يشهد بما انزل اليك فی علی کذا انزلت (ثم قال) ومثله كثير۔	لیکن جو قرآن سے نکال ڈالا گیا اسکی ایک مثال یہ ہے لکن اللہ یشہد بما انزل الیک فی علی اسی طرح نازل ہوا تھا (پھر چند مثالوں کے بعد لکھا ہے کہ) اسکے مثل بہت ہیں۔

قرآن شریف میں زیادتی کی روایتیں

(۱۲) اسی کتاب احتجاج میں جسکا ذکر اوپر ہوا ایک زندیق کا ایک اعتراض یہ ہے کہ خدا نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت تمام نبیوں پر بیان کی ہے حالانکہ جتنی تعریف کی ہے اس سے کہیں زیادہ آپکی مذمت و توہین ہے۔ زندیق کے اس اعتراض کو بھی شیعوں کے جناب امیر نے تسلیم کر لیا اور حسب ذیل جواب دیا۔

والذی بدا فی الکتب من الازراء علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ من فریة الملحدین	قرآن میں جو مذمت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کی ہے یہ ملحدوں کی افترا کی ہوئی ہے۔

نیز اسی روایت میں ہے کہ جناب امیر نے اس زندیق سے کہا۔

انهم اثبتوا فی الکتب ما لم يقله الله ليلبسوا على الخليقة۔	ان منافقوں نے قرآن میں وہ باتیں درج کر دیں جو اللہ نے نہیں فرمائی تھیں تاکہ مخلوق کو فریب دیں۔

نیز اسی روایت میں ہے کہ جناب امیر نے فرمایا۔

ولیس یسوغ مع عموم التقية التصريح باسماء المبدلين ولا الزيادة فی آياته على ما اثبتوه من تلقائهم فی الكتب لما فی ذلك من تقوية حجج اهل التعطيل والكفر والملل المنحرفة عن قبلتنا وابطال هذا العلم الظاهر التی قد استكان له الموافق والمخالف	تقیہ کی ضرورت اس قدر شدید ہے کہ میں ان لوگوں کے نام نہیں بتا سکتا جنہوں نے آیات قرآنی میں تحریف کی اور اپنی طرف سے وہ مضامین قرآن میں بڑھا دیے جنمیں اہل تعطیل و اہل کفر اور ان مذاہب کی تائید ہے جو ہمارے قبلہ سے منحرف ہیں اور جس علم ظاہر پر موافق و مخالف سب کا اتفاق ہے اسکا ابطال ہوتا ہے۔

نیز اسی روایت میں ہے کہ جناب امیر نے اس زندیق سے جمع قرآن کا قصہ یوں بیان کیا۔

ثم دفعهم الاضطرار بورود المسائل عما لا يعلمون تاويله الى جمعه وتاويله	پھر جب ان منافقوں سے وہ مسائل پوچھے جانے لگے جنکی تاویل وہ نہ جانتے تھے تو وہ مجبور ہوئے کہ قرآن کو جمع کریں اور اسکی تفسیر کریں اور اس میں اپنی طرف سے

وتضمينه من تلقائهم ما يقيمون به دعائم كفرهم فصرخ مناديهم من كان عنده شيء من القرآن فليأتنا به ووكلوا تأليفه ونظمه الى بعض من وافقهم على معاداة اولياء الله فالفه على اختيارهم۔

وہ مضامین شامل کریں جن سے اپنے کفر کے ستونوں کو قائم کریں لہذا انکے منادی نے اعلان کیا کہ جس کے پاس کچھ قرآن ہو وہ ہمارے پاس لے آئے اور انھوں نے قرآن کے جمع و ترتیب کا کام اس شخص کے متعلق کیا جو اللہ کے دوستوں سے دشمنی رکھنے میں انکے موافق تھا چنانچہ اسنے انکے پسند کے مطابق جمع کیا۔

نیز اسی روایت میں ہے کہ جناب امیر نے یہ بھی فرمایا کہ

زاد فيه ما ظهر تناكره وتنافره۔

زیادہ کردیا انھوں نے قرآن میں وہ کلام کہ اسکا خلاف فصاحت اور قابل نفرت ہونا ظاہر ہے۔

معلوم ہوا کہ قرآن شریف سے بے دینی اور کفر کی تائید ہوتی ہے اور دین بالکل فنا ہوا جاتا ہے۔

(۱۳) تفسیر صافی میں تفسیر عیاشی سے منقول ہے کہ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا۔

لولا انه زيد في القرآن ونقص ما خفي حقنا على ذي حجى۔

اگر قرآن میں بڑھایا نہ گیا ہوتا اور گھٹایا نہ گیا ہوتا تو ہمارا حق کسی عقلمند پر پوشیدہ نہ رہتا۔

قرآن شریف کے حروف و الفاظ بدلجانے کی روایتیں

(۱۴) تفسیر قمی میں ہے کہ۔

واما ما كان خلاف ما انزل الله فهو قوله تعالى كنتم خير امة اخرجت للناس الاية قال ابو عبد الله عليه السلام لقاري هذه الاية خير امة يقتلون امير المؤمنين والحسين بن علي فقيل له فكيف نزلت يا ابن رسول الله قال انما نزلت خير ائمة اخرجت للناس۔

اور لیکن جو کہ ما انزل اللہ کے خلاف ہے وہ اللہ تعالیٰ کا قول خیر امۃ اخرجت للناس ہے امام جعفر صادق نے اس آیت کے پڑھنے والے سے فرمایا کہ واہ کیا اچھی امت ہے جس نے امیر المومنین کو اور حسین بن علی کو قتل کردیا ان سے کہا گیا کہ پھر اے فرزند رسول یہ آیت کس طرح نازل ہوئی تھی فرمایا اسطرح نازل ہوئی تھی خیر ائمۃ اخرجت للناس۔

(۱۵) نیز اسی تفسیر میں ہے۔

قرئ علی ابی عبداللہ علیہ السلام الذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریاتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما فقال علیہ السلام لقد سالوا اللہ عظیما ان یجعلھم للمتقین اماما فقیل لہ یا ابن رسول اللہ کیف نزلت فقال انما نزلت واجعل لنا من المتقین اماما۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی الذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما تو امام نے فرمایا کہ کہ اللہ سے انھوں نے بڑی چیز مانگی کہ انکو متقیوں کا امام بنا دے تو ان سے کہا گیا کہ اے فرزند رسول پھر یہ آیت کیونکر نازل ہوئی تھی امام نے فرمایا واجعل لنا من المتقین اماما۔

(۱۶) اصول کافی صـ۲۶۶ میں ہے۔

قرأ رجل عند ابی عبد اللہ علیہ السلام قل اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمومنون فقال لیس ھکذا ھی انما ھی والماموتون فنحن المامون۔

ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے یہ آیت پڑھی قل اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمومنون امام نے فرمایا اسطرح نہیں ہے صحیح لفظ بجائے مومنو کے ماموتون ہے اور ماموتون ہم لوگ ہیں۔

(۱۷) کتاب احتجاج کی اسی روایت میں ہے۔

ان الکنایۃ عن اسماء ذوی الجرائم العظیمۃ لیست من فعلہ تعالیٰ وانما من فعل المغیرین والمبدلین الذین جعلوا القرآن عضین واعتاضوا الدنیا من الدین۔

بڑے بڑے گنہگاروں کے نام کو کنایہ میں بیان کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل نہیں ہے بلکہ یہ ان تحریف کرنے والوں کی کارروائی ہے جنھوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور دنیا کے عوض میں دین کو برباد کر دیا۔

قرآن شریف میں ترتیب کی خرابی

(۱۸) علامہ نوری طبرسی اپنی کتاب فصل الخطاب میں جو خاص بحث تحریف ہی سے متعلق ہے فرماتے ہیں۔

کان لامیر المومنین علیہ السلام قرآنا مخصوصا جمعہ بنفسہ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

امیر المومنین علیہ السلام کا ایک مخصوص قرآن تھا جسکو خود انھوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد

وعرضه على القوم فاعرضوا عنه فتجبه عن اعينهم وكان عند ولده عليه السلام يتوارثونه امام عن امام كسائر خصائص الامامة وخزائن النبوة وهو عند الحجة عجل الله فرجه يظهره للناس بعد ظهوره ويامرهم بقراءته وهو مخالف لهذا القرآن الموجود من حيث التاليف وترتيب السور والآيات بل الكلمات ايضا ومن جهة الزيادة والنقيصة وحيث ان الحق مع علی علیه السلام وعلى مع الحق ففي القرآن الموجود تغيير من جهتين وهو المطلوب۔

جمع کیا تھا اور لوگوں کے سامنے پیش کیا تھا مگر لوگوں نے اس سے منھ پھیر لیا لہٰذا جناب امیر نے اس قرآن کو چھپا لیا اور وہ انکی اولاد کے پاس رہا ایک امام سے دوسرے امام کو میراث میں ملتا رہا جسطرح اور مخصوصات امامت اور خزائن نبوت ملے اور اب وہ امام غائب کے پاس ہے جب وہ ظاہر ہوں گے اسوقت اس قرآن کو ظاہر کرینگے اور اسکے پڑھنے کا حکم دینگے اور وہ قرآن اس قرآن موجود کے عبارت اور ترتیب سور و آیات وکلمات میں خلاف ہے اور باعتبار زیادتی اور کمی کے بھی اور چونکہ حق علی علیہ السلام کے ساتھ اور علی حق کے ساتھ ہیں لہٰذا یقیناً قرآن موجود میں دونوں طرح کی خرابی ہے۔

علمائے شیعہ کا اقرار اپنی روایات تحریف کے متواتر اور صریح الدلالۃ ہونیکا

(۱۹) کتاب فصل الخطاب مطبوعہ ایران صفحہ ۲۱۱ میں ہے۔

الاخبار الكثيرة المعتبرة الصريحة في وقوع السقط ودخول النقصان في الموجود من القرآن زيادة على ما مر في ضمن الادلة السابقة وانه اقل من تمام ما نزل اعجازا على قلب سيد الانس والجان من غير اختصاصها باية او سورة وهي متفرقة في الكتاب المتفرقة التي عليها المعول عند الاصحاب جمعت ما عثرت عليها في هذا الباب۔

بہت روایتیں جو معتبر ہیں صراحۃً قرآن موجود کے کم ہو جانے پر دلالت کرتی ہیں اُن روایات کے علاوہ جو دلائل سابقہ کے ضمن میں بیان ہوئیں اور یہ قرآن بہت کم ہے اس مقدار سے جو سید الانس وجان پر نازل ہوا تھا اور یہ کمی کسی آیت اور سورت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے یہ روایتیں ان کتابوں میں متفرق طور پر مذکور ہیں جن کتابوں کا ہمارے اصحاب کے نزدیک اعتبار ہے جس قدر روایتیں میری نظر سے گذریں میں نے جمع کر دیں۔

نیز اسی فصل الخطاب ص۳۰ میں ہے۔

قال السید المحدث الجزائری فی الانوار ما معناه ان الاصحاب قد اطبقوا علی صحة الاخبار المستفیضة بل المتواترة الدالة بصریحها علی وقوع التحریف فی القران کلاما ومادة واعرابا والتصدیق بها۔

سید محدث جزائری نے "انوار" میں لکھا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے اصحاب نے ان روایات مستفیضہ بلکہ متواترہ کے صحیح ہونے پر اتفاق کیا ہے جو صراحۃً تحریف قرآن پر دلالت کرتی ہیں باعتبار آیات و الفاظ و اعراب وغیرہ کے۔

نیز اسی فصل الخطاب کے صفحہ ۲۲۷ میں علاوہ محدث جزائری کے اپنے دوسرے علماء سے بھی روایات تحریف کا متواتر ہونا نقل کیا ہے لکھتے ہیں کہ

وھی کثیرة جدا حتی قال السید نعمة الله الجزائری فی بعض مولفاته کما حکی عنه ان الاخبار الدالة علی ذلك تزید علی الفی حدیث وادعی استفاضتها جماعة کالمفید والمحقق الداماد والعلامة المجلسی وغیرهم بل الشیخ ایضا صرح فی التبیان بکثرتها بل ادعی تواترها جماعة یاتی ذکرهم۔

روایات تحریف قرآن بہت زیادہ ہیں یہانتک کہ سید نعمت اللہ جزائری نے اپنی بعض تصانیف میں لکھا ہے کہ تحریف قرآن کی روایات دو ہزار سے زائد ہیں اور ایک جماعت نے مثل مفید اور محقق داماد اور علامہ مجلسی وغیرہ کے ان روایات کے مستفیض ہونیکا دعویٰ کیا ہے بلکہ شیخ نے بھی "تبیان" میں ان روایات کے بہت ہونے کی تصریح کی ہے اور ایک جماعت نے ان کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے جسکا ذکر آئیگا۔

پھر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں۔

واعلم ان تلك الاخبار منقولة من الکتب المعتبرة التی علیها معول اصحابنا فی اثبات الاحکام الشرعیة والآثار النبویة

جاننا چاہیے کہ روایات تحریف ان معتبر کتابوں سے منقول ہیں جنپر ہمارے اصحاب کا اعتبار ہے۔ احکام شرعیہ اور آثار نبویہ کے ثابت کرنے میں۔

پھر صاحب فصل الخطاب نے اپنے وعدہ کو پورا کیا ہے اور آخر کتاب میں ان تمام محدثین کے نام لکھے ہیں جنھوں نے روایات تحریف کو متواتر کہا ہے ان ناموں میں علامہ مجلسی کا نام نامی بھی ہے اور انکی عبارت کا حسب ذیل فقرہ قابل دید ہے فرماتے ہیں۔

وعندی ان الاخبار فی ھذا الباب متواترۃ معنی وطرح جمیعھا یوجب رفع الاعتماد عن الاخبار اسا بل ظنی ان الاخبار فی ھذا الباب لا یقصر عن اخبار الامامۃ فکیف یثبتونھا بالخبر۔

اور میرے نزدیک تحریف قرآن کی روایتیں بلحاظ معنی کے متواتر ہیں اور ان سب روایات کو رد کر دینے سے فن حدیث بالکل ناقابل اعتبار ہو جائیگا۔ بلکہ میرا گمان یہ ہے کہ تحریف قرآن کی روایتیں مسئلہ امامت کی روایات سے کم نہیں ہیں پس روایات سے مسئلہ امامت پھر کس طرح ثابت کریں گے۔

(۲۰) شیعوں کے قبلۃ المناظرین مولوی حامد حسین صاحب استقصاء الافحام مجلد اول صفحہ ۹ میں فرماتے ہیں "اگر بیچارہ شیعی بمقتضاے احادیث کثیرہ اہل بیت طاہرین مصرحہ بوقوع نقصان در قرآن حرف تحریف ونقصان بر زبان آرد ہدف سہام طعن وملام ومورد استہزاء وتشنیع گردد"

نیز صفحہ ۶۴ میں لکھتے ہیں "اگر اہل حق از حافظان اسرار الٰہی وحاملان آثار جناب رسالت پناہی کہ ہداۃ اسلام وائمہ انام اند روایت کنند احادیثے را کہ دال ست برانکہ در قرآن شریف مبطلین واہل ضلال تحریف نمودند وتصحیفش بعمل آوردند واصل قرآن کما انزل نزد حافظان شریعت موجود ست کہ درین صورت اصلاً بر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ نقصے وطعنے عائد نمی شود فریاد وفغان آغاز کنند"

اس مختصر تحریر کے دیکھنے کے بعد ہر صاحب انصاف کو یقین ہو جائیگا کہ بلا شبہ کسی شیعہ کا ایمان قرآن مجید پر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

اگر کسی شیعہ کو یہ ہوس پیدا ہو کہ اہل سنت کی کتابوں سے تحریف قرآن کی روایت پیش کرے تو اُس پر لازم ہوگا کہ جو روایت کتب اہلسنت سے پیش کرے اُسکے متواتر ہونے اور تحریف پر دلالت کرنے کا اقرار بھی علماے اہل سنت سے نقل کرے ورنہ اسکی ہوس خام سراسر لغو ہوگی فقط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدًا و مصلیًا و مسلمًا

مسئلہ ایمان بالقرآن اور اخبار "درِ نجف" کے مضمون نوشتہ مولوی اعجاز حسن صاحب بدایونی، مدرس مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کا جواب

اخبار "درِ نجف" سیالکوٹ مورخہ یکم اپریل ۲۶ء میں ایک مضمون مولوی اعجاز حسن صاحب بدایونی کا چھپا ہے جس میں انہوں نے بخیالِ خود حضرت مولانا مولوی محمد عبدالشکور صاحب مدیر "النجم" دامت برکاتہم کے مضامین متعلق مسئلہ ایمان بالقرآن کا جواب دیا ہے، تہذیب و متانت اس مضمون میں ایسی ہے کہ مضمون نگار کی شرافت کے لئے اس سے بہتر دلیل ہو نہیں سکتی۔

یہ پرچہ "درِ نجف" کا بلکہ صرف وہ اوراق جس میں یہ مضمون ہے پنجاب کے ایک باحمیت بھائی نے بھیج کر جواب کی استدعا کی، اس لئے جواب لکھنا ضروری معلوم ہوا، ورنہ اس مضمون میں سوا گالیوں کے اور کوئی بات ایسی نہیں ہے جس کا جواب "النجم" کے دورِ قدیم کے پرچوں میں نہ ہو چکا ہو، مجھے اپنی اس تحریر میں "النجم" ہی کے انوارِ ساطعہ کا اقتباس کافی ہوا۔ البتہ متفرق جواہر کو یکجا مرتب کر دینے سے امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ کچھ فائدہ زیادہ ہوگا، اصل جواب شروع کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "النجم" کے قارئین کرام کو اخبار "درِ نجف" اور مولوی اعجاز حسن صاحب کا تعارف کرا دیا جائے۔

اخبار "درِ نجف" شیعوں کا ہفتہ وار اخبار ہے، شیعہ اس کی بڑی قدر کرتے ہیں، ابھی حال ہی کا واقعہ ہے کہ شیعہ قوم نے بڑی ہمدردی و فیاضی سے کثیر رقمیں چندہ کی فراہم کر کے اس کے لئے مشین پریس منگا دی، اس قدر دانی کی وجہ محض یہ ہے کہ اخبار مذکور کا واحد مقصد اہل سنت وجماعت کا رد کرنا، ان کے خلاف مضامین لکھنا ہے، اخبار مذکور کا اعلیٰ کارنامہ جس کا فراموش کرنا جائز نہیں ہو سکتا، یہ ہے کہ اُس نے نہایت عالی ہمتی سے اپنے پرچہ مورخہ یکم ستمبر ۱۹۲۴ء میں یہ اعلان دیا کہ "النجم" کے مضامین کا بالاستقلال جواب "درِ نجف" میں دیا جائے گا، اور ساتھ ہی اُس نے ایک مضمون کا جواب بھی اپنے ایک نامہ نگار کی طرف سے چھاپ دیا، "درِ نجف" کے اس جواب کا رد "النجم" ماہِ صفر ۴۳ھ میں چھپا، جو دیکھنے کے قابل ہے، جس میں سب سے پہلے

یہ دکھایا گیا ہے کہ "النجم" کے جس مضمون کا جواب "درنجف" نے دیا ہے اس میں اکسٹھ مطالب تھے، ان مطالب کی ایک فہرست بھی دی ہے، ان تمام مطالب میں سے صرف دو کا جواب "درنجف" نے دیا، باقی کا جواب کچھ نہیں، اس کے بعد ان دو مطالب کے جوابات نقل کر کے خود کتب شیعہ سے اس کے تار تار الگ کر دیئے ہیں۔

"النجم" نمبر مذکور میں یہ بھی لکھ دیا گیا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ اخبار "اثنا عشری" دہلی کی طرح "درنجف" بھی روپوش ہو جائے، اور "النجم" سے مبادلہ بند کر دے، لیکن نتیجہ وہی نکلا "النجم" کے اُس زلزلہ افگن مضمون کے بعد سے آج تک، کہ قریب دو سال کے ہوئے "درنجف" کا کوئی پرچہ دفتر "النجم" میں نہیں آیا۔ "النجم" اس کے بعد بھی سال بھر تک برابر ان کو جاتا رہا اُن کو اس نازیبا کارروائی پر غیرت بھی دلائی گئی مگر صدائے برنخاست، آخر سال بھر کے بعد "النجم" کے رجسٹر سے بھی "درنجف" کا نام کاٹ دیا گیا۔

کسی مضمون کے جواب سے عاجز ہو کر مبادلہ بند کر دینا ہی کیا کم لطیف بات ہے مگر اس سے زیادہ لطیف بات یہ ہے کہ مبادلہ بند کر دینے کے بعد بھی "النجم" کے مضامین کا جواب لکھا جاتا ہے، جس کی اطلاع بھی دفتر "النجم" کو نہیں ہوتی، (کیا) انہیں کارروائیوں پر شیعوں کو ناز ہے۔

مولوی اعجاز حسن صاحب بدایونی۔ کوئی نئے صاحب ہیں ابھی اس میدان میں نووارد ہیں مگر ابھی حال میں جو بے وجہ اشتہار بازی "لکھنو" میں آپ نے کی اور اعلیجناب مدیر "النجم" دامت برکاتہم کی شان میں ناپاک الفاظ ان اشتہارات میں لکھے اور "النجم" کے بند کرانے کا بیڑا اٹھایا، اور اس مقصد کے لئے نہایت رکیک اور شرارت آمیز کارروائیاں کی گئیں، گو نتیجہ میں آپ کو کامیابی نہ ہوئی، اور نہ انشاء اللہ کبھی ہو گی، مگر قوم میں آپ کی شہرت خوب ہو گئی، اعجاز الملۃ کا خطاب بھی مل گیا، مزید برآں "مدرسۃ الواعظین" کی پروفیسری بھی ہاتھ آ گئی۔

آپ جا بجا وعظ بیان کرنے بھی جاتے ہیں، اور اخباروں میں یہ اعلان بھی دیتے ہیں کہ میں شیعہ سنی میں اتفاق پیدا کرانے کی کوشش کرتا ہوں، مگر "لکھنو"

کی یکطرفہ اشتہار بازی سے واقف ہونے کے بعد شاید اب کم لوگ ان اعلان کو اچھی نظر سے دیکھیں گے۔ مختصر تعریف آپ کی یہ ہے کہ آپ کی روش بتا رہی ہے کہ تھوڑے دنوں میں آپ اپنے متوفی مقبول احمد صاحب کے جانشین ہو جائیں، اس مختصر تعارف کے بعد اب اصل جواب کی طرف توجہ کرنا چاہیئے۔

"درنجف" کے مضمون کا ایک حرف بھی فروگذاشت نہیں کیا گیا، پورا مضمون نقل کیا گیا ہے، اور سوا گالیوں کے حرف حرف کا محققانہ جواب دیا گیا ہے، کیا "درنجف" کے ایڈیٹر صاحب یا مولوی اعجاز حسن صاحب سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اسی طرح ہمارے اس مضمون کو پورا نقل کر کے جواب الجواب کی زحمت گوارا کریں گے، تجربہ تو شاہد ہے کہ شیعہ کبھی ایسا نہ کریں گے اور نہ کر سکتے ہیں، ورنہ خود ان کے پرچہ کے خریدار ان کے جواب کی حقیقت سے واقف ہو جائیں گے۔

اگر مولوی اعجاز حسن صاحب حامل المتن جواب دینے کی ہمت کر سکتے ہیں، اور بالفرض "درنجف" پر ان کا قابو نہ چلے، تو رسالہ "الواعظ" سے وہ کام لے سکتے ہیں، کیونکہ رسالہ مذکور اسی "مدرستہ الواعظین" کا آرگن ہے جس کے وہ پروفیسر بنائے گئے ہیں۔

عبارت "دُرِنجف" ۱ء

"النجم" لکھنو۔ اور ایمان بالقرآن۔ شیعو! یہ مضمون ضرور پڑھو

چشم بد دور "النجم" کیسا چمکیلا کوکب ہے جیسے دلی والا فلک جرمنی کا چمکتا ستارہ بس اتنا فرق ہے کہ اس کے پرتو سے بال کالے ہو جاتے ہیں اور اس کی خونی چمک سے قلوب عوام کالانعام کی بینائی پٹ ہو جاتی ہے۔

"النجم" خرافات و مضرات کا طومار ہے اور وہ ایک بے ضرر چیز ہے۔
"النجم" اپنی بے ڈھنگی رفتار سے فساد پھیلاتا ہے اور وہ اپنی چال سے کبھی کبھی چکمہ دیتا ہے۔ "النجم" کی رنگت گرگٹ کے مانند بدلتی رہتی ہے اور وہ

اوّل دن سے نیلگوں شیشہ فلک میں ضیا بار ہے۔ "النجم" کی نحوست یوم نحسِ مستمر سے بدرجہا زائد ہے کہ یہ روز بد سال میں ایک مرتبہ دیکھنا پڑتا ہے اور "النجم" کی خونی شعاعیں ہر ماہ میں رنگ لاتی ہیں اور مریخی اثر دکھاتی ہیں۔ "النجم" کی پیشانی پر یہ آیہ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ایسی ہے جیسے پیرے پیر کے سر پر تاجِ شفاعت یا عالم بے عمل کے سر پہ قبائے ہدایت، یا خلیفہ[1] پنچایت[2] کے بدن میں قمیصِ خلافت، یا جاہل احمق کی چندیا پر دستارِ فضیلت۔ شیعو! عجب لطیفہ ہے کہ وہ خود گمراہ ہے لیکن ہدایت کا دم بھرتا ہے اس کا مدیر سراپا تقصیر، فاسق و بے دین ہے لیکن ہم پر اپنا عیب لگاتا ہے، خود مومن بالقرآن نہیں اور نہ اس کے ہم مشرب مگر اپنا گناہ بے لذت ہماری طرف منسوب کرتا ہے۔"

جوابات

اس عبارت کو دیکھ کر شیعوں کی تہذیب کی داد دینی چاہیئے مگر وہ بیچارے مجبور ہیں ان کے مذہب کی حقیقت "النجم" نے طشت از بام کر دی، ان کے اصلی راز[3] فاش کر دیئے، اور ان کو جواب سے عاجز کر دیا، تو کیا وہ بازاری تمسخر و استہزاء اور عامیا سب وشتم بھی نہ کریں، مگر ہم خوش ہیں کہ کفار بھی حضرات انبیاء علیہم السلام کی شان میں ایسے ہی الفاظ استعمال کر چکے ہیں جو قرآن مجید میں منقول ہیں لہذا آج اگر ان مقدسین کے فرمانبرداروں کو یہ الفاظ کہے گئے تو سبحان اللہ۔ آخر را با اول نسبتے است۔ مثلاً "النجم" کو منحوس کہا، سورہ یٰسین میں ہے کہ اصحاب قریہ نے بھی پیغمبروں کو کہا تھا کہ اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ یعنی ہم تمہارے آنے کو اپنے حق میں منحوس سمجھتے ہیں، جس کا جواب حضرات انبیاء علیہم السلام نے دیا کہ طَائِرُكُمْ مَعَكُمْ تمہاری نحوست خود تمہارے ساتھ ہے۔

اور مثلاً جناب علامہ مدیر "النجم" کو گمراہ کہا، سورہ اعراف میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم نے یہی لفظ کہا تھا کہ قولہ تعالیٰ قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ یعنی ان کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم آپ کو صریح گمراہی میں دیکھتے ہیں، علی ہذا القیاس

---

[1] خلیفہ سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور [2] پنچایت سے مراد انصار و مہاجرین کا وہ تاریخی اجتماع ہے جس پر دنیائے اسلام نازاں ہے اور جس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ یہ اجتماع اقوامِ عالم کی جمہوری زندگی میں جمہوریت کی خشتِ اول کا درجہ رکھتا ہے۔ (نوٹ از ادارہ)

[3] یعنی عقیدہ تحریف قرآن اور قرآن کا ملحدین (خلفاء ثلاثہ) کے ہاتھوں غائب ہونا، نیز یہ کہ قرآن کی عبارت کا پست اور نحوی صرفی اغلاط سے پُر ہونا، ہر ہر آیت کا ناقابل اعتماد اور شبہات سے خالی نہ ہونا، نیز انکار ختم نبوت اور بعدہ شیعوں کی شاندار و ممتاز ترین تاریخ قتل حسین وغیرہ وغیرہ جس کی چمک دمک کو جب تک دنیا میں کتب شیعہ موجود ہیں، شیعوں کی پیشانی سے کوئی ہلکا تک نہیں کر سکتا انشاء اللہ (کاش کہ کتب شیعہ قائم و دائم رہیں۔ (نوٹ از ادارہ)

ـــــــ یہ تمام تمسخر و استہزار کفار سابقین کا تتبع ہے، خدا مبارک کرے۔

ذرا دیکھئے تو "النجم" کے ٹائیٹل کا کاغذ مختلف رنگ کا ہوتا ہے اس پر بھی نکتہ چینی کی ہے یہ بھی کوئی بات تھی۔ اچھا، وہ اپنے "الواعظ" کو دیکھیں کہ اس کا ٹائیٹل بھی کتنے رنگ بدل چکا۔

"النجم" کو یوم نحس مستمر سے زیادہ مضر قرار دیا، یہ بات البتہ سچ لکھی، قرآن مجید میں یوم نحس مستمر اس دن کو فرمایا ہے جس دن قوم عاد پر مہلک عذاب آیا۔ سورۂ قمر میں ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ یعنی ہم نے ان پر ایک تیز آندھی سخت نحوست والے دن میں بھیجی لہٰذا "النجم" کے براہین و دلائل کی تیز آندھی نے جس قوم کو ہلاک کیا وہ قوم اگر "النجم" کو یوم نحس مستمر سے زیادہ مضر کہے اور اس کے انوار ساطعہ کو خونی شعاع کا لقب دے تو بالکل ٹھیک ہے۔

شیعہ "النجم" کو منحوس کہیں لیکن قرآن کریم پر ایمان رکھنے والے اس کو نہایت سعد اور بڑا مبارک جانتے ہیں۔ خدا کی قدرت ہے ایک ہی چیز مختلف لوگوں کو کیسی مختلف نظر آتی ہے۔ ع

گل است سعدی و لے در چشم دشمنان خار است۔ یوم نحس مستمر کا ہر سال میں ہونا ایک ہی ہوا۔ یہ بھی شیعوں کا عقیدہ ہے ان کے یہاں بتقلید ہنود تاریخ اور دن کی نحوست کا عقیدہ نہایت مہتم بالشان عقیدہ ہے حتی کہ خود ان کے ائمہ معصومین سے ان کی کتب میں منقول ہے[1]۔ مگر الحمد للہ اہل سنت و جماعت باتباع شریعت الٰہیہ ان چیزوں کو نہیں مانتے۔ قوم عاد کے حق میں وہ دن منحوس تھا نہ کہ ہمیشہ کے لئے اور ہر شخص کے لئے۔ کواکب میں بھی سعادت و نحوست کے اہل اسلام قائل نہیں۔ مریخی اثر کا عقیدہ "ذریت ابن سبا" کے خصوصیات سے ہے۔

ان سب باتوں سے قطع نظر کر کے اس عبارت کو ایک مرتبہ شروع سے آخر تک پڑھئے تو خوب اندازہ ہو جاتا ہے کہ شیعوں کے دل میں "النجم" کا خوف کس قدر ہے اور وہ اس کو اپنے مذہب کے لئے کس درجہ مہلک سمجھتے ہیں، بس اتنی ہی بات کیا کم نتیجہ خیز ہے۔ از مرتب

عبارت در نجف ع۲

اس کی حدیثیں[1] بول رہی ہیں کہ قرآن موجود اصلی قرآن نہیں ہے، اس کے محدثین اجماع پرست یک زبان ہیں کہ اصلی قرآن مجموع[2] و مرتب نہ تھا، نہ اس میں پارے[3] تھے۔ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ[4] نہ ہر پارہ میں چار ربع تھے، نہ ہر ربع میں چند رکوع تھے نہ ہر رکوع میں چند آیات تھیں، نہ ہر آیت پر رموز، نہ ہر رمز پر علامت تھی، اس کی ششتہ ضروریہ[5] میں کوئی حدیث نہیں ہے کہ رسول اللہ نے جمع قرآن کی وصیت فرمائی ہو، یا قضیہ وراثت[6] کے مانند یہ معاملہ صرف خلیفہ جی کے گوش گذار کیا ہو

[1] اصول کافی وغیرہ دیکھئے۔ [2] "بخاری" "مسلم" "ابوداؤد" "ترمذی" "نسائی" "ابن ماجہ"

لہذا رسولؐ کی رحلت کے بعد قرآن کا مرتب ہونا دینی بدعت قرار پایا۔ بدعت پرستو اگر تم سچے ہو تو قرآن کی صفات موجودہ عہدِ رسول والے قرآن پر منطبق کر دینا، ورنہ اپنے دعوائے باطلہ سے تائب ہو جانا پھر کبھی اس قرآن کے اصلی ہونے کا دعویٰ نہ کرنا۔

جوابات

مضمون نگار صاحب کا پہلا فرض یہ تھا کہ شیعوں کا ایمان قرآن شریف پر ثابت کرتے اور اُن دلائل قاہرہ کا جواب دیتے جن سے حضرت علامہ مدیر "النجم" اناراللہ برہانہ نے روزِ روشن کی طرح ثابت کر دیا ہے کہ شیعوں کا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے دیکھیے "النجم" کا "مناظرہ حصہ اول"۔ "مناظرۂ امروہہ"۔ "مباحثہ مینگریاں"۔ "تنبیہ الحائرین"، مگر مولوی اعجاز حسن صاحب نے یہ کچھ نہ کیا بلکہ انہوں نے اپنا سب سے بڑا فریضہ جناب مدیر "النجم" کی شان میں تحقیر و توہین کے الفاظ استعمال کرنے کو سمجھا ہے، اس سے فراغت ملتی ہے تو جھوٹے حوالے کتب اہل سنت کے دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

ان کی عبارت مذکورۂ بالا کا حاصل یہ ہوا کہ ہاں شیعوں کا ایمان تو قرآن شریف پر نہیں ہے مگر اہل سنت کا بھی تو نہیں ہے، یہ ایک ایسا جواب ہے جیسے کسی آنکھوں والے نے ایک مادر زاد نابینا کو اندھا کہا اس نے کہا میں تو اندھا ہوں مگر تو بھی اندھا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اس کارروائی کا جواب بھی "تنبیہ الحائرین" وغیرہ میں خوب دیدیا گیا ہے اور اچھی طرح ثابت کر دیا گیا ہے کہ جس طرح شیعوں کا ایمان قرآن شریف پر (ہونا) ممکن نہیں اسی طرح سنیوں کا قرآن شریف پر ایمان نہ ہونا ممکن نہیں، مولوی اعجاز حسن صاحب کو لازم تھا کہ اس مضمون کے لکھنے سے پہلے امام اہل سنت عمّ فیضہم کی تصنیفات کا مطالعہ کر لیتے۔ اچھا اب اپنے اقوال کا جواب سن لیجیے

① بدایونی: اس کی حدیثیں بول رہی ہیں کہ قرآن موجود اصلی قرآن نہیں ہے۔

جواب: ذرا سوچیے اس جھوٹ کی کچھ حد ہے، آپ ایک حدیث، ایک روایت نہیں دکھا سکتے جس میں یہ مضمون ہو کہ قرآن موجود اصلی قرآن نہیں ہے، قرآن میں اصلی اور نقلی کی تشقیق منکرین قرآن کا محاورہ مخصوصہ ہے۔ کسی سُنی کے کلام میں قرآن شریف کے ساتھ اصلی یا نقلی کا لفظ قیامت تک کوئی نہیں دکھا سکتا۔

② بدایونی: اس کے محدثین اجماع پرست یکزبان ہیں کہ اصلی قرآن جمع شدہ و مرتب نہ تھا

جواب: یہ بھی دروغ محض ہے۔ محدثین کا یکزبان ہونا کیا معنیٰ؟ ایک محدث کا بھی یہ قول آپ سب مل کر نہیں دکھا سکتے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن بالکل جمع شدہ و مرتب نہ تھا بلکہ تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے نہیں بلکہ تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن شریف کی جمع و ترتیب کا جو اصلی اور اہم حصہ تھا اس کو رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم باحسن وجوہ انجام دے گئے تھے، سب سے بڑا کام ترتیب آیات کا تھا یعنی ہر ہر سورت کو بجائے خود مکمل و مختتم کر دینا، اس کی آیتوں کو مرتب کرنا یہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود (ہی) پورا فرمایا۔ ترتیبِ آیات خود آپ نے بتعلیم جبریل علیہ السلام

دی، اسی ترتیب سے آپ نماز میں اور خارج نماز میں تلاوت فرمایا کرتے تھے، اور جو آیت یا سورت نازل ہوتی تھی فوراً آپ اس لکھوادیتے تھے، کاتبانِ وحی کا تقرر پورے انتظام کے ساتھ تھا، "سورۂ عبس" کی آیت اس کو بتارہی ہے، اور بکثرت روایات اس مضمون کی ہیں جن کا قدرِ مشترک حدِ تواتر تک پہنچ گیا ہے، اس وقت اسی کتاب "اتقان" سے چند مقامات نقل کرتا ہوں جس کا حوالہ بار بار آپ نے اس مضمون میں دیا ہے۔ "اتقان" کی اٹھارویں نوع دیکھئے۔

(۱) قال حاکم فی المستدرک "جمع القرآن ثلث مرّات احدها بحضرة النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثم اخرج بسندہ علی شرط الشیخین عن زید بن ثابت قال کنا نؤلف القرآن من الرقاع، الحدیث۔ قال "البیھقی" یشبه ان یکون المراد به تالیف ما نزل من الاٰیات المتفرقة فی سورھا وجمعھا فیھا باشارة النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم

(۱) حاکم نے "مستدرک" میں بیان کیا ہے کہ قرآن شریف تین مرتبہ جمع کیا گیا ہے پہلی مرتبہ نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے سامنے جمع ہوا۔ پھر انہوں نے اپنی سند سے "بخاری" اور "مسلم" کی شرط پر زید بن ثابت سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے ہم قرآن کو پرچوں سے جمع کرتے تھے۔ "بیہقی" نے کہا ہے کہ حق یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد متفرق آیات کو ان کی سورتوں میں نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے اشارہ سے ٹھیک جوڑنا اور جمع کرنا ہے۔

نیز "اتقان" کی اسی نوع میں ہے:

(۱) الاجماع والنصوص المترادفة علی ان ترتیب الاٰیات توقیفی لا شبھة فی ذلك اما الاجماع فنقله غیر واحد منھم الزرکشی فی "البرھان" و ابوجعفر بن الزبیر فی "مناسباته" وعبارته ترتیب الاٰیات فی سورھا واقع بتوقیفه صلی اللّٰہ علیہ وسلم وامرہ، من غیر خلاف فی ھذا بین المسلمین۔

(۱) اجماع اور ہم معنی روایات اس پر دلالت کرتی ہیں اس میں شک نہیں کیا جاسکتا کہ آیات کی ترتیب خود شارع کی طرف سے ہے۔ اجماع کو بہت سے لوگوں نے نقل کیا ہے۔ منجملہ اُن کے علامہ زرکشی نے "برہان" میں اور ابوجعفر بن زبیر نے اپنی کتاب "مناسبات" میں، اور ان کی عبارت یہ ہے کہ آیتوں کی ترتیب، ان کی سورتوں میں آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی تعلیم اور آپ کے حکم سے ہوئی ہے۔ اس کے متعلق مسلمانوں میں باہم کوئی اختلاف نہیں ہے۔

پھر اس کے بعد لکھتے ہیں:

(۲) وسیأتی من النصوص واقوال العلماء ما یدل علیه اما النصوص فمنھا حدیث زید السابق کنا عند النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نؤلف القرآن من الرقاع۔

(۲) عنقریب وہ احادیث اور علماء کے اقوال آئیں گے جو ترتیبِ آیات کے منجانب شارع ہونے پر دلالت کرتے ہیں ازانجملہ زید کی وہ حدیث ہے جو اوپر گذر چکی کہ ہم نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے پاس قرآن کو مختلف پرچوں سے جمع کرتے تھے۔

اس کے بعد "اتقان" میں "صحیح بخاری"، "صحیح مسلم"، "مسند احمد"، "سنن ابوداود"،

"جامع ترمذی" اور "مستدرک حاکم" سے متعدد روایتیں اس مضمون کی تائید میں نقل ہیں جن میں سے صرف چند حسب ذیل ہیں:

(۱) منها ما اخرجه احمد باسناد حسن عن عثمان بن ابی العاص، قال کنتُ جالساً عند رسول الله صلی الله علیه وسلم اذ شخص ببصره ثم صوّبه ثم قال اتانی جبریل فامرنی ان اضع هذه الآیة بهٰذا الموضع من هٰذه السورة اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی، الی آخرها، ومنها ما اخرجه البخاری عن ابن الزبیر قال قلتُ لعثمان وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا قد نسختها الآیة الاخری فلم تکتبها او تدعها قال یا ابن اخی لا اغیّر شیئاً من مکانه ومنها ما رواه "مسلم" عن عمر رضی الله عنه قال ما سألتُ النبی صلی الله علیه وسلم عن شئ اکثر مما سألته عن الکلالة حتی طعن باصبعه فی صدری وقال تکفیك آیة الصیف فی آخر سورة النساء"، ومنها الاحادیث فی خواتیم "سورة البقرة"۔

(۱) ازانجملہ وہ حدیث ہے جو امام احمدؒ نے بسند حسن عثمان بن ابی العاص سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ یکایک آپؐ نے اپنی نظر اوپر اٹھائی پھر نیچے جھکائی اس کے بعد فرمایا کہ جبریل میرے پاس آئے تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ اس آیت کو فلاں سورت کے فلاں مقام پر لکھوا دو، وہ آیت یہ تھی اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی الخ اور ازانجملہ وہ حدیث ہے جو امام بخاریؒ نے ابن زبیرؓ سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے میں نے حضرت عثمانؓ سے کہا وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا کو دوسری آیت نے منسوخ کر دیا پس آپ نے ناسخ آیت کو اس کے بعد کیوں نہ لکھا یا منسوخ آیت کو چھوڑ کیوں نہ دیا تو حضرت عثمان نے کہا کہ اے میرے بھتیجے میں کسی آیت کو اس کی جگہ سے نہیں ہٹاتا۔ اور ازانجملہ وہ حدیث ہے جو "مسلم" نے حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کو اس قدر نہیں پوچھا جس قدر کلالہ کی بابت پوچھا یہاں تک کہ آپؐ نے میرے سینہ میں اپنی انگلی رکھ کر فرمایا کہ تم کو آیت "صیف" کافی ہے جو "سورہ نساء" کے آخر میں ہے۔ اور ازانجملہ وہ احادیث ہیں جو "سورہ بقرہ" کے خاتمہ کے متعلق ہیں۔

المختصر اس قسم کی بہت سی احادیث ہیں جن سے عہد نبوی میں سورتوں میں آیتوں کا مرتب ہونا اور سورتوں کا ایک مکمل و مختتم صورت میں ہو جانا ثابت ہوتا ہے ان احادیث کی ایک کافی مقدار "اتقان" میں نقل کر کے پھر ائمہ محدثین و مفسرین کے اقوال نقل کئے ہیں جن میں سے صرف چند حسب ذیل ہیں:

(۲) وقال مکی وغیره ترتیب الآیات فی السور بامر النبی صلی الله علیه وسلم ولما لم یامر بذلك فی اول براءة ترکت

(۲) مکی وغیرہ نے کہا ہے کہ سورتوں میں آیتوں کی ترتیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوئی ہے، اور چونکہ آپ نے "سورہ برات" کے شروع میں کچھ

بلا بسملة وقال القاضي ابوبكر ترتيب
الآيات امر واجب وحكم لازم فقد
كان جبريل يقول ضعوا آية كذا في
موضع كذا وقال ايضاً الذي نذهب
اليه ان جميع القرآن الذي انزله الله و
امر باثباته ولم ينسخه ولا رفع تلاوته
بعد نزوله هو هذا الذي بين الدفتين
الذي حواه مصحف عثمان رضي الله عنه و
انه لم ينقص منه شئ ولا زيد فيه وان
ترتيبه ونظمه ثابت على ما نظمه الله
تعالى ورتبه عليه رسوله من آي السور
لم يقدم من ذلك مؤخر ولا اخر مقدم
وان الامة ضبطت عنه نفس القرآن و
ذات التلاوة وانه يمكن ان يكون الرسول
صلى الله عليه وسلم قد رتب سوره ويمكن
ان يكون قد وكل ذلك الى الامة بعده
ولم يتول ذلك بنفسه قال وهذا الثاني
هو اقرب۔ واخرج عن ابن وهب قال سمعت
مالكا يقول انما الف القرآن على ما كانوا
يسمعون من النبي صلى الله عليه وسلم
وقال البغوي في شرح السنة الصحابة
رضي الله عنهم جمعوا بين الدفتين القرآن
الذي انزله الله على رسوله من غير
ان زادوا او نقصوا منه شيئاً خوف ذهاب
بعضه بذهاب حفظه فكتبوه كما سمعوه
من رسول الله صلى الله عليه وسلم من غير
ان قدموا شيئاً او اخروا او وضعوا له
ترتيباً لم يأخذوه من رسول الله صلى الله
عليه وسلم وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم

حکم نہیں دیا، اس لئے وہ بغیر بسم اللہ کے چھوڑ دی گئی۔ اور قاضی
ابوبکر نے بیان کیا ہے کہ آیتوں کی ترتیب ایک ضروری چیز اور
لازمی حکم ہے اس لئے کہ جبریل آتے تھے اور کہتے تھے کہ فلاں آیت
کو فلاں مقام میں رکھئے۔ نیز قاضی ممدوح نے کہا ہے کہ ہم سب
کا مذہب یہ ہے کہ پورا قرآن جس کو اللہ نے نازل کیا اور اس کے
قائم رکھنے کا حکم دیا اور اس کو منسوخ نہ کیا یعنی نازل کرنے کے بعد
اس کی تلاوت موقوف نہ فرمائی وہ یہی ہے جو دو دفتوں کے درمیان
میں ہے جس کو "مصحفِ عثمان" رضی اللہ عنہ نے گھیر لیا ہے اس میں سے
نہ کچھ کم کیا گیا ہے اور نہ اس میں کچھ بڑھایا گیا ہے اور اس کی ترتیب
اور اس کا نظم بھی وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے قائم کیا اور خود رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم نے سورتوں میں آیتوں کی ترتیب دی اس میں کوئی آیۃ
آگے کی گئی نہ پیچھے، امت نے نبیؐ سے نفس قرآن کو یاد کیا اور نفس
تلاوت کو بھی اور ممکن ہے، کہ سورتوں کی ترتیب بھی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے خود دی ہو اور ممکن ہے کہ یہ کام اپنے بعد اپنی امت کے
سپرد کر گئے ہوں خود انجام نہ دیا ہو۔ قاضی ممدوح نے لکھا ہے کہ
یہی دوسری بات قریبِ صحت ہے، اور قاضی ممدوح نے ابن وہب سے
روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک کو یہ فرماتے
ہوئے سُنا کہ قرآن کی جمع و ترتیب اسی کے مطابق ہے جو صحابہؓ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کرتے تھے، امام بغویؒ نے
"شرح السنۃ" میں لکھا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے دو
دفتوں کے درمیان میں اس قرآن کو جمع کیا جو اللہ نے اپنے
رسول پر نازل کیا تھا بغیر کسی قسم کی کمی بیشی و تصرف کے
اور یہ جمع کرنا محض اس لئے تھا کہ حفظ کے فوت ہو جانے
سے کوئی حصہ قرآن کا نہ جاتا رہے پس صحابہؓ نے ویسا
ہی لکھا جیسا انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
سے سُنا تھا بغیر اس کے کہ کسی آیت کو آگے پیچھے کیا ہو یا
اس کی ایسی کوئی ترتیب قائم کی ہو جو رسولِ خدا صلی اللہ
علیہ وسلم سے انہوں نے نہ لی ہو۔ رسولِ خدا صلی اللہ
علیہ وسلم اپنے اصحاب کو درس دیتے تھے اور جس قدر

یلقن اصحابه ویعلمهم ما نزل علیه من القرآن وعلی الترتیب الذی هو الآن فی مصاحفنا بتوقیف جبریل ایاه علیٰ ذلك واعلامه عند نزول کل آیة ان هذه الآیة تکتب عقب آیة کذا فی سورة کذا فثبت ان سعی الصحابة کان فی جمعه من موضع واحد لا فی ترتیبه فان القرآن مکتوب فی اللوح المحفوظ علیٰ هذا الترتیب انزله الله تعالیٰ جملة الی السماء الدنیا ثم کان ینزله مفرقاً عند الحاجة وترتیب النزول غیر ترتیب التلاوة وقال ابن الحصار ترتیب السور ووضع الآیات فی مواضعها انما کان بالوحی کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ضعوا آیة کذا فی موضع کذا وقد حصل الیقین من النقل المتواتر بهذه الترتیب ومما أجمع الصحابة علی وضعه هٰکذا فی المصحف

قرآن آپ پر نازل ہوتا تھا اس کی تعلیم اُسی ترتیب سے دیتے تھے جو ترتیب آج ہمارے مصحفوں میں ہے بسبب اس کے کہ جبریلؑ آپ کو ہر آیت کے نزول کے وقت بتلاتے تھے کہ یہ آیت فلاں آیت کے بعد فلاں سورت میں لکھی جائے گی۔ پس ثابت ہوا کہ صحابہ کی کوشش صرف یہ تھی کہ قرآن کو ایک مقام سے دوسرے مقام میں نقل کر دیں نہ کہ اس کی ترتیب میں فرق لانا اس لئے کہ قرآن لوحِ محفوظ پر اسی ترتیب سے لکھا ہے اللہ تعالیٰ نے پورا قرآن آسمانِ دنیا پر دفعتًا اتار دیا پھر تھوڑا تھوڑا بوقتِ ضرورت اُترتا رہا۔ ہاں ترتیبِ نزول ترتیبِ تلاوت کے خلاف ہے۔ اور "ابن حصار" نے کہا ہے کہ سورتوں کی ترتیب یعنی آیتوں کا اپنے اپنے مقام میں رکھنا وحی کے ذریعے سے ہوا ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ فلاں آیت کو فلاں مقام پر رکھو اور اس ترتیب کا یقین ہم کو روایاتِ متواترہ سے حاصل ہوا ہے۔ نیز اس بات سے بھی کہ صحابہؓ نے "مصحف" میں اسی ترتیب پر اجماع کیا ہے۔

اِن عبارات و روایات سے پوری طرح واضح ہو گیا کہ تمام محدثین و مفسرین بلکہ کل امت کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن شریف کی ہر ہر سورت عہدِ نبوی میں مرتب اور مکتوب ہو چکی تھی۔ باقی رہی سورتوں کی باہم ترتیب اس میں البتہ کچھ اختلاف ہے تو اس سے کوئی اثر نفس قرآن شریف پر نہیں پڑتا یعنی کلام الٰہی کے مطالب کے سمجھنے میں اور اس کا مفہوم معلوم کرنے میں کوئی خلل نہیں آتا کیونکہ ہر سورت بجائے خود مستقل اور جداگانہ چیز ہے اور اس میں بھی محققین کا مذہب یہی ہے کہ یہ ترتیب بھی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ہے بکثرت روایات ہیں جو اس کی تائید کرتی ہیں۔

اب مولوی اعجاز حسن صاحب کی جرأت و دلیری کی تعریف کیجئے کہ انہوں نے کس بے باکی کے ساتھ لکھ دیا کہ اہل سنت کے تمام محدثین یک زبان کہہ رہے ہیں کہ اصلی قرآن عہدِ نبوی میں جمع شدہ و مرتب نہ تھا۔

بخلاف مذہبِ شیعہ کہ اس نے نہ صرف آیتوں کی ترتیب بلکہ آیتوں کے اندر جو کلمات ہیں ان کی ترتیب کو بھی محرّف مانا ہے اور یہ کہ صحابہ کرام رضؓ نے یہ تینوں ترتیبیں اپنی اغراض کے مطابق خدا اور رسول کی مرضی کے خلاف کر دی ہیں۔ "فصل الخطاب" مطبوعہ ایران صفحہ ۹ میں جہاں حضرت علیؑ کے جمع کئے ہوئے فرضی قرآن کا ذکر کیا ہے لکھا ہے:

وهو مخالف[1] لهذا القرآن الموجود من حيث التأليف وترتيب السور والآيات بل الكلمات ايضاً ومن وجهة الزيادة والنقيصة وحيث ان الحق مع علی علیه السلام وعلی مع الحق ففی القرآن الموجود تغییر من جهتین وهو المطلوب	اور وہ یعنی قرآن علی اس قرآن موجود کے خلاف ہے، سورتوں اور آیتوں بلکہ کلمات کی ترتیب کے لحاظ سے بھی اور زیادتی و کمی کے لحاظ سے بھی اور چونکہ حق علی علیہ السلام کے ساتھ ہے اور علیؑ حق کے ساتھ ہیں لہٰذا قرآن مجید میں دو قسم کی تبدیلی ہوئی اور یہی (شیعوں کا) عین مقصود ہے۔

③ **بدایونی :** نہ اس میں پارے تھے۔

جواب : سبحان اللہ! آپ کی طباعی یہاں تک پہنچ گئی۔ بھلا بتائیے تو اگر سہولتِ حفظ وغیرہ کے خیال سے پارے اور رکوع معین کر لئے گئے جس سے اصل قرآن شریف میں نہ کوئی حرف گھٹایا گیا نہ بڑھایا گیا اس سے کیوں کر قرآن بدل گیا۔ غالباً آپ یہ لکھنا بھول گئے کہ اصلی قرآن میں صفحات پر نمبر نہ تھے، اس میں صفحات پر جدولیں نہ تھیں، اس کا کاغذ ولایتی مشین کا بنا ہوا نہ تھا، وہ چھپا ہوا نہ تھا، وہ خطِ نسخ میں نہ تھا بلکہ خطِ کوفی میں تھا۔

اگر آپ کی ذہانت کا یہی حال ہے تو دنیا میں کوئی کتاب کسی مصنف کی نہیں کہی جا سکتی۔ آپ کی کتاب "کافی" بھی اصل نہیں کیونکہ مصنف کے مسودہ اور آج کے مطبوعہ نسخوں میں اس قسم کے صدہا اختلافات موجود ہیں۔ اور کتابوں پر کیا موقوف دنیا کی ہر چیز میں آپ کی یہ تقریر جاری ہو جائے گی۔

④ **بدایونی :** جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ۔ نہ ہر پارے میں چار ربع تھے، نہ ہر ربع میں چند رکوع تھے، نہ ہر رکوع میں چند آیات تھیں۔

جواب : اس آیت کا یہاں لانا یہ مطلب رکھتا ہے کہ صحابہؓ (جامعینِ قرآن) یا مسلمانوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اس کے متعلق ہم صرف یہ کہہ دینا کافی سمجھتے ہیں کہ اسی قسم کی باتوں نے شیعوں کا ایمان قرآن شریف پر ناممکن کر دیا۔

⑤ **بدایونی :** اس کی ستہ[2] ضرور یہ میں کوئی حدیث نہیں کہ رسول اللہؐ نے جمع قرآن کی وصیت فرمائی ہو۔

جواب : جمع قرآن کی خود اللہ تعالیٰ نے ذمہ داری لی قولہ تعالیٰ: اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ پھر آیات کی ترتیب خود رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دے کر ہر ہر سورت کو مکمل کر دیا۔ اب کیا کام باقی تھا جس کی وصیت کر جاتے۔ اور محققین کی ایک جماعت تو کہتی ہے کہ سورتوں کی ترتیب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے دی تھی۔

⑥ **بدایونی :** یا قضیہ وراثت کے مانند یہ معاملہ صرف خلیفہ جی[3] کے گوش گذار کیا ہو۔

جواب : واقعی شیعوں کی حیا و غیرت قابلِ تعریف ہے۔ سینکڑوں مرتبہ اس کا شافی جواب دیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مال میں میراث جاری نہ ہونے کی حدیث کے صرف حضرت ابو بکر صدیق رضؓ راوی نہیں بلکہ دوسرے صحابہ بھی اس حدیث کو روایت کر رہے ہیں

[2] اہل سنت کی کتب احادیث مراد ہیں یعنی بخاری، مسلم، نسائی، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ۔
[3] اس سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضؓ ہیں۔

انتہا یہ کہ خود کتب شیعہ میں یہ روایت ان کے ائمہ معصومین سے دکھا دی گئی ہے۔" اصول کافی" کتاب العلم میں ہے :

(۱) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ان العلماء ورثۃ الانبیاء وذاک ان الانبیاء لم یورثوا درھماً ولا دینارًا وانما اورثوا احادیث من احادیثھم فمن اخذ بشئ منھا فقد اخذ حظًا وافرا۔

(۱) امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ علماء وارثِ انبیاء ہیں اور یہ اس لئے کہ انبیاء نے کسی کو درہم و دینار کا وارث نہیں بنایا بلکہ صرف اپنی احادیث کا وارث بنایا ہے۔ لہذا جس نے ان کی احادیث میں سے کچھ حاصل کر لیا اس نے کامل حصہ پایا۔

کیسی صاف حدیث ہے جس سے ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے درہم و دینار یعنی مال دنیا کسی کو میراث میں نہیں ملتا۔ اس مضمون کی حدیثیں اسی " اصول کافی " میں دوسرے مقامات پر بھی ہیں اور شیعوں کی دوسری کتب میں بھی ہیں۔ مگر بایں ہمہ آج تک وہی مرغے کی ایک ٹانگ ہے کہ یہ حدیث صرف حضرت صدیق ہی نے روایت کی ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

⑦ **بدایونی :** لہذا رسول ؐ کی رحلت کے بعد قرآن کا مرتب ہونا دینی بدعت قرار پایا۔

جواب : معلوم ہوا کہ بدعت کی حقیقت سے بھی آپ بے خبر ہیں اور جمع قرآن کا کام تو خود رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے حکم سے ہوا جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

⑧ **بدایونی :** بدعت پرستو اگر تم سچے ہو تو قرآن کی صفاتِ موجودہ عہدِ رسولؐ والے قرآن پر منطبق کرنا

جواب : خدا کی قدرت کہ آج تعزیہ پرستوں کو بھی یہ جرأت ہے کہ اہلِ سنت کو بدعت پرست کہتے ہیں۔ مگر انشاء اللہ یہ بدزبانی انہیں کے حق میں مہلک ثابت ہوگی۔

⑨ **بدایونی :** ورنہ اپنے دعویٰ باطلہ سے تائب ہو جانا پھر کبھی اس قرآن کے اصلی ہونے کا دعویٰ نہ کرنا۔

جواب : الحمد للہ آپ نے خود اپنے منہ سے اقرار کر لیا کہ قرآن کے اصلی ہونے کا دعویٰ باطل ہے۔ اب کس منہ سے قرآن پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرو گے۔ ہم نے اپنے مذہب کی رو سے تو ثابت کر دیا کہ یہ قرآن اصلی ہے یعنی حرف بحرف رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جمع و ترتیب اور آپ کی تلاوت کے مطابق ہے۔ نہ اس میں کمی ہے نہ بیشی اور نہ اس کی ترتیب اس کے خلاف ہے۔ البتہ جناب کے مذہب کی رو سے قرآن کی حالت بیان کرنا باقی ہے جو عنقریب انشاء اللہ بیان ہوگی۔

عبارت دُرِّ نجف ۳۰

مسٹر النجم تم کس منہ سے قرآن موجود کو پورا قرآن بتلاتے ہو درآنحالیکہ اصلی قرآن میں سورۂ احزاب دو سو آیات کی تھی، دیکھو " اتقان " صفحہ ۳۱۶، اس سورت میں " آیۂ رجم " بھی تھی۔ دیکھو " محاضراتِ راغب "۔ اب نہ سورۂ احزاب میں اتنی آیات ہیں اور نہ اس میں آیۂ رجم " موجود ہے۔ اور سنو

"سورۂ توبہ[۳۰] کا صرف ایک حصہ رہ گیا ہے باقی تین حصے غائب ہو گئے۔ دیکھو "درمنثور" جلد ۳ صفحہ ۲۰۸۔ اس سورت کی آخری آیات بڑی تلاش[۳۱] سے خزیمہ انصاری کے پاس دستیاب ہوئی تھیں۔ دیکھو "اتقان"۔ بڑے افسوس کی بات ہے، کہ قرآن کے تواتر کا دعویٰ کیا جاتا ہے مگر حال یہ ہے کہ قرآنی آیات بڑی مشکل سے ملتی تھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس[۳۲] زمانہ میں اصحاب میں کوئی بھی قرآن کا حافظ نہ تھا ورنہ جمع قرآن کے وقت یہ دشواری نہ آتی۔ عبدالشکور صاحب کا یہ لکھنا کہ لکھی ہوئی[۳۳] آیتیں ڈھونڈی جاتی تھیں، عذرِ گناہ بدتر از گناہ ہے اس لئے کہ صدورِ رجال[۳۴] سے بھی قرآن لکھا گیا۔ ہاں جو آیات کسی کو یاد نہ ہوتی تھیں وہ تلاش کی جاتی تھیں کہ شاید کسی کے پاس لکھی ہوئی مل جائیں۔ ہاں میاں عبدالشکور ذرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق سے خلفاء ثلثہ[۳۵] کا ایمان بالقرآن ثابت کیجئے۔ الغرض پورا قرآن موجود نہیں ہے اور نہ اس کا دعویٰ صحیح ہے، دیکھو "اتقان" صفحہ ۳۱۶۔ بی عائشہ[۳۶]رضؓ کہتی ہیں "آیتِ رجم" کے بعد "رسول" بھی تلاوت ہوتی تھی۔ دیکھو "شرح بزدوی"۔ قرآن سے پورا سورہ "نورین"[۹] غائب ہو گیا۔ دیکھو "دبستان المذاہب"۔ قرآنِ موجود میں دو مکمل سورے یعنی "حفد[۱۰] و خلع" بالکل ندارد ہیں حالانکہ ان دونوں کو اُبی بن کعب صحابی نے اپنے قرآن میں لکھا تھا۔ دیکھو "اتقان"۔ اگر یہ دونوں سورے جزءِ قرآن نہ تھے پھر اُبی بن کعب نے داخل کیا تو رسول اللہ کا گرامی قدر صحابی ملعون و کافر قرار پائیگا حالانکہ آنحضرت[۱۱] صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے قرآن کو صحابہ رضؓ کے لئے واجب التمسک بنایا تھا۔ لہٰذا عبدالشکور صاحب بہت جلد قرآن میں یہ دونوں سورے دکھائیں ورنہ[۱۲] ان کا قول مثل بول متصور ہو گا کہ یہ مفتری اپنی ذات کو مومن سمجھتا ہے اور ہمیں کافر، لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ اور اپنے عقیدۂ باطلہ سے کفر خلفائے ثلاثہ کا فتویٰ دیتا ہے۔

جوابات

مسٹر "استقصاء الافحام" کی کورانہ تقلید کر کے اعجاز حسن صاحب نے نسخ تلاوت کی روایتوں کو تحریف کے ثبوت میں پیش کرنا شروع کر دیا حالانکہ "استقصاء الافحام" کے مبحث تحریف کا مکمل ردّ "النجم" کے "مناظرہ حصہ اول" میں شائع ہو چکا تھا پھر دوبارہ ان سب روایات کی بحث "تنبیہ الحائرین" میں بجواب حائری صاحب مجتہد پنجاب نہایت مبسوط ہو چکی تھی جس کا جواب آج تک شیعوں کی طرف سے نہیں ہوا، نہ ہو سکتا ہے۔ اگر کچھ بھی

ـــــــــــــــــــــــ

[۱] یعنی اپنے دل سے

حیا ہوتی تو آپ ان روایات کا نام کوئی شیعہ نہ لیتا جن کو پیش کر کے مولوی حامد حسین اور حائری صاحبان کس درجہ ذلت برداشت کر چکے تھے۔

پھر لطف تو یہ ہے کہ جن روایات کو نقل کیا ہے قطع نظر اس کے کہ ان میں اکثر روایات کی صحت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی اور قطع نظر اس کے کہ سوائے نسخ تلاوت کے کوئی اور مفہوم ان روایات سے نکل نہیں سکتا تمام علمائے اہل سنت نے ان کو نسخ ہی پر محمول کیا ہے۔ خود علمائے شیعہ نے بھی ان کو نسخ تلاوت ہی سے متعلق مانا ہے نہ تحریف سے۔ دیکھئے تفسیر "مجمع البیان" از علامہ طبرسی شیعی بذیل تفسیر آیہ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ۔

① **بدایونی:** مسٹر النجم تم کس منہ سے قرآن موجود کو پورا قرآن بتاتے ہو۔

جواب: اسی منہ سے پورا بتاتے ہیں جس منہ سے کلمۂ ایمان پڑھتے ہیں اور قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں اور علامہ مدیر "النجم" دامت برکاتہم کی تخصیص نہیں تمام اہل سنت والجماعت قرآن موجود کو پورا قرآن بتاتے ہیں۔ چنانچہ آپ کی عبارت ۲ کے جواب میں علمائے اہل سنت کی عبارتیں نقل ہو چکیں اور تماشا تو یہ ہے کہ آپ کے علماء بھی اس کا اقرار کر چکے ہیں کہ تمام اہل سنت قرآن موجود کو کامل و مکمل جانتے ہیں اور جو اس کو ناقص کہے اس کو کافر قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ مسٹر حامد حسین "استقصاء الافحام" جلد اول ص۹ میں لکھتے ہیں:

"مصحفِ عثمانی کہ حضرات اہل سنت آن را قرآن کامل اعتقاد کنند و معتقدِ نقصانِ آن را ناقص الایمان بلکہ خارج از اسلام پندارند"

(ترجمہ) موجودہ قرآن جس کے متعلق اہل سنت پورا قرآن ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور جو شخص اس میں کمی یا رد و بدل کا قائل ہو اس کو ناقص الایمان بلکہ غیر مسلم سمجھتے ہیں۔

باقی رہا نسخ کا معاملہ تو اس سے قرآن کے پورا ہونے میں کوئی خلل نہیں آسکتا۔ کسی کتاب کا مصنف اس کتاب کے کسی حصہ کو نکال ڈالے تو اس سے وہ کتاب ناقص نہیں کہی جا سکتی، ہاں مصنف کے علاوہ کوئی اور شخص نکال ڈالے تو البتہ کتاب ناقص کہی جائے گی۔

② **بدایونی:** درآنحالیکہ اصلی قرآن میں سورہ "احزاب" دو سو آیات کی تھی۔

جواب: اصلی کا لفظ آپ نے بڑھایا ہے، "اتقان" کا حوالہ صریح خیانت ہے "اتقان" میں صرف یہ مضمون ہے کہ "سورۂ احزاب" میں دو سو آیتیں تھیں پھر اس سے تحریف کیونکر ثابت ہوئی۔ ہاں یہ ثابت کیجئے کہ یہ آیتیں جامع قرآن نے نکال ڈالیں تو البتہ تحریف ثابت ہو گی، پھر "اتقان" میں صاف تصریح موجود ہے کہ باقی آیتیں منسوخ ہو گئیں۔ نسخ ہی کی مثال میں اس روایت کو مصنفِ "اتقان" نے بھی لکھا ہے، اس سے آپ نے آنکھیں بند کر لیں، کیا خوب دیانت ہے۔

③ **بدایونی:** اور سنو "سورۂ توبہ" کا صرف ایک حصہ باقی رہ گیا، باقی تین حصے غائب ہو گئے۔

جواب: باقی تین حصوں کا غائب ہو جانا آپ کے الفاظ ہیں۔ "درِ منثور" میں ہرگز کوئی ایسا لفظ

نہیں جس کا ترجمہ یہ ہو سکے۔ اس سورت کا بھی جو حصہ اب نہیں ہے اس کا منسوخ ہونا روایات میں بالتصریح مذکور ہے [1]

④ **بدایونی :** اس سورت کی آخری آیات بڑی تلاش سے خزیمہ انصاری کے پاس دستیاب ہوئی تھیں

جواب : یہ تلاش صرف وقتِ نزول کی لکھی ہوئی آیت کی تھی ورنہ زبانی بہت سے لوگوں کو یاد تھی اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے متفرق پرچوں سے جو سورتیں مرتب کرائی تھیں ان میں بھی یہ آیت لکھی ہوئی تھی۔ یہ مضمون کہ لکھی ہوئی آیت کی تلاش تھی جناب حضرت علامہ مدیر "النجم" نے اپنی طرف سے نہیں بیان فرمایا، بلکہ علماء سابقین اس کو لکھ گئے ہیں "اتقان" کی اٹھارویں نوع میں یہ عبارت ملاحظہ ہو :

(۱) قال ابن حجر وکان المراد بالشاهدین الحفظ والکتاب۔

(۱) ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ دو گواہوں سے مراد حفظ اور کتابت ہے۔

پھر اس کے بعد فرماتے ہیں :

(۲) قال ابو شامة وکان غرضهم ان لا یکتب الا من عین ما کتب بین یدی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا من مجرد الحفظ ولذلك قال فی آخر سورة التوبة لم اجدها مع غیره ای لم اجدها مکتوبة مع غیره لانه کان لا یکتفی بالحفظ دون الکتابة۔

(۲) ابو شامہ کہتے ہیں کہ صحابہؓ کی غرض یہ تھی کہ جو مصحف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھے گئے تھے خاص انہیں سے نقل لی جائے نہ محض حفظ سے اسی وجہ سے "سورۂ توبہ" کی آخری آیت کے متعلق کہا کہ سوا حضرت خزیمہ کے کسی کے پاس نہ ملی، یعنی کسی اور کے پاس لکھی ہوئی نہ ملی کیونکہ بغیر لکھے ہوئے کے صرف حفظ پر کفایت نہ کی جاتی تھی۔

⑤ **بدایونی :** معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں اصحاب میں کوئی بھی پورے قرآن کا حافظ نہ تھا ورنہ جمع قرآن کے وقت یہ دشواری نہ آتی۔

جواب : صحابہ کرام رضؓ کی طرف انہی بدگمانیوں اور غلط خیالات نے قرآن آپ کے ہاتھ سے چھین لیا جو اب آپ کو کبھی نہیں مل سکتا۔ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ [2]

جنگ یمامہ میں جو چند ماہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوئی جو حفّاظ قرآن شہید ہو گئے تھے صرف ان کی تعداد ستّر تھی اور زندہ لوگوں میں جس قدر تعداد حفّاظِ قرآن کی ہوگی اس کا اندازہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کون کر سکتا ہے۔ اگر یہ حفّاظِ قرآن عہدِ نبوی کے نہ تھے تو جنگِ یمامہ میں کہاں سے آگئے۔ کیا چھ سات ماہ میں اتنے حافظ ہو گئے ؟

⑥ **بدایونی :** ہاں میاں عبدالشکور ذرا رسول اللہ کی تصدیق سے خلفائے ثلاثہ کا ایمان بالقرآن ثابت کر دیجئے۔

جواب : اس بیہودہ طریقے سے ایک عالم اہل سنت کا نام لینا تیرہ دزدونی اور زخم خوردگی

[1] دیکھئے "النجم" کا مناظرہ حصہ اول۔

[2] ترجمہ : "تا آنکہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو۔"

کا نتیجہ ہے۔ مگر یہ تو بتلایئے کہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ایمان بالقرآن اور وہ بھی تصدیق رسول سے ثابت کرنے کا مطالبہ اس مبحث سے کیا ربط رکھتا ہے۔ کیا جس طرح شیعہ حضرت علیؓ اور اپنے دوسرے ائمہ کا ایمان ثابت کرنے سے عاجز ہیں ایسا ہی اہل سنت کو سمجھتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ اس مبحث میں بھی حضرت علامہ نے ایک پہاڑ آپ کے سروں پر توڑ دیا ہے۔ "مباحثہ مکیریاں" دیکھئے جس میں چالیس دلائل حضرات خلفاء ثلاثہ کے مومن کامل ہونے پر پیش کیئے گئے ہیں جس کا جواب کئی سال گزرنے پر مولوی مرزا احمد علی شیعہ جو اس مباحثہ میں مدمقابل تھے، نہ دے سکے نہ کسی دوسرے مجتہد نے ہمت کی۔ اس کے بعد "ہزیمت شیعیان پنجاب"، جس میں بیس دلائل مزید اس مسئلہ پر اضافہ کیئے گئے ہیں۔

⑦ **بدایونی:** الغرض پورا قرآن موجود نہیں ہے اور نہ اس کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے۔

جواب: بعض آیات کے منسوخ ہو جانے سے قرآن کو پورا نہ کہنا یعنی محرّف جاننا بالکل غیر معقول بات ہے۔ "اتقان" کا حوالہ محض بے بنیاد ہے۔ سچے ہوں تو دکھلائیں۔

⑧ **بدایونی:** بی عائشہ کہتی ہیں کہ آیتِ رجم کے بعد رسول بھی تلاوت ہوتی تھی۔

جواب: ام المومنینؓ کی شان میں یہ تحقیر آمیز جملہ! اللہ تعالیٰ منتقم حقیقی ہے۔ آیتِ رجم کی پوری تحقیق "النجم" کے "مناظرہ حصہ اول" اور "تنبیہ الحائرین" میں دیکھئے کہ شیعوں کے امام میاں حامد حسین کی دیانت و قابلیت کا پردہ کس طرح چاک ہوا ہے۔

⑨ **بدایونی:** قرآن سے پورا سورۃ "نورین" غائب ہو گیا۔

جواب: یہ لطیفہ سب ہی سے نمبر لے گیا۔ ذرا یہ تو بتایئے کہ "دبستان المذاہب" کس کی کتاب ہے اور اس کے مصنف نے "سورۃ نورین" کی بابت سنیوں کا عقیدہ نقل کیا ہے یا شیعوں کا۔ افسوس ہے کہ حائری صاحب کو "دبستان المذاہب" کا حوالہ دینے پر کافی ذلت ہو چکی تھی مگر پھر بھی آپ لوگوں کے ہوش درست نہ ہوئے۔

⑩ **بدایونی:** قرآن موجود میں دو مکمل سورتیں یعنی "حفد و خلع" بالکل ندارد ہیں حالانکہ ابی بن کعب صحابی نے ان دونوں کو اپنے قرآن میں لکھا تھا۔

جواب: ان دونوں سورتوں کا بھی منسوخ ہونا روایات میں صراحۃً مذکور ہے دیکھئے "النجم" کا مناظرہ حصہ اول"۔ چونکہ یہ دونوں سورتیں قنوت وتر میں پڑھی جاتی ہیں اس لئے حضرت اُبی بن کعبؓ نے بطور یادداشت کے لکھ لی تھیں نہ بطور قرآنیت کے، ورنہ حضرت ابی بن کعبؓ جن لوگوں کو قرآن پڑھاتے تھے اُن کو یہ سورتیں بھی پڑھاتے۔ حالانکہ قرائے سبعہ کی متواتر سندوں میں حضرت اُبی بن کعبؓ سے جو قرآن شریف منقول ہے وہ یہی قرآن ہے نہ اس میں سورۃ "حفد" ہے نہ سورۃ "خلع"۔

⑪ **بدایونی:** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے اُبی بن کعبؓ کے قرآن کو واجب التمسک بتایا تھا۔

جواب: یہ مضمون آپ کا طبع زاد ہے حضرت اُبی بن کعبؓ کے قرآن کو واجب التمسک بتانا کسی حدیث میں نہیں ہے۔ نہ عند التحقیق حضرت اُبی بن کعبؓ کا کوئی قرآن ہمارے قرآن کے علاوہ ثابت ہوتا ہے۔

⑫ **بدایونی:** لہذا عبد الشکور صاحب بہت جلد قرآن میں یہ دونوں سورتیں دکھائیں ورنہ ان کا قول مثل بول متصور ہوگا کہ یہ مفتری اپنی ذات کو مومن سمجھتا ہے اور ہمیں کافر۔

جواب: آپ کے پیشوا ابو بصیر صاحب کے منہ میں کتے نے پیشاب کر دیا تھا (دیکھئے اپنی کتاب "تنقیح ص۱۶۱") غالباً اسی وقت سے آپ کو ہر اہل ایمان کا قول مثلِ بول معلوم ہوتا ہے ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا نظر آتا ہے۔

عبارت دُرِّ نجف ۴

بقول[1] حضرت عثمان اس قرآن میں غلطیاں ہیں۔ دیکھو "دُرِ منثور صـ ۲۴۶ ج ۲" "اتقان"، "معالم التنزیل"، "الیواقیت والجواہر" اور سنو تمہارے مذہب میں بسم[2] اللہ کسی سورت کا جزء نہیں ہے۔ ورنہ تمہاری نماز بغیر بسم اللہ کے نہ ہوتی۔ تمہارے دینِ مصنوعی کے لحاظ سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا کہ یہ قرآن جو تمہارے زعم ناقص میں مکمل ہے۔ لوحِ محفوظ کے مطابق اترے ہوئے قرآن کی نہ آیتیں مرتب ہوئی تھیں اور نہ سورے۔ دیکھو "ازالۃ الخفاء" اور "مقدمہ تفسیر حقانی صـ ۸۳" قرآن موجود کی ترتیب[5] موافق تنزیل نہیں ہے۔ دیکھو "بخاری"، منزل ۲ صـ ۱۲۳ ۔ مزید ثبوت آگے آتا ہے۔ عبدالشکور صاحب فرماتے ہیں کہ اگر آیۂ[6] اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ کے ذریعہ سے اصلی وغیر مجموع قرآن کی حفاظت کا وعدہ خدا نے فرمایا تھا تو وہ کہاں محفوظ رہا۔ اس قرآن میں بہت سی آیات و تین سورتیں موجود نہیں۔ نیز آیۂ رضاع کبیر بھی نہیں ہے جسے بقول حضرت عائشہ بکری کھا گئی۔ دیکھو "محاضراتِ راغب"۔ نیز آیۂ رجم بھی اس کا جزء تھی۔ دیکھو "اتقان"، "جمع الجوامع"، "کنز العمال" اور اگر خدا نے اس قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے جو بقول حضرت عثمان غلط ہے اور بقول مفسرین[8] و محدثین اہل سنت ناقص بھی ہے اور اس پر آپ کا اور آپ کے بزرگوں کا ایمان بھی ہے۔ تو فرمایئے[9] ہمارا ایمان اس قرآن پر کس لئے نہیں ہو سکتا ہے۔ مُلّاجی[10] تم بڑے غدار ہو کہ جھوٹی باتیں اڑایا کرتے ہو شرم کرو۔ انہیں بے ہودہ حرکتوں سے تم کو علمائے اہل سنت نے کافر[11] بنایا ہے مگر تم کو حیا نہیں آتی اور چلو بھر پانی میں ڈوب نہیں مرتے کہ قصہ[12] پاک ہو اور سنو تم کو[13] کس لئے قرآن کو غیر مخلوق اور قدیم کہتے ہو اور تمہارے بھائی بند بعض حنابلہ کس قرآن کی جلد و غلاف کو قدیم بتاتے ہیں۔ تعدد[14] قدماء کا عقیدہ رکھنے والو سمجھ کر جواب دینا، مشرک کو ایمان لگتی کہنا۔ پس اگر عہدِ رسولؐ والا قرآن غیر مخلوق ہے جو مجموع و مجلد نہ تھا تو اس کا وجود صفحۂ ہستی سے غائب ہے اور اگر یہ قرآن مراد ہے تو اس کے خالق جناب عثمان ہیں پھر کیسے قدیم ہو سکتا ہے۔

① بدایونی: بقولِ حضرت عثمان اس قرآن میں غلطیاں ہیں

جوابات

افسوس اس میں بھی آپ نے خیانت سے کام لیا، خود تفسیر "اتقان" میں اِن روایتوں کا غیر معتبر ہونا بخوبی واضح کر دیا گیا ہے (اس کے باوجود بھی آپ نے) "اتقان" کا حوالہ تو دیدیا لیکن جرح کا ذکر (تک) بھی نہ کیا۔ دیکھیے صاحبِ "اتقان" اِن روایات کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

(۱) وقد اجاب العلماء عن ذلك بثلثة اوجه احدها ان ذلك لا يصح عن عثمان فان اسناده ضعيف مضطرب منقطع۔	علماء نے ان روایات کا جواب تین طریقے سے دیا ہے، ایک طریقہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضؓ سے ان روایتوں کا ثبوت صحیح نہیں کیونکہ سند ان کی ضعیف، مضطرب اور منقطع ہے۔
	پھر اس کے بعد لکھتے ہیں :
(۲) وھٰذہ الاٰثار مشکلۃ جدًا وکیف یظن بالصحابۃ اولًا انھم یلحنون فی الکلام فضلًا عن القرآن وھم الفصحاء ثم کیف یظن بھم ثانیا فی القرآن الذی تلقوہ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما انزل وحفظوہ وضبطوہ و اتقنوہ ثم کیف یظن بھم ثالثًا اجتماعھم کلھم علی الخطاء وکتابتہ ثم کیف یظن بھم رابعًا عدم تنبھھم ورجوعھم عنہ ثم کیف یظن بعثمان انہ ینھی عن تغییرہ ثم کیف یظن ان القرآن استمر علی مقتضی ذلک الخطاء وھو مروی بالتواتر سلفًا عن خلف، ھٰذا مما یستحیل شرعًا وعقلًا وعادۃً	(۲) یہ روایات نہایت قابلِ اعتراض ہیں۔ اولًا یہ کہ صحابہ رضؓ کی طرف یہ گمان کیونکر ہوسکتا ہے کہ وہ معمولی بات چیت میں غلطی کرتے ہوں چہ جائیکہ قرآن میں، حالانکہ وہ بڑے مشّاق اور فصیح تھے۔ ثانیاً پھر یہ گمان اُن کی طرف کیسے کیا جائے کہ جس قرآن کو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا تھا جیسا کہ وہ نازل ہوا تھا اور اس کو حفظ کیا تھا اور خوب ضبط کیا تھا اس میں وہ غلطی کرتے، ثالثًا پھر یہ گمان ان کی طرف کیونکر کیا جائے کہ سب کے سب اس غلطی پر اور اس کے لکھنے پر متفق ہوگئے۔ رابعًا پھر یہ گمان ان کی طرف کیسے ہوسکتا ہے کہ اُن کو اس غلطی پر تنبہ ہوا اور انہوں نے اس سے رجوع نہ کیا ہو پھر حضرت عثمان کی طرف یہ خیال کیسے کیا جائے کہ وہ اُس غلطی کی اصلاح سے منع کرتے پھر یہ خیال کس طرح کیا جاسکتا ہے کہ قرآن میں وہ غلطی برابر قائم رہے حالانکہ قرآن سلفًا عن خلفٍ بتواتر نقل ہو رہا ہے۔ یہ باتیں شرعًا، عقلًا اور عادتًا محال ہیں۔

اس عبارت میں علامہ سیوطیؒ نے ایسی زبردست جرح ان روایات پر کی ہے جس کی خوبی علم حدیث کے جاننے والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اصول حدیث میں یہ بات طے ہوچکی ہے کہ جو روایت کسی محال عقلی یا شرعی یا عادی پر شامل ہو وہ جھوٹی سمجھی جائے گی اگرچہ اس کی سند میں کوئی راوی جھوٹا نہ معلوم ہوتا ہو۔ پس علامہ ممدوح کا یہ کہنا کہ یہ روایتیں محال شرعی اور محال عقلی اور محال عادی پر شامل ہیں ان روایات کے موضوع ہونے کو مدلل کرتا ہے۔

علامہ حکیم ترمذی ان روایات کی بابت "نوادر الاصول" میں فرماتے ہیں :

(۱) والعجب من ھٰؤلاء الرُّواۃ، احدھم یروی عن ابن عباس انہ قالہ فی قولہ حتّٰی تستأنسوا و	(۱) ان راویوں سے تعجب ہے کوئی ان میں روایت کرتا ہے کہ ابن عباس رضؓ نے حتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا کو کاتب کی غلطی بتلایا اور کہا کہ صحیح تَسْتَاْذِنُوْا ہے، میں ان روایات کو سوا اس کے

تُسْلِمُوْا هو خطأ من الكاتب انما هو تستأذنوا وتُسَلِّمُوْا۔ وما اری مثل هذه الروایات الا من کید الزنادقة فی هذه الاحادیث انما یریدون ان یکیدوا للاسلام بمثل هذه الروایات۔ فیا سبحان الله کان کتاب الله بین ظهرانی اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم فی مضیعة حتی کتب الکتاب فیها ماشاءوا اوازدادوا او نقصوا۔

کچھ خیال نہیں کرتا کہ زندیقوں کی ساختہ پرداختہ ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ ایسی روایات بنا کر اسلام کے ساتھ فریب کریں۔ سبحان اللہ گویا خدا کی کتاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے سامنے ایک کھیل ہو گئی کہ کاتبوں نے اس میں جو چاہا لکھدیا، بڑھا دیا یا گھٹا دیا۔

علامہ زمخشریؒ ان روایات کی نسبت لکھتے ہیں:

وهی والله فریة بلا مریة — یہ روایتیں اللہ کی قسم افترا کی ہوئی ہیں اس میں کچھ شک نہیں

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ بھی فتح الباری" میں اگرچہ ان روایات کو بلحاظ سند کے مجروح نہیں کہتے تو بھی یہ فرماتے ہیں کہ کان غیرها المعتمد۔ یعنی ان روایات کے خلاف پر اعتماد ہے۔ یہ روایتیں قابل اعتماد نہیں ہیں

المختصر یہ روایات بالکل مجروح ناقابل اعتماد ہیں اور بفرض تسلیم ان روایات کا وہی مطلب ہو جو آپ لکھتے ہیں تو تفسیر" اتقان" میں اُن کی تاویل بھی لکھی ہوئی ہے۔

② **بدایونی:** اور سنو تمہارے مذہب میں بسم اللہ کسی سورت کا جزء نہیں ہے ورنہ تمہاری نماز بغیر بسم اللہ کے نہ ہوتی۔

جواب: اس مسئلہ کا یہاں کوئی ربط معلوم نہیں ہوتا۔ شاید مقصود یہ ہو، جس کو مولوی اعجاز حسن صاحب ظاہر نہیں کر سکے کہ بسم اللہ جزء سورت نہیں پھر ہر سورت کے شروع میں کیوں لکھی ہے اس سے فی القرآن اضافہ ثابت ہو گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ بسم اللہ جو ہر سورت کے شروع میں لکھی ہوئی ہے بیشک حنفیہ کے نزدیک سورت کا جزء نہیں ہے بلکہ آیت مستقل ہے جو ہر سورت کے شروع میں اس لئے نازل ہوئی ہے کہ جدید سورت کا آغاز معلوم ہو جائے۔ لہذا بسم اللہ کا ہر سورت کے آغاز میں لکھنا اضافہ فی القرآن تو جب ہوتا کہ کسی انسان کا کلام اس میں لکھدیا جاتا۔ حضرت استاذ الاساتذہ مولانا الشیخ عبد الحی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ایک مستقل رسالہ ہے " احکام القنطرۃ فی احکام البسملۃ" اس میں نہایت مفصل و مدلل طریقہ سے اس مسئلہ کو بیان فرمایا ہے، جس کو زیادہ تحقیق منظور ہو وہ اس رسالہ کا مطالعہ کرے۔

③ **بدایونی:** یہ قرآن جو تمہارے زعم ناقص میں مکمل ہے، لوحِ محفوظ کے مطابق اترے ہوئے

قرآن کی نہ آیتیں مرتب ہوئی تھیں اور نہ سورے۔

جواب: الحمد للہ آپ نے اس قول میں مان لیا کہ قرآن ہمارے خیالات فی عقائد میں مکمل ہے۔ رہا یہ کہ آپ لوگ ہمارے اس خیال کو ناقص کہتے ہیں یہ حق بجانب ہے قرآن شریف کی عداوت اسی کو چاہتی ہے کہ جو شخص قرآن کو مکمل جانے اس کے خیال کو ناقص کہا جائے۔ قرآن شریف کو مکمل کہنے سے جن کے دل زخمی ہوتے ہیں وہ مکمل کہنے والوں کو جس قدر گالیاں دیں معذور ہیں۔

④ **بدایونی:** جبکہ لوح محفوظ سے اترے ہوئے قرآن کی نہ آیتیں مرتب تھیں ورنہ سورتیں۔ دیکھو "ازالۃ الخفاء"

جواب: ہماری دیکھی ہوئی ہے ہم اوپر بروایات معتبر ثابت کر چکے ہیں کہ آیات قرآنیہ کی ترتیب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دے گئے تھے۔ "ازالۃ الخفاء" کی عبارت اس کے خلاف نہیں ہے۔

⑤ **بدایونی:** قرآن موجود کی ترتیب موافق تنزیل نہیں ہے۔

جواب: یہ تو ہم سب مانتے ہیں کہ یہ ترتیب مطابق نزول نہیں ہے بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت اور آپ کی تعلیم کے مطابق ہے جیسا کہ اوپر واضح ہو چکا ہے۔

⑥ **بدایونی:** عبدالشکور صاحب فرمائیے کہ اگر آیہ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ کے ذریعہ سے اصلی و غیر جمع شدہ قرآن کی حفاظت کا وعدہ خدا نے فرمایا تھا تو وہ کہاں محفوظ رہا اس قرآن میں بہت سی آیات و تین سورتیں موجود نہیں

جواب: اس آیت میں اسی قرآن کی حفاظت کا وعدہ ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا جس کو حضورؐ نے لکھوایا، جس کی آیتوں کو مرتب کیا، جس کو امت کے لئے قیامت تک کے واسطے رہنما بنایا، اور فرمایا انی تارک[1] فیکم الثقلین۔ اب رہا یہ کہ جب حفاظت کا وعدہ تھا تو اس کی کچھ آیتیں منسوخ کیوں ہوئیں تو خوب یاد رکھئے کہ نسخ منافی حفاظت نہیں۔ حفاظت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ غیر اس میں تصرف نہ کر سکے نہ یہ کہ خدا بھی تصرف نہ کر سکے۔ ان آیتوں کو خدا نے منسوخ کیا نہ یہ کہ کسی نے نکال ڈالا

⑦ **بدایونی:** نیز آیہ "رضاع کبیر" بھی نہیں ہے جسے بقول حضرت عائشہ بکری کھا گئی۔

جواب: آیہ "رضاع کبیر" بھی منسوخ ہو چکی ہے اور کسی کاغذ کو بکری کا کھا جانا ایک معمولی واقعہ ہے آج روزانہ سینکڑوں نسخے قرآن شریف کے تلف ہوتے رہتے ہیں اس سے قرآن پاک پر کیا اثر پڑتا ہے۔ روایت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بکری کے کھا جانے کے سبب یہ آیت درج مصحف ہونے سے رہ گئی۔

⑧ **بدایونی:** اور اگر خدا نے اس قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے جو بقول حضرت عثمان غلط ہے اور بقول مفسرین و محدثین اہل سنت ناقص بھی اور اسی پر بس نہیں، آپ کا اور آپ کے بزرگوں کا ایمان یہی ہے۔

جواب: بالکل جھوٹ ہے جب ہی تو کسی مفسر یا محدث کا قول نہیں پیش کیا نہ پیش کر سکتے ہو۔

⑨ **بدایونی:** تو فرمائیے ہمارا ایمان اس قرآن پر کیوں نہیں ہو سکتا؟

جواب: کتنی مرتبہ فرمائیں، النجم کے "مناظرہ حصہ اول" میں فرمایا، "امروہہ کے مناظرہ"

[1] میں تمہارے لئے دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں (مراد قرآن و سنت ہیں) (از ادارہ)

ہیں فرمایا " مباحثہ مکیریاں" ضلع ہوشیارپور میں فرمایا" لکھنؤ میں پنڈت جگت پرشاد والے مباحثہ میں فرمایا، "تنبیہ الحائرین" میں فرمایا، " الاول من المائتین" نمبر اول میں فرمایا اور اب پھر شوق ہے تو سنیئے :

شیعوں کا ایمان نہ اس قرآن پر ہو سکتا ہے نہ کسی اور قرآن پر اور اس دعویٰ کی بنیاد ایسی روایات پر نہیں ہے جیسی روایات آپ لوگ کتب اہل سنت سے پیش کرتے ہیں کہ وہ روایات اول تو اخبار احاد ہیں دوسرے اُن کی صحت میں بہت کلام ہے، ان میں سے اکثر کی صحت تو قطعاً ثابت نہیں ہو سکتی۔ تیسرے ان روایات کا مفہوم سوا نسخ یا اختلافِ قرأت کے اور کچھ نہیں ہے۔ کسی عالم اہل سنت نے آج تک اِن روایات سے تحریف کا مفہوم بطور احتمال کے بھی نہیں سمجھا۔ اگر مولوی اعجاز حسن یا ان کے اکابر ثابت کر دیں کہ ایسی روایات کی بنیاد پر مدیر " النجم " یا کسی اور عالم اہل سنت نے کہا ہے کہ شیعوں کا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہو سکتا تو باللہ العظیم میں اس قول کو واپس لینے کے لئے تیار ہوں مگر نہیں علمائے اہل سنت ایسے غیر منصف، ایسے ناخدا ترس اور لاغی نہیں ہیں کہ اتنا بڑا الزام چند ایسی روایات کی بنا پر رکھ دیتے جو علاوہ متواتر نہ ہونے کے پایۂ صحت کو بھی نہیں پہنچتیں اور باایں ہمہ تحریف پر صراحتہً دلالت بھی نہیں کرتیں بلکہ علمائے اہل سنت کے اس دعوی کی بنیاد تین چیزوں پر ہے :

اول یہ کہ مذہب شیعہ نے تمام صحابہ کرامؓ کو جھوٹا مانا ہے، حضرات خلفائے ثلاثہ اور ان کے ساتھیوں کو بھی اور حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں کو بھی۔ اور جب طبقۂ صحابہؓ سب کا سب جھوٹا مان لیا گیا تو ظاہر ہے کہ قرآن اور دین کی ہر چیز جو ما بعد والوں کو انہیں جھوٹوں کی نقل و روایت سے ملی ہے قابل اعتماد نہ رہی۔ نہ اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت ہو سکتی ہے، نہ قرآن کا کلامِ الٰہی ہونا۔ قطع نظر اس سے کہ وہ یہ قرآنِ موجود ہو یا خیالِ شیعہ امام غائب کا فرضی قرآن۔

دوم یہ کہ بلا اختلاف تمام شیعہ قرآنِ موجود کو حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا جمع کیا ہوا اور شائع کیا ہوا مانتے ہیں اور حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو وہ دین کا دشمن اور درپے تخریب دین جانتے ہیں اور ظاہر ہے کہ خدا نے اُن کو دنیا میں ایک بڑی بادشاہت اور ایک اعلیٰ طاقت عنایت کی تھی ہر قسم کا اختیار سفید و سیاہ کا اُن کو حاصل تھا۔ پس جب ایسے باقوت اور با اختیار کامل دشمنِ دین کے ہاتھ سے دین کی وہ کتاب ملے جس پر دین کی بنیاد ہے تو کیوں کر یقین ہو سکتا ہے کہ اُس دشمن کے تصرف سے محفوظ ہو گی اور جب یہ یقین نہ ہو سکا تو اس پر ایمان کیونکر ممکن ہے۔ اب رہا یہ کہ گو دشمن دین کے ہاتھ سے یہ قرآن ملا مگر چونکہ ائمہ نے تصدیق کر دی ہے کہ اُس دشمن نے کوئی کمی بیشی، کسی قسم کا تغیر و تبدل اُس میں نہیں کیا۔ اس وجہ سے قرآن پر ایمان حاصل ہوا

تو ایسی کوئی تصدیق کسی امام کی، کتب شیعہ میں موجود نہیں ہے۔

سوم یہ کہ شیعوں کی معتبر کتابوں میں ائمہ معصومین سے قرآن میں پانچ قسم کی تحریف کی روایات موجود ہیں کمی[1] بیشی[2]، تبدیلِ الفاظ[3]، تبدیلِ حروف[4]، خرابیٔ ترتیب[5] اور ان روایات کے ساتھ علمائے شیعہ کے یہ تین اقرار بھی موجود ہیں۔ ایک اقرار یہ کہ یہ روایات متواتر ہیں، زائد از دو ہزار ہیں مسئلہ امامت کی روایات سے کم نہیں ہیں۔ دوسرا اقرار یہ کہ یہ روایات تحریفِ قرآن پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں۔ تیسرا اقرار یہ کہ انہیں روایات کے مطابق شیعہ تحریفِ قرآن کے معتقد ہیں۔

ان تینوں باتوں کا ثبوت اپنی کتابوں سے دیکھنا ہو تو کم از کم "مناظرۂ امروہہ" اور "تنبیہ الحائرین" کا مطالعہ کیجئے۔ کیوں مولوی اعجاز حسن صاحب اب بھی آپ کو معلوم ہوا کہ شیعوں کا ایمان قرآن شریف پر کیوں نہیں ہو سکتا۔ کتبِ شیعہ میں جو زائد از دو ہزار روایتیں تحریفِ قرآن کی ہیں ایسی صاف اور صریح ہیں کہ ان کے دیکھنے کے بعد ایک ناواقف شخص کو حیرت ہوتی ہے اور پھر ان روایتوں کے بعد جو شیعہ اپنے کو منکرِ تحریف کہتے ہیں یا اہلِ سنت کی روایاتِ نسخ و اختلافِ قرأت کو اپنی روایات کا مماثل کہتے ہیں تو حیرت بالائے حیرت ہی ہے۔

جو روایات "تنبیہ الحائرین" وغیرہ میں درج ہیں ان کے بعض فقرات ملاحظہ ہوں:

(۱) انھم اثبتوا فی الکتاب مالم یقلہ اللہ لیلبسوا علی الخلیقۃ،	(۱) مخلوقِ خدا کو گمراہ کرنے کی غرض سے منافقین (خلفاء ثلثہ) نے قرآن میں وہ باتیں درج کر دیں جو اللہ تعالیٰ نے نہ فرمائی تھیں
(۲) وتضمینہ من تلقاھم مایقیمون دعائم کفرھم،	(۲) وہ باتیں درج کیں جن سے وہ اپنے کفر کے ستونوں کو قائم کر سکیں،
(۳) والذی بدا فی الکتاب من الازراء علی النبی صلی اللہ علیہ والہ من فریۃ الملحدین،	(۳) قرآن میں جو برائی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہر ہوتی ہے وہ انہی ملحدین (خلفاء ثلاثہ) کی افتراء کردہ ہے،
(۴) زادوا فیہ ماظھر تنافرہ وتناکرہ،	(۴) قرآن میں ان عبارتوں کا اضافہ کیا جن کا خلافِ فصاحت و بلاغت ہونا بدیہی ہے۔
(۵) ولو شرحت لک کل ما اسقط وحرف و بدل لطال وظھر ما تحظر التقیۃ اظھارہ،	(۵) اگر میں تجھ سے وہ تمام مقامات بیان کر دوں جہاں کمی کی گئی اور تحریف کی گئی اور بدلا گیا تو طول ہوگا اور تقیہ جس بات کے ظاہر کرنے کو منع کرتا ہے وہ ظاہر ہو جائے گی[ع]
(۶) لولا انہ زید فی القرآن و نقص ماخفی حقنا علی ذی حجی۔	(۶) اگر قرآن کمی بیشی سے محفوظ رہتا تو ہمارا حق کسی ہوشمند پر مخفی نہ رہتا۔

[ع] سب سے بڑا اور اصل خسارہ تقیہ سے محرومی ہے نہ کہ قرآن کی تکذیب و توہین۔ (از ادارہ)

(۱۰) **بدایونی:** ملاجی تم بڑے غدار ہو کہ جھوٹی باتیں اڑایا کرتے ہو، شرم کرو۔

جواب: کافروں نے پیغمبروں کو اسی قسم کی گستاخانہ باتیں کہی تھیں جو آج تم ایک عالم اسلام کی شان میں کہتے ہو۔ خیر تم نے تو محض بے وجہ اور بے ثبوت بات کہدی مگر ہم سے سنو غدار وہ ہیں جن کے مذہب میں جھوٹ بولنا اعلیٰ عبادت، اعلیٰ ترین فرض ہے۔ دین کے ۹/۱۰ حصہ جھوٹ بولنے میں ہیں، جو جھوٹ نہ بولے وہ بے دین و بے ایمان ہے۔ جن کے ائمہ کا یہ بیان ہے کہ ہمارا اور ہمارے باپ دادا کا دین تقیہ یعنی جھوٹ بولنا ہے[۱]۔ غدار وہ ہیں جن کے اسلاف نے خود ائمہ کے سامنے اقرار کیا کہ جو لوگ تمہاری امامت کے ماننے والے ہیں ان میں نہ امانت ہے، نہ سچائی نہ وفا[۲]۔ غدار وہ ہیں جن کے اسلاف نے حضرت امام حسین رضی کو دغا سے کوفہ بلا کر شہید کیا اور پھر کئی بار یہ اقرار کیا کہ امام حسین پر جو مصیبت آئی ہماری بے وفائی سے آئی "مجالس المومنین"[۳] کی یہ عبارت قابل دید ہے کہ "بعد[۴] از آنکہ امام حسین را طلب داشتیم تیغ بر روی او کشیدیم تا از بیوفائی ما رسید آنچہ بہ او رسید" غدار وہ ہیں جن کے اسلاف کو امام زین العابدین نے کربلا سے چلتے وقت اَیُّهَا الْغَدَرَةُ الْمَكَرَةُ[۵] کہا۔ مولوی اعجاز حسن صاحب ابھی غداروں کا پتہ میں خود آپ ہی کی کتابوں سے آپ کو اور بہت کچھ بتلاتا مگر طول کے خیال سے صرف اسی پر اکتفا کرتا ہوں آئندہ انشاء اللہ دیکھا جائے گا۔

(۱۱) **بدایونی:** ان ہی بیہودہ حرکتوں سے تم کو علمائے اہل سنت نے کافر بنایا ہے، مگر تم کو حیا نہیں آتی اور چلو بھر پانی میں ڈوب نہیں مرتے۔

جواب: اچھا پھر آپ کو کیا۔ چند بے ضمیروں کا اشتہار جس میں آپ کا ہاتھ کام کر رہا ہے، اس پر آپ کو اس قدر ناز کیوں۔ پھر اس اشتہار میں بھی کافر کا لفظ نہیں۔ بالفرض بعض حضرات نے اگر ایسا کیا تو اختلاف مسلک کے سبب سے لیکن آپ اپنے قبلہ حائری صاحب کو دیکھئے کہ ان کو خود ان ہی کے ہموطن یعنی لاہوری شیعوں نے بغیر اختلاف مسلک کیا کچھ نہیں لکھا، جعلی مجتہد، مکار، بدمذہب، بے علم وغیرہ وغیرہ[۶]۔

(۱۲) **بدایونی:** قصہ پاک ہو۔

جواب: اس لفظ سے اس عداوت کا پتہ چلتا ہے جو تمہارے دلوں میں حضرت ممدوح سے ہے تم ان کی حیات طیبہ کو اپنے لئے مصیبت سمجھتے ہو اور عورتوں کی طرح کوستے رہتے ہو۔ اس کے جواب میں ہم وہی آیت پڑھتے ہیں۔ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ[۷]

(۱۳) **بدایونی:** اور سنو تم کون سے قرآن کو غیر مخلوق اور قدیم کہتے ہو اور تمہارے بھائی بند بعض حنابلہ کس قرآن کی جلد و غلاف کو قدیم بتاتے ہیں۔

جواب: اول تو اس مسئلہ کو اس بحث سے کوئی تعلق نہیں دوسرے نہایت افسوس

---

[۱] اصول کافی ص۴۸۲۔ [۲] اصول کافی ص۲۳۳۔ [۳] "مجالس المومنین" [۴] پھر جب امام حسین کو ہم نے بلایا تو ان کے سامنے تلوار نکالی یہاں تک کہ ہماری بے وفائی سے جو کچھ انہیں پہنچنا تھا وہ پہنچ گیا۔
[۵] اے غدارو اور مکارو [۶] دیکھئے اخبار ذوالفقار لاہور [۷] تمہیں تمہاری جلن کھا جائے

کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مضمون نگار کو اب تک علم کلام کا یہ مشہور مسئلہ بھی معلوم نہیں سنئیے ہم اس قرآن کو غیر مخلوق و قدیم کہتے ہیں جو خدا کا کلام ہے کیوں کہ وہ خدا کی صفت ہے ہر کلام اپنے متکلم کی صفت ہوتا ہے اور خدا کی ذات جس طرح قدیم ہے اسی طرح اس کی صفات بھی قدیم ہیں۔ باقی رہا یہ کہ ہم جو تلاوتِ قرآن کرتے ہیں یہ ہمارے الفاظ ہیں جن کے ذریعے سے اصل کلام الٰہی کی حکایت ہوتی ہے تو ہم اپنے الفاظ تلاوت کو قدیم نہیں کہتے اور جلد و غلاف کیا معنیٰ ان نقوش کو بھی قدیم نہیں کہتے جو قرآن پر دلالت کرتے ہیں خواہ وہ نقوش آج لکھے جائیں یا زمانۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھے ہوئے ہوں۔

⑭ **بدایونی:** تعددِ قدماء کا عقیدہ رکھنے والو سمجھ کر جواب دینا، شرکو ایمان لگتی کہنا لیں اگر عہدِ رسولؐ والا قرآن غیر مخلوق ہے جو مجموع و مجلد نہ تھا تو اس کا وجود صفحۂ ہستی سے غائب ہے اور اگر یہ قرآن مقصود ہے تو اس کے خالق جنابِ عثمان ہیں تو پھر کیسے قدیم ہو سکتا ہے۔

جواب: استغفر اللہ تعددِ قدماء کیسا! خدا کی صفات کو قدیم کہا گیا ہے نہ کسی اور چیز کو۔ آپ اپنی خبر لیجئیے کہ معتزلہ کی زلہ ربائی کر کے آپ لوگوں نے صفات کا انکار کر دیا لہٰذا منکرِ صفات ہو کر ہم کو تعددِ قدماء کا قائل کہتے ہو۔ شرم کرو پھر اپنا یہ عقیدہ تو دیکھو کہ تم تعددِ خالق کے قائل ہو خدا کے سوا لاتعداد اور بے شمار خالق مانتے ہو بندوں کو اپنے افعال کا خالق کہتے ہو چنانچہ چند سطر کے بعد تم نے حضرت عثمانؓ کو قرآن کا خالق کہا ہے جس سے علاوہ گمراہی کے تمہاری لاعلمی کیا، جہالت ٹپکی ہی ہے۔ تمہارے مذہب کی رو سے حضرت عثمانؓ اگر خالق ہوں گے تو اس قرآن کے جو انہوں نے لکھا تھا لہٰذا ان کاتبوں اور پریس مینوں کو بھی خالقِ قرآن کہنا چاہئیے استغفر اللہ ثم استغفر اللہ

عبارت دُرِ نجف ۵

ستو رسولؐ کی رحلت کے بعد جناب ابوبکر نے زید بن ثابت سے قرآن جمع کرایا تھا[1]۔ زید نے صرف آیات کو جمع کیا تھا سورے مرتب نہ کیے تھے[2]۔ زید نے ہر ایک آیت دو عادلوں کی گواہی سے لکھی تھی مگر سورہ توبہ کی آخری آیات صرف خزیمہ کے پاس ملی تھیں[3]

کیوں ملا جی صرف خزیمہ کے پاس ان آیتوں کا ملنا اور کسی صحابی کے پاس موجود نہ ہونا قرآن کے عدمِ تواتر کے لئے دلیل نہیں ہو سکتا۔ زید حضرت عمر کے نزدیک معتمد نہ تھے[4]۔ عمر صاحب نے زید پر قرآن میں کمی اور زیادتی کا جرم لگایا تھا[5]۔ جب ہی تو عمر صاحب نے سالہا سال اصحاب سے مناظرہ کر کے قرآن کی تصحیح فرمائی۔ غلط چیزوں کو اس میں سے چھانٹا تھا[6]۔ افسوس میاں زید کی محنت برباد ہوئی حضرت ابوبکرؓ کا قرآن غلط ثابت ہوا جس کی ہر ایک آیت دو عادلوں کی گواہی

[1] "فتح الباری" [2] "فیض الباری" [3] "اتقان" [4] "اتقان" وغیرہ [5] "کنز العمال" [6] "ازالۃ الخفاء"

سے لکھی گئی تھی۔ اس میں فضول لمبی مرتی ثابت ہونے سے بدلِ صحابہ اور ایمانِ صحابہ
کے ساتھ حضرت ابوبکر کا ایمان رخصت ہوا کہ یہ مدت سب نادار قرآن ہم ایمان رہے
تھے۔ اور بتلائیے قرآن کی تصحیح ختم ہونے تک جناب عمر کا کون سے قرآن پر ایمان تھا
سمجھکر جواب عنایت ہو۔ خیر لے دے کے صحیح قرآن مہیا ہو گیا۔ مگر صرف آیات مرتب کی گئیں
کہ دورِ عثمانی شروع ہو گیا۔ آپ کو بھی جامع القرآن ہونے کی ہوس ہوئی۔ آپ نے زید جیسے
نامعتمد آدمی کو یہ خدمت عطا فرمائی ہاں چند بنی امیہ بد کے مددگار بنا دیئے گئے۔ نتیجہ خلاف
سیرت شیخین نے قرآنی حلیہ بدلا کہ سورے بھی مرتب ہو گئے اور صرف قریش کے محاورات میں قرآن لکھا
گیا باقی چھ زبانوں کے محاورے اس میں سے چھانٹے گئے۔ نہ معلوم جناب عثمان کو یہ حق کہاں سے حاصل
ہو گیا تھا کہ خدا تو قرآن کو سات زبانوں میں نازل فرمائے، رسول اللہ اور حضرت ابوبکر و عمر نے شان نزول
کا لحاظ رکھا مگر آپ نے ایجادِ بندہ فرمائی۔ اب بتاؤ اصلی قرآن کہاں محفوظ رہا۔ سات زبانوں میں قرآن کا
اُترنا اور جناب عثمان کا صرف زبانِ قریش میں لکھوانے کا تذکرہ "فتح الباری" وغیرہ میں موجود ہے۔ اب ایمانِ
عثمانی کے متعلق فیصلہ تمہارے ہاتھ ہے۔ اب قرآنِ موجود کی ترتیبِ آیات و سُوَر بھی ملاحظہ
ہو۔ تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے سورہ "اِقْرَأْ" نازل ہوئی تھی مگر اب تو دیکھو وہ
کہاں ہے۔ آیات کی بے ڈھنگی ملاحظہ ہو کہ قاعدہ سے اول منسوخ ہونا چاہیئے پھر ناسخ۔ مگر قرآن
میں اول ناسخ ہے نہ کہ منسوخ۔ ثبوت کے لئے دیکھو دوسرے پارہ کا چودھواں رکوع۔ اس میں عدتِ وفات
کی آیت موجود ہے جس سے عدتِ وفات کی مدت چار ماہ دس روز ظاہر ہوتی ہے اس کے بعد
والے رکوع میں آیتِ منسوخہ دیکھ لو جس سے عدتِ وفات کی مدت ایک سال معلوم ہوتی ہے۔ منسوخ
کے مؤخر ہونے کے علاوہ یہ دوسری آیت بالکل بے ربط مقام میں لکھی گئی ہے۔ جیسے آیۂ تطہیر
ازواج نبی کے تذکرہ میں ٹھونس دی گئی ہے۔ اور سنو بارہویں پارہ کے چوتھے رکوع میں طوفانِ
نوح کا قصہ عجیب عنوان میں لکھا گیا ہے جس سے جامعِ قرآن کی جہالت کا طوفانِ بے تمیزی
اُبلتا ہے۔ پسرِ نوح ڈوب چکا، پانی کم ہو چکا، کشتی نوح کوہِ جُودی پر ٹھہر چکی، قصہ پاک
ہو چکا لیکن جناب نوح کی دعا چلی، رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ
یعنی اے میرے پروردگار میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے (اسے بچا دے کہ) تیرا وعدہ سچا
ہے۔ ناظرین غور کیجیے کہ غرق ہونے کے بعد دعا مانگنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ کیوں میاں
عبدالشکور سچ کہنا یہی ترتیب مطابق لوحِ محفوظ ہے۔ کیا یہی بے ڈھنگی ترتیب توقیفی ہے
کیا اسی اوندھی ترتیب پر آپ کا اور جامع القرآن کا ایمان ہے۔ بھئی اب بھی کہدو کہ ترتیب القرآن
تحریف نہیں ہے اور اپنی جھوٹی بکواس سے توبہ کرلو۔ آیندہ کبھی شیعوں کو کافر نہ بتایئے گا ورنہ تمہارا
تھوک تمہارے منہ پر آئے گا۔

جوابات

واقعہ جمع و ترتیب قرآن ہم اوپر بحوالہ روایاتِ معتبرہ بیان کر چکے کہ کتابتِ قرآن اور ترتیب آیات کا کام بلا اختلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہو چکا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ یا حضرت عثمانؓ کا مقصود صرف یہ تھا کہ خلافت کے اہتمام سے صحیح نسخے قرآن شریف کے لکھوا کر شائع کئے جائیں جن میں کتابت کی غلطی نہ رہنے پائے تاکہ وہ نسخے آیندہ نقول کے لئے اصل قرار پائیں بس صرف یہ مقصود تھا لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے جو زٹل باتیں آپ نے لکھی ہیں وہ بے بنیاد ہیں۔ اگر آپ اصل روایات نقل کرتے تو اصل حقیقت کھل جاتی۔

① **بدایونی:** عمر صاحب نے زید پر قرآن میں کمی و زیادتی کا جرم لگایا تھا۔

جواب: بالکل جھوٹ۔ "کنز العمال" کی اصل روایت مع سند نقل کیجئے اور راویوں کی توثیق کتبِ رجال سے ثابت کیجئے۔ و دونہ خرط القتاد۔

② **بدایونی:** جب ہی تو عمر صاحب نے سالہا سال اصحاب سے مناظرہ کر کے قرآن کی تصحیح فرمائی۔

جواب: قرآن کی تصحیح آج بھی ہوتی رہتی ہے، کتابت کی اغلاط آج بھی درست کی جاتی ہیں یہ کون سی نئی بات ہوئی۔

③ **بدایونی:** اس میں فضول بھرتی ثابت ہونے سے۔

جواب: یہ آپ کا طبع زاد مضمون ہے کسی روایت میں آپ نہیں دکھا سکتے کہ اس قرآن میں کوئی مضمون طبع زاد تھا۔

④ **بدایونی:** عدلِ صحابہ اور ایمانِ صحابہ کے ساتھ ابوبکر کا ایمان بھی رخصت ہوا کہ یہ سب غلط قرآن پر ایمان رکھتے تھے۔

جواب: صحابہؓ کی عدالت اور اس کا ایمان چند سفہاء کے کہنے سے تو کیا رخصت ہوتا البتہ اس ناپاک عقیدہ رکھنے کے باعث آپ کو اپنا ایمان قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ثابت کرنا محال ہو گیا کہ اب اولین و آخرین بھی مل کر (اپنے کو مومن بالقرآن) ثابت نہیں کر سکتے صاحب الغار بھی اپنی پوری طاقت ختم کر کے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔

⑤ **بدایونی:** اور بتلائیے قرآن کی تصحیح ختم ہونے تک جنابِ عمر کا کونسے قرآن پر ایمان رہا تھا سمجھ کر جواب عنایت ہو۔ خیر لے دے کے صحیح قرآن مہیا ہو گیا۔

جواب: آپ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضؓ کے لکھوائے ہوئے قرآن کی تصحیح جب تک ختم نہ ہوئی تھی قرآن کا وجود ہی دنیا میں نہ تھا نہ سینوں میں نہ سفینوں میں۔ نعوذ باللہ۔ ارے عقلمند قرآن شریف کے بیشمار نسخے اس وقت موجود تھے اور ہر زمانہ میں موجود رہے۔ حفاظِ قرآن کی تعداد اس وقت بھی حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی تھی جیسا کہ آج ہے۔ لہذا جس قرآن پر ہمارا ایمان ہے اسی پر حضرت ابوبکر رضؓ

عمر اور سب صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایمان تھا بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان بھی اسی پر تھا۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط

⑥ **بدایونی :** مگر صرف آیات مرتب ہوئی تھیں کہ دورِ عثمانی شروع ہوگیا۔ آپ کو بھی جامع القرآن ہونے کی ہوس ہوئی۔

جواب : ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ ترتیب آیات بلا اختلاف خود شارعؑ کی دی ہوئی ہے۔

⑦ **بدایونی :** آپ نے زید جیسے نا معتمد آدمی کو یہ خدمت عطا فرمائی۔ ہاں چند بنی امیہ زید کے مددگار بنا دیئے گئے، لیجئے خلافت سیرتِ شیخین نے قرآنی حلیہ بدلا کر سورتیں بھی مرتب ہوگئیں۔

جواب : صحابہ کرامؓ کو نا معتمد سمجھنے ہی کا نتیجہ ہے کہ آج زمین آسمان کے قلابے ملا رہے ہو اور پھر بھی شیعوں کا ایمان قرآن شریف پر ثابت نہیں کر سکتے اور یہ بھی غلط ہے کہ صرف حضرت زید یا چند بنی امیہ اس کام پر مامور تھے، نہیں بلکہ تمام صحابہؓ کی جمہوری قوت اس میں شریک تھی۔ چنانچہ خود حضرت علی سے اس کے متعلق روایت "اتقان" میں موجود ہے۔

⑧ **بدایونی :** نہ معلوم جناب عثمان کو یہ حق کہاں سے حاصل ہوگیا تھا کہ خدا تو قرآن کو سات زبانوں میں نازل فرمائے، رسول اللہ اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے شانِ نزولی کا لحاظ رکھا مگر آپ نے ایجادِ بندہ فرمائی۔ اب بتاؤ اصلی قرآن کہاں محفوظ رہا۔

جواب : یہ سب بناء فاسد علی الفاسد ہے جبکہ ہم ثابت کر چکے کہ قرآن کی ترتیب اور قرأت وغیرہ بلا اختلاف اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور تمام صحابہ کا درس اسی پر تھا۔

⑨ **بدایونی :** تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے سورۃ "اقرأ" نازل ہوئی تھی۔ مگر اب تو دیکھو وہ کہاں ہے۔

جواب : یہ اعتراضات تو اس وقت زیبا تھے جب ہم کہتے کہ یہ ترتیب مطابق نزول ہے اور جب کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ ترتیب جبرئیل امین کی تعلیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کے عین مطابق ہے۔ اور اس کو ہم روایاتِ صحیحہ سے ثابت کر چکے تو یہ اعتراضات بالکل فضول ہیں اور ذرا عقل سے کام لیا جائے تو عقل بھی بتلاتی ہے کہ خلافِ نزول ترتیب جس سے کوئی فائدہ بھی کسی کا نہ ہو سوا اس کے کہ شارع کے حکم سے مانی جائے اور کس سبب سے ہو سکتی ہے مثلاً سورۃ "اقرأ" "سورہ بقرہ" سے پہلے ہو جاتی تو کسی کا کیا نقصان تھا اور پیچھے ہوگئی تو کسی کا کیا فائدہ ہوا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترتیب کسی نے اپنی مصلحت یا منفعت کے لئے نہیں دی۔ بلکہ جو کچھ ہوا شارع کے حکم سے ہوا۔

⑩ **بدایونی :** آیات کی بے ڈھنگی ملاحظہ ہو کہ قاعدہ سے اول منسوخ ہونا چاہیئے پھر ناسخ مگر قرآن میں اول ناسخ ہے نہ کہ منسوخ۔

جواب : نعوذ باللہ منہ۔ کیا ایسی صریح بے ادبی کے بعد بھی قرآن شریف پر ایمان رکھنے کا کا دعویٰ ہو سکتا ہے۔ اوّل تو یہ قاعدہ کس کا بنایا ہوا ہے کہ منسوخ پہلے ذکر کیا جائے، ناسخ بعد میں۔ ہاں ترتیب اگر نزول کے مطابق ہوتی تو اس قاعدہ کی پابندی ضروری ہوتی۔ ثانیاً بعض اقوال مفسرین کے یہ بھی ہیں کہ حول والی آیت منسوخ نہیں۔ اب بھی اس کا حکم جاری ہے جیساکہ مجاہد سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ چار مہینہ دس دن کی عدت تو عورت پر لازم ہے مگر مرد پر ایک سال کی وصیت کرنا ضروری ہے اور مفسرین کا قول ہے کہ حول والی آیت جس میں وصیت کا حکم ہے آیتِ میراث" سے منسوخ ہوئی ہے نہ چار مہینے دس دن والی آیت سے چنانچہ عطا سے بھی منقول ہے۔ رہا بے ربطی کا اعتراض، وہ علم قرآن نہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ مضامین قرآنیہ میں اُس خاص رنگ کی ترتیب کا تلاش کرنا جو متاخرین مصنفین کے مذاق کے موافق ہو البتہ عبث ہے۔

⑪ **بدایونی :** جیسے آیۂ تطہیر "ازواجِ نبی کے تذکرہ میں ٹھونس دی گئی ہے۔

جواب : اب آپ اپنے مطلب پر آئے، ساری تمہید اسی لئے تھی۔ اچھا بتائیے "آیۂ تطہیر" میں کیا بے ربطی ہے۔ آیۂ مذکورہ ازواجِ مطہرات کے متعلق ہے لہذا اُس کو ازواج کے تذکرہ میں ہونا ہی چاہئے۔ جو لوگ "آیۂ تطہیر" کو ازواج مطہرات سے متعلق نہیں مانتے کلام الٰہی کے بے ربط کرنے کا الزام اُن پر ہے نہ کلام الٰہی پر۔ تفسیر آیۂ تطہیر مصنفہ مدیر "النجم" دیکھئے تو آپ کی آنکھیں کھلیں۔ بیس سال ہو چکے لیکن اب تک آپ کے کسی قبلہ سے اس کا جواب نہ ہو سکا۔

⑫ **بدایونی :** اور سُنو بارہویں پارہ کے چوتھے رکوع میں طوفانِ نوح کا قصہ عجیب عنوان میں لکھا گیا ہے جس سے جامع قرآن کی جہالت کا طوفان بے تمیزی ابلتا ہے۔

جواب : اول تو قرآن شریف میں قصص کو ترتیب وار بیان کرنے کا التزام نہیں، کیونکہ قرآن کوئی تاریخ یا سیرت کی کتاب نہیں ہے۔ ثانیاً وَ نَادیٰ میں لفظ واو ہے جو ترتیب پر دلالت نہیں کرتا۔ ثالثاً بعد غرق ہی کے دعا مانگی ہو تو کیا قباحت ہے آپ کے مذہب میں احیائے موتیٰ پر خدا کو قدرت نہ ہوگی، مگر حضرت نوح اور تمام انبیاء علیہم السلام احیائے موتیٰ کو خدا کی قدرت میں داخل مانتے ہیں۔

⑬ **بدایونی :** کیا ہی بے ڈھنگی ترتیب توقیفی ہے، کیا اسی اوندھی ترتیب کی حفاظت کا خدا نے وعدہ فرمایا ہے، کیا اسی ترتیب پر آپ کا اور جامع القرآن کا ایمان ہے۔

جواب : ہاں یہی ترتیب مطابق لوحِ محفوظ اور خدا کی موعود ہے اس کو بے ڈھنگی یا اوندھی کہنا بے ایمانی و لاعلمی کی دلیل ہے۔ دو مثالیں آپ نے بے ڈھنگی ترتیب کی دی تھیں دونوں کا جواب ہم دے چکے ہیں۔

⑭ **بدایونی :** بھئی اب بھی کہدو کہ ترتیب اُلٹنا تحریف نہیں ہے اور اپنی جھوٹی بکواس سے توبہ کرلو۔

جواب : سبحان اللہ! بدیہیات کے خلاف کہنا تمہیں لوگوں کا شیوہ ہے ذرا کسی کلام کو لے لیجئے، خواہ گلستاں کی ایک حکایت ہی سہی، اس کے فقرات کو الٹ پلٹ کر دیکھئے مفہوم کلام اور مرادِ مصنف میں تبدیلی پیدا ہوتی ہے یا نہیں ضرور پیدا ہوگی پھر کیسے کہا جائے کہ یہ تحریف نہیں ہے یقیناً اگر قرآن شریف میں آیات کی ترتیب کا الٹنا پلٹنا مان لیا جائے تو سارا قرآن مشکوک و بیکار ہو جائے گا کہ نہ معلوم اصلی ترتیب کیا تھی اور اس وقت مفہوم کلام کیا تھا۔ اچھا بالفرض کسی نے انصاف و عقل کو بالائے طاق رکھ کر آپ کی خاطر سے یہ کہہ دیا کہ ترتیب کا الٹنا پلٹنا تحریف نہیں تو آپ کو کیا فائدہ ملیگا، شیعہ تو صرف خرابیِ ترتیب کے قائل نہیں بلکہ قرآن میں کمی بیشی، تبدیلِ الفاظ، تبدلِ حروف کے بھی قائل ہیں اور عقیدۂ تحریف کے علاوہ دو وجہیں اور بھی تو ہیں جن سے اُن کا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہو سکتا جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے۔

⑮ بدایونی : آئندہ کبھی شیعوں کو کافر نہ بنایئے گا۔ ورنہ تمہارا تھوک تمہارے منہ پر آئیگا۔

جواب : ہرگز علامہ موصوف نے کافر نہیں بنایا۔ انھوں نے تو آپ کا مذہب دنیا کے سامنے رکھدیا ہے اب آپکا مذہب تم کو جو کچھ قرار دے تم وہی ہو تمہارا ہی تھوک تمہارے منہ پر آرہا ہے۔ اگر واقعی تم کو کفر بُرا معلوم ہوتا ہے تو سُنّیوں کی طرح قرآن پر ایمان لے آیئے۔ جس مذہب نے زائد از دو ہزار روایاتِ تحریف تصنیف کرکے اُن کو ہم پلہ روایاتِ امامت کا بنا دیا اس مذہب کو ترک کرو اور راویانِ قرآن کی عظمت و تقدّس کا اعتقاد پیدا کرو مگر یہ تم سے نہوگا آخر تم انہیں کے مقتدی ہو جن کا حال اس آیت میں بیان ہوا ہے کہ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ[۱]

عبارت دُرِّ نجف ۶

> ہم خوب سمجھتے ہیں کہ تم اس قرآن کی ترتیب کو توقیفی بتا کر ازواجِ نبی کا پلندا چادرِ تطہیر میں لپیٹنا چاہتے ہو مگر "این خیال است و محال است وجنوں،، ہاں اگر قرآن میں ازواجِ نبی کے لئے اِنِ اتَّقَيْتُنَّ کی شرط اور وَقَرْنَ فِىْ بُيُوْتِكُنَّ کا حکم اور لَا تَبَرَّجْنَ کا منظر، اِنْ طَلَّقَكُنَّ کی وعید، لَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا کی چھُری نہ ہوتی۔ اگر زوجۂ نبی خلاف حکم خدا گھر سے نہ نکلتی۔ حواب کے کتے اس پر نہ بھونکتے۔ نفسِ رسول سے جنگ

[۱] اور جب کہا جاتا ہے ان (منافقین) سے ایمان لاؤ جس طرح لوگ ایمان لائے تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جس طرح بیوقوف (لوگ ایمان) لائے۔

کر کے خدا و رسولؐ سے نہ لڑی ہوتی۔ مادرِ نامہربان اپنے فرزندوں کے گلے کٹوا کر ڈاین ماں نہ بنی ہوتی تو آیۂ تطہیر کا شانِ نزول ازواجِ نبی ہو جاتیں لہٰذا اب تمہاری کوشش فضول اور سعی نامشکور ہے۔

کیوں مولوی صاحب یہ تو فرمائیے کہ آپ کے رہبرِ کامل حضرت عمر صاحب نے رسول اللہ کے برخلاف حَسْبُنَا کتاب اللہ، کونسی کتاب کے لئے فرمایا تھا۔ اگر وہ محفوظ ہے، اگر اس پر تمہارا ایمان ہے تو دکھاؤ۔ شیعو ابھی آپ کے سامنے حَسْبُنَا کِتَابُ اللہ کی نئی توجیہ پیش کرتا ہوں، ملاحظہ ہو۔ اگر یہ فقرہ اس لئے ارشاد ہوا تھا کہ تجہیز و دفنِ رسول میں شرکت نہ کرنے کا الزام آپ پر قائم نہ ہو سکے، کیونکہ کتاب اللہ میں امورِ مذکورہ کا تذکرہ کہیں نہیں ہے۔ اور اگر اُس زمانہ کے قرآن میں یہ احکام تھے تو قرآن میں تحریف ہو گئی ہے۔ بہر طور تمام وہابیوں کو عمر صاحب کی اقتدا لازم ہے کہ اپنے مُردے دفن نہ کیا کریں۔ اچھا ہے چیل کوّے وغیرہ ان کو دعا دیتے رہیں گے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

الراقم الحاج محمد اعجاز حسن بدایونی

جوابات

① **بدایونی:** ہم خوب سمجھتے ہیں کہ تم اس قرآن کی ترتیب کو توقیفی بتا کر ازواجِ نبی کا پلندا چادرِ تطہیر میں لپیٹنا چاہتے ہو مگر ؎ ایں خیال است و محال است و جنوں

جواب: اس عبارت میں کس قدر گستاخی کے الفاظ ازواجِ مطہرات کی شان میں ہیں جنہیں دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اپنے نبی حبیب کی طرف سے انتقام لینے کو خدا کافی ہے۔ پلندا، ہنٹر، چھری، مادرِ نامہربان، ڈائن وغیرہ الفاظ ان کی شان میں ہیں جن کو خدا نے لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ۔ نبیؐ کی بیویاں، ایمان والوں کی ماں ہیں فرمایا وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ یعنی تمہارے مثل کوئی عورت نہیں۔ یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ روئے زمین پر کوئی عورت آغازِ آفرینش سے قیامت تک ازواجِ نبی کی ہم رتبہ نہیں پیدا کی گئی، نہ پیدا کی جائے گی اور اِنِ اتَّقَیْتُنَّ کی شرط جو لگائی گئی تو خود آیاتِ قرآنی بتلا رہی ہیں کہ انمیں یہ شرط یعنی صفتِ تقویٰ موجود تھی ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ان کو طلاق دیدیتے۔ خدا نے فرمایا یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ

تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا (یعنی اے نبی اپنی بیویوں سے کہدیجئے کہ تم اگر زندگی دنیا اور اس کی زینت کی طالب ہو تو آؤ میں تم کو مال دوں اور اچھی طرح رخصت کردوں)

اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلاق نہ دی، اس سے صاف ظاہر ہوا کہ وہ طالب دنیا نہ تھیں، صفت تقویٰ کے ساتھ موصوف تھیں۔ ازواج نبی کو مطلقاً گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت قرآن شریف میں نہیں ہے بلکہ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى فرمایا۔ یعنی زمانۂ جاہلیت کی طرح بے پردہ نہ نکلو۔ ورنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حج میں اور غزوات میں ازواج مطہرات کو اپنے ساتھ نہ لے جاتے۔ حواب کے کتوں کے بھونکنے کا قصہ چنداں قابل اعتبار نہیں پھر اس روایت میں الفاظ مذمت کے بھی نہیں ہیں۔ حضرت عائشہؓ کا حضرت علیؓ سے لڑنا اول تو بالقصد نہ تھا محض دھوکہ میں بلا ارادہ یہ لڑائی ہوگئی دوسرے نفس رسولؐ سے لڑنا کیا معنی حضرت علیؓ کو نفس رسولؐ کہنا اگر صحیح بھی ہو تو یقیناً بمعنی حقیقی نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر وہ حقیقۃً نفس رسول ہوتے تو حضرت فاطمہؓ کا نکاح اُن سے کیونکر صحیح ہوتا اس لڑائی کے واقعہ میں اگر علمائے اہل سنت کی تحقیقات سے آنکھ بند کرکے کسی فریق کو الزام دیا جائے تو سب سے بڑا الزام حضرت علیؓ پر آئے گا کہ وہ اپنی ماں سے لڑے اور ماں بھی وہ جس کو قرآن نے ماں قرار دیا۔

(۲) **بدایونی:** لہذا اب تمہاری کوشش فضول اور سعی نا مشکور ہے۔

جواب: ہر دشمن اسی طرح کہتا ہے مگر یاد رہے سعی نامشکور ان کی ہے جو قرآن کریم کو مشکوک بنانے کے درپے ہیں، جو نور خدا کو اپنی پھونک سے بجھانا چاہتے ہیں۔

(۳) **بدایونی:** کیوں مولوی صاحب یہ تو فرمایئے کہ آپ کے رہبر کامل حضرت عمر صاحب نے رسول اللہ کے برخلاف حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ کونسی کتاب کے لئے فرمایا تھا۔ اگر وہ محفوظ ہے اور تمہارا اس پر ایمان ہے تو دکھاؤ۔

جواب: اجی حضرت کتاب اللہ یہی قرآن شریف ہے، کتنی مرتبہ کہا جائے۔

(۴) **بدایونی:** شیعو میں آپ کے سامنے حسبنا کتاب اللہ کی نئی توجیہ پیش کرتا ہوں۔ ملاحظہ ہو۔ یہ فقرہ اس لئے ارشاد ہوا تھا کہ تجہیز و دفن رسولؐ میں شرکت نہ کرنے کا الزام آپ پر قائم نہ ہوسکے کیوں کہ کتاب اللہ میں امور مذکورہ کا کہیں تذکرہ نہیں ہے اور اگر اس زمانہ کے قرآن میں یہ احکام تھے تو قرآن میں تحریف ہوگئی ہے۔ بہرطور تمام وہابیوں کو عمر صاحب کی اقتدا لازم ہے کہ اپنے مُردے دفن

نہ کیا کریں۔ اچھا ہے پتیاں کوڑے وغیرہ ان کو دعا دیتے رہیں گے۔

جواب : سبحان اللہ کیا عمدہ توجیہ ہے، شیعہ خوب قدر کریں گے۔ ع

ہست ہر گندہ پزے را گندہ خر

اولاً حسبنا کتاب اللہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حدیثِ رسولؐ کی ضرورت نہیں ورنہ آیہ قرآنی حسبنا کتاب اللہ کا مطلب یہ لینا پڑے گا کہ رسولؐ کی حاجت نہیں، ثانیاً آپ لوگوں کو قرآن سے کیا تعلق۔ آپ کو کیا خبر کہ قرآن میں کیا ہے، کیا نہیں، پھر آپ نے کیسے حکم لگا دیا کہ قرآن سے مُردوں کا دفن کرنا ثابت نہیں۔ سنیئے اس وقت تین آیتیں لکھی جاتی ہیں فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْاَةَ اَخِيْهِ اور وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ۔

دوسری آیت سے نہ صرف دفن بلکہ نمازِ جنازہ کا بھی ثبوت ہوتا ہے۔

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ۔

قرآن کریم سے یہ بے تعلقی اور اجنبیت، پھر اُس پر یہ دلیری کہ قطعی حکم لگا دینا کہ فلاں بات قرآن میں نہیں ہے شیعوں ہی کا شیوہ ہے اس پر وہ جتنا ناز کریں بجا ہے۔

"دُرِّ نجف" کے مضمون کا جواب ہو گیا۔ ایک حرف بھی خالی از جواب نہیں چھوڑا گیا۔ اب میں انتظار کروں گا کہ ایڈیٹر صاحب "دُرِّ نجف" یا مولوی اعجاز حسن صاحب جواب الجواب میں کیا تحریر فرماتے ہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ اٰمَنَ بِالْقُرْاٰنِ وَاتَّبَعَ الْهُدٰى۔

راقم مسکین محمدؐ ایوب کاکوروی

"النجم لکھنؤ" نمبر ۲۱-۲۲-۲۳
۷ و ۲۱ ذی قعدہ و ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ

واقعۂ جمع قرآن

اس واقعہ کی تفصیل سے پہلے یہ بتادینا ضروری ہے کہ قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پورا لکھا جاچکا تھا اور اسکی آیتیں بھی بتعلیم رسول مرتب ہوچکی تھیں چنانچہ مولوی اعجاز حسن بدایونی کے جواب میں اسکو تفصیل سے لکھا گیا ہے اور اہلسنت کا اجماع اس پر دکھایا جاچکا ہے میں اس مقام پر ایک قول پیش کرتا ہوں جو اس رسالہ میں مذکور نہیں ہے (۱) علامہ ابوجعفر ابن النحاس اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ مطبوعہ مصر ص ۱۸۵ میں فرماتے ہیں،

وفیہ البیان الواضح ان تالیف القرآن عن اللہ وعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا مدخل لاحد فیہ ..... (الیٰ قولہ) ومما یدل علی ان القرآن کان مولفاً علی عہد	اس میں اس بات کا روشن بیان ہے کہ قرآن کی ترتیب بوحی خداوندی اور باشارہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم واقع ہوئی ہے کسی اور کا اس میں دخل نہیں ہے اور ان دلائل میں سے جو قرآن کو عہد نبوی میں

تاریخ | شریعت مدار علی الحائری کی کتاب "موعظہ تحریف قرآن" جو علامہ موصوف کی ان تقاریر کا مجموعہ ہے، جس میں شیعوں کے علاوہ آریوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا، اور غیر مسلموں کے سامنے موصوف نے اپنے خیال کے مطابق قرآن کریم کو محرف و ناقابل اعتبار ثابت کر ہی دیا تھا امام اہلسنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی نے مذکورہ کتاب (موعظہ تحریف قرآن) کے جواب میں بلا تاخیر "تنبیہ الحائرین" نامی کتاب تصنیف فرمائی جس میں قرآن مجید کو مشکوک و محرف قرار دینے والے تمام تر دلائل کا تفصیلی جواب سپردِ قلم فرمایا، حقیقتاً قرآن کریم کا اس درجہ جامع و مسکت دفاع پوری امت بلکہ انسانیت پر امام اہل سنت کا احسانِ عظیم ہے اور "تنبیہ الحائرین" اپنے اس اعلیٰ موضوع میں رہتی دنیا تک دلائل کا ناقابلِ تسخیر قلعہ ہے دراصل قرآن کریم کا علمی دفاع ہی علامہ لکھنوی کا اصل تشخص اور سرمایۂ حیات ہے۔ شیعوں کی طرف سے بجائے علامہ حائری کے شیعہ عالم اعجاز الملت والدین مولوی اعجاز حسن بدایونی نے "تنبیہ الناصبین" کے نام سے برسوں بعد اس کا جواب تحریر فرمایا بعدہٗ "تنبیہ الناصبین" کا جواب "تنبیہ الکاذبین" محدث کبیر علامہ حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ العالی[1] نے مرحمت فرمایا۔ اس وقت راقم الحروف "تنبیہ الکاذبین" مصنفہ علامہ اعظمی ہی سے ایک اہم اقتباس نقل کر رہا ہے جو دراصل مضمون ہذا ہی کے جواب کا حصہ ہے۔ علامہ اعظمی کے نزدیک "تنبیہ الناصبین" "تنبیہ الحائرین" کا جواب نہیں، بلکہ رسالہ "دُرِّ نجف" میں شائع ہونے والے مضمون ہی کا جواب الجواب ہے جس کو اپنی شرمندگی و بیچارگی پر پردہ ڈالنے کی غرض سے "تنبیہ الحائرین" کے جواب سے غلط موسوم کردیا گیا ہے ورنہ تنبیہ الحائرین تو مدعیانِ تحریف قرآن کے مقابلہ میں تحقیق و دلائل کی ایسی تاریخی اور پر مغز علمی دستاویز ہے جس کا جواب علماء شیعہ کے امکان سے باہر اور چاند پر خاک ڈالنے کے مترادف ہے۔ ادارہ

[1] مولانا نے رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لما حدثنا
احمد بن محمد الازدی قال حدثنا
یزید بن سنان قال حدثنا ابو داؤد
قال حدثنا عمران القطان عن قتادۃ
عن ابی بکر الھذلی عن ابی راجع قال قال
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اعطیت
السبع مکان التوراۃ واعطیت المئین
مکان الزبور واعطیت المثانی مکان
الانجیل وفضلت بالمفصل فھذا التالیف
من لفظ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
وھذا اصل من اصول المسلمین
لایسعھم جھلہ لان تالیف
القرآن من اعجاز القرآن ولو کان
التالیف عن غیر اللہ ورسولہ یشاید
بعض الملحدین علے طعنھم۔

مؤلف ومرتب ہونے پر دلالت کرتے ہیں ایک وہ
حدیث ہے جس کو ہم سے احمد بن محمد ازدی نے
ان سے یزید بن سنان نے ان سے ابوداؤد نے
ان سے عمران قطان نے روایت کیا کہ رسول خدا
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سبع طوال بجائے
توریت کے اور مئین بجائے زبور اور مثانی بجائے
انجیل کے دیا گیا اور فضیلت دی گئی مجھکو ساتھ مفصل کے
پس یہ تالیف وترتیب خود رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم کی زبان سے ثابت ہے اور یہ ایک
اصل ہے اصول اہل اسلام سے جس سے
مسلمانوں کو ناواقف رہنا جائز نہیں ہے
اس لیے کہ تالیف وترتیب قرآن اس کا
معجزہ ہے اور اگر تالیف قرآن منجانب اللہ
اور منجانب الرسول نہ ہوتی تو بعض ملحدین کے
طعن کی تائید ہو جاتی،

اس قول اور حدیث مذکورہ سے معلوم ہوا کہ آیات وسور کی ترتیب بھی رسول اللہؐ کے عہد مبارک میں ہو چکی تھی اس کے علاوہ خود ان اقوال میں جن کو اعجاز صاحب نے پیش کیا ہے ان میں سے دو میں تصریح ہے کہ پورا قرآن عہد رسول میں لکھا جا چکا تھا دیکھو قول قسطلانی اور قول خطابی (جس کو غلط فہمی سے اعجاز صاحب نے مسلم کا قول لکھا ہے) اور کم از کم اتقان کے ملاحظہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ہمارے اس قول کی بنیاد ان احادیث پر ہے جنکا قدر مشترک متواتر ہے ان میں سے پانچ حدیثیں رسالہ مذکورہ میں نقل کی گئی ہیں،

اور اتنی بات خود شیعوں کی تصریحات سے بھی ثابت ہے کہ قرآن عہد نبوی میں لکھا ہوا تھا چنانچہ علی بن عبداللہ بحرانی اپنی کتاب لسان الصدق مطبوعہ بمبئی میں لکھتے ہیں کہ رسول خدا

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں فرمایا یا علی ان القرآن خلف فراشی فی الصحف والحریر والقراطیس الخ یعنی اے علی قرآن میرے بچھونے کے پیچھے صحیفوں اور ریشم کے کپڑوں اور کاغذوں میں لکھا ہوا رکھا ہے۔

نظر بریں قرآن کے عہد نبوی میں مکتوب و مرتب ہونے سے انکار کرنا مکابرہ ہے۔
لیکن جس[1] طرح روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ قرآن عہد نبوی میں مکتوب و مرتب ہو چکا تھا اسی طرح یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس کے اجزا یکجا نہ تھے بلکہ متفرق تھے، کچھ کاغذ میں کچھ تختیوں اور ہڈیوں پر لکھا ہوا تھا اور اندیشہ تھا کہ حوادث زمانہ سے کوئی جزو ضایع نہ ہو جائے اس لیے ضرورت تھی کہ ان اجزاء کو یکجا کاغذ میں نقل کر کے محفوظ کر دیا جائے اور تمام اجزائے قرآنی کو یکجا کرنے کی بہترین اطمینانی صورت یہ تھی کہ جہاں جہاں اسکے اجزاء دستیاب ہوں سب منگائے جائیں اور جس جس کو پورا قرآن یا اُس کا کچھ حصہ یاد ہو اُسکو بھی بلایا جائے اور ہر ہر آیت کو اجزا میں دیکھ کر اور حفاظ سے سُن کر اور اسکی شہادت لیکر کہ رسول خدا نے ہم کو یہ آیت یاد کرائی اور یونہی یاد کرائی جس طرح لکھی ہے اور آخر تک باقی رہی لکھا جائے تاکہ کسی آیت میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ باقی نہ رہ جائے۔ چنانچہ جب یمامہ کی لڑائی میں بہت سے قراء قرآن شہید ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر اسی طرح اور لڑائیوں میں بھی قراء قرآن شہید ہوئے تو قرآن کا بہت سا حصہ جاتا رہے گا اس لیے کہ جو حصہ قرآن کا ان کو یاد ہے اگر کسی دوسرے کو یاد نہوا تو بجز تحریری اجزاء کے اُس کا اور کوئی ثبوت نہ ملے گا اور زبانی شہادت اس بات کی کہ فلاں لکھا ہوا حصہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو پڑھایا، یاد کرایا، اور آخری عرصہ میں بھی یہ آیت باقی رہی نہ ملنے کی وجہ سے وہ حصہ قابل اعتماد نہ رہے گا لہذا مصحف میں نہیں لکھا جا سکتا، حضرت عمرؓ نے اس اندیشہ کو حضرت ابوبکر سے بیان کیا حضرت ابوبکرؓ نے صحابہ کو جمع کر کے مشورہ کیا صحابہ نے باتفاق رائے قرآن یکجا کرنے کو پسند کیا حضرت ابوبکر صدیق نے جمع قرآن کے لیے حضرت زید کو انتخاب کیا اسلیے کہ وہ عہد نبوی میں کتابت قرآن پر مامور تھے اور ان سے زیادہ اور کسی نے یہ خدمت انجام نہیں دی تھی اور ان کو قرآن یاد بھی تھا

[1] یہ مضمون پوری تحقیق کے ساتھ نصرۃ القرآن میں دیکھئے۔

حضرت زید نے تمام اجزاء قرآنی منگائے اور چونکہ میں بتا چکا ہوں کہ تنہا سفینے کافی نہیں ہو سکتے اسلیے سینوں سے سفینوں کی تصدیق حاصل کی اور پورا قرآن اسی قابل اطمینان طریقہ سے جمع کیا اور تمام آیات قرآنی سفینوں میں پائے جانے کے علاوہ کئی کئی صحابیوں کے سینوں سے بھی دستیاب ہوئیں مگر آخر سورۂ براءت سفینہ میں موجود تھی لیکن زبانی شہادت ایسے لوگوں کی نہیں ملتی تھی جنکے سپرد انتظام جمع قرآن تھا اور رعایت احتیاط اسکو مقتضی تھا کہ ارکان انتظامیہ کے علاوہ اور کسی کی شہادت دستیاب ہو تاکہ کسی کو کچھ کہنے کی گنجایش نہو بالآخر حضرت خزیمہ کے پاس یہ آیت ملی اور آخر براءت میں لکھی گئی،

اب ہم روایت بخاری کو مع ترجمہ نقل کرتے ہیں اور حاشیہ میں اسکی شرح بھی پیش کرتے ہیں،

ان زید بن ثابت قال ارسل الی ابو بکر الصدیق مقتل اھل الیمامۃ فاذا عمر بن الخطاب عندہ قال ابو بکر ان عمر اتانی فقال ان القتل استحر یوم الیمامۃ بقراء القران وانی اخشی ان استحر القتل بالقراء وبالمواطن فیذھب کثیر

زید بن ثابت نے فرمایا کہ حضرت ابو بکر صدیق نے جنگ یمامہ کے سال میرے پاس آدمی بھیجا۔ پس ناگاہ حضرت عمرؓ انکے پاس تھے حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ حضرت عمر نے میرے پاس آکر کہا کہ قراء قرآن کا[1] یمامہ کے دن سخت قتل ہوا اور میں ڈرتا ہوں کہ ایسے ہی چند موقعوں میں قراء کا قتل عام ہوا تو قرآن کا بہت حصہ جاتا رہیگا اور بیشک میری رائے یہ ہے کہ آپ جمع قرآن کا حکم فرمائیں۔ میں (صدیق) نے کہا عمر!

[1] قراء قرآن کے شہید ہونے سے بہت سے قرآن کے جاتے رہنے کا اندیشہ باوجود قرآن کے لکھے ہونیکے اسلیے تھا کہ اگر ان شہداء کے علاوہ کوئی دوسرا گواہ نہ ملا تو کسی طرح یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ وہ حصہ جو آنحضرت کے سامنے لکھا گیا اور یہ کہ حضور نے یونہی یاد کرایا اور آخر تک یہ حصہ نسخ سے محفوظ رہا اور جب تک یہ ثابت نہ ہوگا مصحف میں نہ لکھا جائے گا لہذا اعجاز صاحب کا اس لفظ سے قرآن کے عہد نبوی میں مکتوب نہونے پر استدلال کرنا اور یہ لکھنا کہ اگر قرآن عہد نبوی میں مجموع و مرتب ہوتا تو حضرت عمرؓ کو قرآن کے بہت سے کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ نہ پیدا ہوتا بالکل غلط اور لغو ہے اس لیے کہ میں بتا چکا کہ مکتوب ہونے کے باوجود بھی یہ اندیشہ ہو سکتا ہے ہاں جمع فی المصحف کے بعد یہ اندیشہ نہیں ہو سکتا ہے اگر اعجاز صاحب کی مراد لفظ مجموع سے یہی جمع فی المصحف ہے تو ان کا کلام صحیح ہے لیکن ہم نے عہد نبوی میں مجموع فی المصحف[2] ہونے کا دعوٰے نہیں کیا کہ اعجاز صاحب کو رد کرنے کی ضرورت پیش آئے،

[2] کتابی شکل میں جمع شدہ ہونیکا دعویٰ نہیں کیا۔

من القرآن وانی ارے ان تامر بجمع القرآن قلت لعمر کیف[1] تفعل شیئا لم یفعله رسول الله صلے الله علیه وسلم قال عمر هذا والله خیر فلم یزل عمر یراجعنی حتے شرح الله صدری لذالك و رائیت فی ذالك الذی رای عمر قال زید قال ابوبکر انك رجل شاب عاقل

ایسا کام کیونکر کروگے جس کو رسول اللہؐ نے نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا بخدا یہ کام اچھا ہے بس عمرؓ مجھ سے برابر گفتگو کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے میرے سینے کو اسکے لیے کھول دیا اور میں نے بھی اس معاملہ میں وہی دیکھا جو عمرؓ نے دیکھا حضرت زید کہتے ہیں کہ حضرت صدیق نے مجھ سے فرمایا کہ تم جوان زیرک آدمی ہو اور ہم تمکو کسی بات میں متہم نہیں پاتے اور تم رسول اللہ صلعم کے پاس

[1] اس جملہ کی مراد یہ ہو کہ جب رسول اللہ نے قرآن کو مصحف میں یکجا نہیں کیا تو آپکو ایسا کرنا کیونکر مناسب ہوگا حضرت عمرؓ نے اسکے جواب میں فرمایا کہ اگرچہ رسول اللہ نے مصحف میں یکجا نہیں کیا لیکن اسکی ممانعت بھی نہیں کی ہی اور چونکہ اس سے قرآن کی حفاظت مقصود ہی جو شرعاً مطلوب ہی یہ کام اچھا ہے) اس کے بعد روایت میں ہے کہ صدیقؓ نے فرمایا بس عمرؓ مجھسے بار بار گفتگو کرتے رہی" اس فقرے میں بہت اجمال و اختصار سے کام لیا گیا اور شیخین کی گفتگو کی تفصیل نہیں کی گئی اغلب یہ ہو کہ حضرت عمرؓ نے افادات نصوص ان علینا جمعه و قرانه وغیرہ سے جمع فی المصحف کا شرعاً مستحسن ہونا بیان کیا ہوگا یہاں تک اس مسئلہ میں حضرت صدیق کو شرح صدر حاصل ہوگیا، اعجاز صاحب نے فقرہ کیف تفعل شیئا لم یفعله رسول الله الخ سے استدلال کیا ہی کہ قرآن عہد نبوی میں مجموع و مرتب نہ تھا ورنہ حضرت ابوبکرؓ اور زید یہ جملہ نہ کہتے جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں جمع فی المصحف میں گفتگو ہو رہی ہے اور جمع فی المصحف[ع] عہد نبوی میں نہ ہوا تھا اس سلیے ان دونوں حضرات کا فرمانا بالکل بجا ہے اور اس سے یہ ثابت ہوگا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن مصحف[ع] میں جمع نہیں ہوا تھا لیکن جمع فی الکتابۃ (قرآن کا پورا مکتوب ہونا) جسکے ہم قائل ہیں اس کی نفی اس فقرہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوسکتی اسی قسم کا سوال و جواب خطابی کے کلام میں گذر چکا ہو بس معلوم ہوا کہ حضرت صدیق اور حضرت زید کا ارشاد بھی بالکل صحیح ہے اسی طرح الجم[رض] میں جو لکھا گیا ہے وہ بھی صحیح ہے اور ان دونوں میں کوئی تناقض نہیں ہے،

ع کتابی شکل میں جمع   ع کتاب کی صورت میں

لا نتهمك و قد كنت تكتب الوحي
لرسول الله صلى الله عليه وسلم فتتبع
القرآن فاجمعه فوالله لو كلفوني[لہ]
نقل جبل من الجبال ما كان اثقل علي مما
امرني به من جمع القرآن قلت كيف
تفعلون شيئا لم يفعله رسول الله صلى
الله عليه وسلم قال هو والله
خير فلم يزل ابو بكر
يراجعني شرح صدري للذي

وحی لکھا کرتے تھے بس قرآن کو تلاش کر کے یکجا کرو
بس بخدا مجھ کو اگر کسی پہاڑ کے نقل کرنے کی تکلیف دیتے
تو یہ اس سے گراں نہ ہوتا جس کا مجھ کو حکم کیا یعنی جمع
قرآن۔ میں نے کہا ایسی بات کیونکر کیجیے گا جو رسول
خدا نے نہیں کی۔ صدیق نے فرمایا بخدا وہ اچھی بات
ہے پس حضرت صدیق برابر اس
معاملہ میں مجھ سے گفتگو کرتے رہے
یہاں تک کہ اللہ نے میرے سینے کو اس بات
کیلئے کھول دیا جس کیلئے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما

لہ پہلے پہل حضرت زید کو بھی یہ خیال ہوا کہ جو کام رسول خدا نے نہیں کیا اسکو کیسے کریں اسلیے انکو یہ کام نہایت بھاری معلوم ہوا لیکن جب حضرت ابو بکر نے بار بار گفتگو کی تو ان کی سمجھ میں آگیا کہ رسول اللہ کے عہد مبارک میں چونکہ نزول قرآن برابر جاری تھا پھر منسوخ ہونیکا احتمال بھی باقی تھا اسلیے آنحضرتؐ نے جمع نہیں کرایا اور اس وقت جمع نہ کرانا ہی بہتر تھا اور جب رسول اللہ کی وفات سے نزول وحی بند ہوگیا اور احتمال نسخ جاتا رہا تو اب یکجا کرنے میں صرف یہی نہیں کہ کوئی حرج نہیں بلکہ ضروری ہوگیا تاکہ اسکے اجزا ضیاع سے محفوظ ہو جائیں اور اس فقرہ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مجھ کو یہ کام نہایت دشوار معلوم ہوا اسلیے کہ بڑی ذمہ داری کا کام ہے خدانخواستہ کوئی کوتاہی نہ ہو جائے اور جو احتیاط جزرسی اس کام کیلیے درکار ہے اس میں کمی نہ رہ جائے لیکن پھر اللہ نے مدد فرمائی اور ہمت بندھائی حافظ ابن حجر نے اسی قول کو ذکر کیا ہے

وانما قال زيد بن ثابت ذلك مما خشيه من التقصير في احصاء ما امر بجمعه لكن الله تعالى يسر ذلك (فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۰)

بہرحال قرآن کے مکتوب ہونے کے باوجود بھی حضرت زید کا یہ فرمانا بالکل برمحل ہے: ہاں اگر عہد نبوی میں قرآن مجید مجموعاً[عہ] فی المصحف ہوتا تو بے شک یہ نہ کہتے لیکن ہم اس کے قائل نہیں ہماری اس تقریر سے اعجاز صاحب کے نتیجۂ دوم کا بے محل ہونا ظاہر ہوگیا،

عہ کتابی شکل میں جمع ہونا۔ ادارہ

شرح لہ صدر ابی بکر و عمر فتتبعت القرآن[لہ]	کے سینے کو کھولا تھا پس میں نے قرآن کی جستجو کی،

لہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ قرآن اگرچہ پورا عہد نبوی میں لکھا جا چکا تھا لیکن اسکے اجزا متفرق لوگوں کے پاس تھے اسلیے اسکو تلاش کر کے منگانے کی ضرورت تھی علاوہ بریں اگر تمام اجزا کسی ایک جگہ موجود بھی ہوتے تو بھی مزید احتیاط اور زیادت تصدیق و توثیق کیلیے جملہ صحابہ کے پاس سے منگا کر دیکھنا عین مناسب تھا اور ایسا نہ کرنے میں بہت ممکن تھا کہ اعجاز صاحب کا سا کوئی خوش فہم آج یہ اعتراض کرتا کہ صحابہ کے پاس سے اجزا نہ منگائے گئے ممکن ہے کوئی زائد چیز ان میں ہوتی بہرحال تمام صحابہ کے پاس سے اجزا منگا کر دیکھنے ہیں اور ان کے تتبع میں بڑی حکمت تھی اور ایسا کرنے سے قرآن کی قطعیت کی شان تحریری شہادت اور اصحاب اجزا کی زبانی شہادت کتابت کے انضمام سے بہت زیادہ بلند ہو گئی ہماری اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ اعجاز صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ کے مجموعے کی موجودگی میں حضرت ابو بکر کو جمع قرآن کی ضرورت ہی تھی بلکہ اس کی نقل لکھوائی جاتی اور نہ صحابہ کو اس بات کی حاجت تھی کہ وہ آیت آیت سورۃ سورۃ لے کر زید کے پاس آتے اور نہ زید کو حاجت ہوتی کہ گواہ کو طلب کرتے (تنبیہ الناصبیں ص۱۱) اور یہ لکھا ہے کہ زید بن ثابت کو قرآن کے اجزا تلاش کرنے پڑے جس سے قرآن کی طرف سے صحابہ کی سخت بے پروائی ظاہر ہوتی ہے اور لکھا ہے کہ جملہ صحابہ میں ایک بھی پورے قرآن کا حافظ نہ تھا ورنہ پھر زید کو تلاش کی مصیبت کیوں پیش آتی (تنبیہ الناصبین ص۱۱) یہ ساری باتیں اعجاز صاحب کی کج فہمی اور سخافت عقل سے پیدا ہوئی ہیں اولاً رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم قرآن کا کوئی مجموعہ نہیں چھوڑ گئے تھے بلکہ آپ پورا قرآن لکھوا گئے تھے لیکن اس کے اجزا متفرق تھے اور مختلف لوگوں کے پاس تھے اس لیے ضرورت تھی کہ جس صحابی کے پاس جو حصہ ہو لے کر آئے اعجاز صاحب نے اپنی کج فہمی سے یہ سمجھ لیا کہ ہم عہد نبوی میں قرآن کے کسی مجموعہ کے قائل ہیں اور اسکے بعد اعتراض کر دیا کہ اگر مجموعہ تھا تو اسی کی نقل کرائی جاتی اور صحابہ سورۃ سورۃ آیت آیت لے کر نہ آتے حالانکہ ہم کسی مجموعے کے قائل ہی نہیں متفرق اجزا کے مختلف مجموعہ لوگوں کے پاس موجود ہونے کے قائل ہیں لہذا ہر صحابی کو وہ حصہ لے کر آنا ضروری ہے جو اس کے پاس ہو تاکہ اس کی نقل لے کر قرآن کو یکجا کر دیا جائے، رہا گواہوں کا طلب کرنا تو وہ مزید تصدیق و اطمینان کے لیے تھا تاکہ تحریری ثبوت زبانی شہادتوں کے انضمام سے

موید ہو کر قطعیت کے اس درجے کو پہنچ جائے جس کے بعد کوئی درجہ نہیں نیز گواہوں سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ یہ مکتوب رسول خدا کے سامنے لکھا گیا تھا علامہ سیوطیؒ اتقان میں علامہ سخاوی سے ناقل ہیں قال السخاوی فی جمال القراء المراد انهما یشهدان علی ان ذالك المكتوب كتب بين يدی رسول الله صلى الله عليه وسلم (منك) یعنی سخاوی نے "جمال القراء" میں فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ وہ گواہی دیں کہ یہ مکتوب رسول خدا کے سامنے لکھا گیا تھا۔ اسکے بعد علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ گواہوں سے ایک مقصد یہ بھی حاصل ہوگا کہ اس آیت کا آخری عرصہ میں موجود ہونا معلوم ہوگا چنانچہ فرماتے ہیں قلت او المراد انهما یشهدان على ان ذلك مما عرض على النبی صلى الله عليه وسلم عام وفاته (منك) یعنی یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ وہ اسکی گواہی دیں کہ یہ مکتوب رسول اللہؐ کے سال وفات میں بھی آپ پر پیش کیا گیا اور باقی رہا علامہ عینی شرح بخاری میں تتبع کے فوائد لکھتے ہیں لاستظهار انه قد كتب بين يدی رسول الله صلى الله عليه وسلم وليعلم فيها قراءة بغير قراءته من وجوهها ام لا (ص۳۰) یعنی سینوں اور سفینوں میں قرآن کی تلاش و تتبع سے مقصود تقویت و تائید حاصل کرنا ہے، اور یہ معلوم کرنا کہ وہ رسول اللہؐ کے سامنے لکھا ہوا ہے اور یہ کہ رسول اللہؐ سے اس میں کوئی اور بھی قرأت مروی ہے یا نہیں حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" میں بھی اسی قسم کے فوائد لکھے ہیں (ملاحظہ ہو فتح الباری ج۹ ص۱۱) اس تقریر سے آفتاب کی طرح روشن ہو گیا کہ اجزاء قرآن کے مکتوب ہونے کے باوجود بھی زبانی شہادتیں حاصل کرنے کی ضرورت تھی ثانیاً جس طرح تنہا تحریری ثبوت سے وہ قطعیت جو صحابہ کو قرآن کے لیے مطلوب تھی حاصل نہیں ہو سکتی تھی اسی طرح تنہا زبانی شہادت سے وہ قطعیت و یقین و تواتر حاصل نہیں ہو سکتا اسلیے تنہا یاد پر اکتفا نہیں کرتے تھے ورنہ اگر تنہا حفظ کافی ہوتا تو حضرت زید خود حافظ قرآن تھے اپنی یاد سے جمع کر لیتے لیکن ایسا نہیں کیا، حافظ ابن حجر فتح الباری میں یحییٰ بن عبدالرحمن کا وہ اثر نقل کر کے جس کو ہم پہلے اقوال محدثین کے ضمن میں نقل کر چکے ہیں فرماتے ہیں وهذا يدل على ان زيدا كان لا يكتفى بمجرد وجدانه مكتوبا حتى يشهد به من تلقاه سماعا مع كون زيد كان يحفظه وكان يفعل ذالك مبالغة فى الاحتياط (ج۹ ص۱۱) یعنی یہ اثر دلالت کرتا ہے کہ حضرت زید محض اس کے مکتوب پانے پر اکتفا نہیں کرتے تھے یہانتک کہ وہ صحابی گواہی دے جس نے رسول کی زبان سے سن کر اس کو حاصل کیا ہے باوجودیکہ حضرت زید بھی اس کے حافظ تھے اور حضرت زید غایت احتیاط سے ایسا کرتے تھے

اس بیان سے بہت واضح ہوگیا کہ حضرت زید کا اجزاء قرآن کو تلاش کرنا اسکی دلیل نہیں ہو کہ کسی صحابی کو پورا قرآن یاد نہ تھا جیسا کہ اعجاز صاحب نے اپنی کج فہمی سے خیال کیا ہے بلکہ باوجود حافظے میں موجود ہونیکے بھی اجزاء کی تلاش مزید تصدیق وتطبیق حاصل کرنے کیلیے اور زیادت احتیاط کے وجہ سے تھی چنانچہ فاضل علی بن عبداللہ نے باوجود شیعہ ہونیکے اسکا اعتراف کیا ہے لسان الصدق میں خزیمہ انصاری کے پاس آیۂ احزاب پانے کا واقعہ نقل کرکے لکھتے ہیں،

یدل علی غایۃ استقصائھم فی جمع القران وعلی ان اٰیاتہ کانت معروفۃ عندھم ولولا المعرفۃ بھا لما فقد وما عند النسخ فالتمسوھا وینحر انھم کتبوا بتثبت ومراجعۃ ولم یقتصروا علی اثبات ماحضرھم من القران ولا علی مجرد حفظھم للایۃ بل ینسخون ماکتبوا مما ھو مکتوب قبل ذالک وھذا منتھی الضبط لکلمات القران واٰیاتہ (صفحہ ۹۵ مطبوعہ بمبئی)،

یہ واقعہ صحابہ کی انتہائی تلاش وتتبع پر جمع قرآن کے باب میں دلالت کرتا ہے اور یہ کہ قرآن کی صحابہ کے نزدیک معروف ومشہور آیتیں تھیں اور اگر وہ معروف نہ ہوتیں تو جمع قرآن کے وقت آیۂ احزاب کے گم ہونیکا انکو پتہ نہ چلتا اور نہ اس کو تلاش کرتے اور اس واقعے سے معلوم ہوتا ہو کہ صحابہ نے قرآن کو پوری تحقیق اور مراجعت کے بعد لکھا ہے اور صرف اپنے پاس جو قرآن موجود تھا اسکو ثبت کرنے پر اکتفا نہیں ہے اور نہ صرف اپنی یاد پر اکتفا کی بلکہ وہ نقل کرتے تھے اس چیز سے جو پہلے سے لکھی ہوئی تھی اور یہ کلمات وآیات قرآن کا انتہائی ضبط ہے؛

اس عبارت میں شیعی مصنف کے اتنے اعترافات موجود ہیں (۱) صحابہ نے جمع قرآن میں انتہائی تلاش اور جستجو سے کام لیا (۲) صحابہ کے درمیان قرآن کی آیتیں معروف ومشہور تھیں کوئی آیت پردۂ خفا میں نہ تھی (۳) صحابہ نے جو کچھ لکھا پوری تحقیق اور جانچ کے بعد لکھا (۴) قرآن مکتوب انکے پاس موجود تھا (۵) صرف مکتوب پر اکتفا نہ کیا زبانی حفظ سے بھی اسکی تائید وتقویت حاصل کی (۶) ان میں حافظ بھی تھے (۷) باوجود حافظ ہونیکے پھر بھی مکتوب اجزا ہی سے لکھتے تھے (۸) صحابہ نے قرآن کی آیتوں کو اور اسکے ایک ایک کلمہ کو جس احتیاط سے ضبط کیا اسکے بعد احتیاط کا کوئی درجہ نہیں ہے، سچ ہے ؏ الفضل ما شھدت بہ الاعداء

؏ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

مگر اعجاز صاحب کو قرآن کی دشمنی نے بالکل مخبوط الحواس بنادیا ہے یہ سیدھی بات انکے دماغ میں پہنچکر الٹی

ہو جاتی ہے ثالثا لفظ تتبع سے یہ نتیجہ نکالنا کہ قرآن کی طرف سے صحابہ بہت بے پرواتھے اسلیے حضرت زید کو تلاش کرنا پڑا محض حماقت ہے اسلیے کہ تتبع کی شکل یہ تھی کہ صحابہ میں اعلان کردیا گیا کہ جسکے پاس جو کچھ ہو لائے اسکے بعد جسکے پاس جو کچھ تھا وہ لایا چنانچہ اعجاز صاحب نے خود ہی تنبیہ الناصبین صفحہ ۲۶ میں لکھا ہے "جس جس صحابی کے پاس جتنا قرآن تھا خواہ اسکے سینہ میں یا سفینہ میں وہ لایا گیا" اور اگر بالفرض کسیکو اطلاع نہوئی اور اسکے پاس جانا ہی پڑا تو اس سے اسکی بے پروائی نہیں ثابت ہو سکتی درانحالیکہ ایسا ہوا بھی نہیں بلکہ روایات میں یہی ہے کہ لوگ خود ہی آآکر اجزاء دکھاتے تھے یا اپنا محفوظ سناتے تھے چنانچہ لیث بن سعد کی روایت میں کان الناس یاتون زید ابن ثابت (یعنی لوگ خود زید بن ثابت کے پاس آتے تھے) وارد ہے (دیکھو تنبیہ الناصبین صفحہ ۲۰) اور مغازی موسی بن عقبہ کی روایت میں وارد ہے فاقبل الناس بما معھم وعندھم اسکا ترجمہ خود اعجاز صاحب کے قلم سے یوں ہے پس صحابہ لائے ان آیات کو جو انھیں یاد تھیں اور انکے پاس تھیں (تنبیہ الناصبین صفحہ ۲۰) اسکے علاوہ خود اعجاز صاحب نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ حضرت صدیق نے زید اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ آپ دونوں صاحب مسجد نبوی کے دروازے پر بیٹھ جائیں اور جو شخص جو کچھ حصہ کتاب اللہ لائے اور اس پر دو گواہ پیش کرے اسکو قبول کریں (تنبیہ الناصبین ۲۱، ۲۲) اس سے بھی صاف ثابت ہوتا ہے کہ لوگ خود ہی لاتے تھے اتنی روایات کو خود ہی لکھ کر پھر کتنی جرات کے ساتھ اعجاز صاحب کہتے ہیں کہ تلاش کرنے سے صحابہ کی بے پروائی قرآن کی طرف سے ثابت ہوتی ہے بدحواسی کا مظاہرہ اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے اب مجھ کو صرف اس بات کا ثبوت دینا ہے کہ تتبع کی شکل یہ تھی کہ اعلان کردیا گیا لہذا سنیے کنز العمال میں ابن شہاب کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق سے جمع قرآن کا ذکر آیا تو آپنے فرمایا لاتعجل حتی اشاور المسلمین ثم قام خطیبا فی الناس فاخبرھم بذالک فقالوا اصبت فجمعوا القران فامر ابوبکر منادیا فنادی فی الناس من کان عندہ شئی من القران فلیجئی بہ (ج ۱ صفحہ ۲۷۹) یعنی حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ جلدی نہ کرو تاآنکہ میں مسلمانوں سے مشورہ کرلوں پھر حضرت ابوبکر نے لوگوں کے مجمع میں کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور اس معاملہ سے انکو آگاہ کیا پس سب لوگوں نے کہا کہ آپ صحیح رائے پر ہیں پس لوگوں نے قرآن جمع کرنا شروع کیا اور حضرت ابوبکر نے ایک منادی کو حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان کردے کہ جس جس کے پاس جتنا حصہ قرآن کا موجود ہو وہ لیکر آئے اور اس کی تائید یحیی بن عبدالرحمن کے اس اثر سے بھی ہوتی ہے جسکو اعجاز صاحب نے تنبیہ الناصبین صفحہ ۲۱ میں لکھا ہے

درآں حالیکہ میں یکجا کرتا ہوں اسکو شاخوں سے اور سفید تپھروں سے اور آدمیوں کے سینوں سے یہاں تک کہ میں نے آخر آیت کو ابو خزیمہ انصاری کے پاس پایا،	اجمعہ من العسب واللخاف و صدور الرجال حتی وجدت اٰخر سورۃ التوبۃ مع ابی خزیمۃ الانصاری،

اور ہم بھی اس کو نقل کر چکے ہیں، اب ایک بات اور بھی قابل غور ہے کہ روایت کے الفاظ یہ ہیں فتتبعت القرآن اجمعہ من العسب الخ یعنی میں نے قرآن کو تلاش کیا درآں حالیکہ اسکو جمع کرتا ہوں شاخوں وغیرہ سے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب اجزا سب میرے پاس پہنچ گئے تو میں اس میں آیات قرآنی تلاش کرنے لگا اس لفظ سے اعجاز صاحب کے اس نتیجہ کا باور ہونا اور بھی واضح ہو گیا میں نے ابھی جو روایت کنز العمال سے نقل کی ہے اس سے میرے اس دعوے کا بھی ثبوت ہو گیا جو میں نے ابتدائے بحث میں کیا ہے کہ حضرت صدیق نے بشورہ صحابہ و باتفاق رائے قرآن جمع کرنے کا حکم کیا اور اس پر حضرت زید کا لفظ جو صحیح بخاری میں ہے لو کلفونی نقل جبل الخ یہ بھی دلالت کرتا ہے اسلئے صیغہ جمع[۱] اسکی دلیل ہی کہ جماعت نے انکو جمع کی تکلیف دی تھی ورنہ اگر تنہا حضرت صدیق ہوتے یا شیخین ہوتے تو واحد یا تثنیہ کا صیغہ کافی تھا۔

چونکہ اس لفظ تتبع سے اعجاز صاحب نے بہت سے غلط نتائج اخذ کیے تھے اسلیے مجبوراً یہ حاشیہ بہت طویل ہو گیا

لہ اس لفظ سے اعجاز صاحب نے یہ سمجھا کہ پورا قرآن نہ کہیں لکھا ہوا تھا نہ کسی صحابی کو زبانی یاد تھا بلکہ اُس کا کچھ حصہ متفرق چیزوں پر لکھا ہوا تھا اور کچھ صحابہ کے سینوں میں تھا (تنبیہ الناصبین ص۲۵) یہ بھی اعجاز صاحب کی خوش فہمی ہے ورنہ روایت میں تو کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو اس پر دلالت کرتا ہو کہ قرآن پورا لکھا ہوا نہ تھا نہ کسی صحابی کو زبانی یاد تھا، روایت میں تو صرف اس قدر مذکور ہے کہ "میں قرآن کو تتبع کر کے خرمے کی شاخوں اور پتھروں اور آدمیوں کے سینوں سے جمع کرنے لگا"۔ جسکی صاف مراد یہ ہے کہ شاخوں اور پتھروں پر جو لکھا ہوا تھا اسکی تصدیق سینوں سے حاصل کر کے قرآن جمع کیا جیسا کہ ابھی حاشیہ سابقہ میں موافق و مخالف علما کی شہادتیں پیش کر چکا ہوں اور ثابت کر چکا ہوں کہ ہمارے علمائے محدثین کی طرح خود شیعی فاضل بحرانی نے تصریح کی ہے کہ جمع قرآن کے وقت صحابہ نے نہ تو تنہا لکھا ہوا پانے پر اکتفا کیا اور نہ محض زبانی یاد پر اقتصار کیا (دیکھیے "لسان الصدق" ص۹۵)

کسی اور کے پاس اس کو نہیں پایا،	لم اجدہا مع غیرہ[1]

بس اس سے لازم آگیا کہ پورا قرآن لکھا ہوا بھی تھا اور پورے قرآن کے حفاظ بھی صحابہ میں تھے ورنہ اگر ایک آیت بھی غیر مکتوب نکلی تو فاضل مذکور کا یہ لکھنا غلط ہو جائیگا کہ تنہا حفظ پر کفایت نہیں کرتے تھے اسی طرح اگر ایک بھی غیر محفوظ ثابت ہوئی تو فاضل موصوف کا یہ بیان غلط ہوگا کہ تنہا مکتوب پر اکتفا نہیں کرتے تھے اور اس پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جو یحیی بن عبدالرحمن کے نام سے خود اعجاز صاحب نے تنبیہ الناصبین صؔ میں نقل کی ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا جس کے پاس جو حصہ قرآن کا ہو وہ لائے اور صحابہ قرآن کو چھڑیوں پر اور صحیفوں میں اور تختیوں میں لکھے ہوئے تھے پھر بھی حضرت عمر جب تک دو گواہ نہ ہوتے اس مکتوب کو قبول نہ کرتے اس بیان سے پوری طرح واضح ہو گیا کہ اعجاز صاحب نے محض عداوت قرآن کریم اور بغض صحابہ کی بنا پر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے،

[1] لم اجدہا مع احد غیرہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ میں نے اس کو کسی اور کے پاس لکھی ہوئی نہیں پایا، دوسرے یہ کہ میں نے اسکو کسی دوسرے سینہ میں محفوظ نہیں پایا اعجاز صاحب نے دوسرے مطلب کو اختیار کیا ہے اور اسکو اپنے خیال میں بہت زیادہ مدلل کر کے لکھا ہے جیسا کہ انکے کلام کے اقتباس سے جس کو ہم پہلے پیش کر چکے ہیں ظاہر ہے ہم کو اس سے چنداں تعرض کرنیکی ضرورت نہیں تھی لیکن چونکہ انھوں نے اسکے ساتھ ایک اور بڑی لطیف کارروائی بھی کی ہے اس لیے ہم کو تعرض کرنا ہے وہ کارروائی یہ ہے کہ ادھر تو آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اسکو کسی دوسرے کے سینے میں محفوظ نہیں پایا یعنی اس عبارت سے صرف حفظ کی نفی ملتے ہیں لہذا کتابت کی نفی اس سے نہیں ہو سکتی اور اسکے ساتھ یہ بھی لکھتے ہیں کہ آخر برات حضرت خزیمہ کے سوا کسی کے پاس لکھی ہوئی تھی اور نہ کسی کو زبانی یاد تھی، (تنبیہ الناصبین ص۲۵ و ۲۶)

بتائیے کہ اسکو خبط الحواسی سے تعبیر نہ کیا جائے تو کیا کہا جائے کہ خود ہی ایک بار کہتے ہیں کہ روایت میں کلمہ مع ابی خزیمہ سے زبانی یاد مراد لیا جائے گا (ص۲۶) اور ظاہر ہے کہ جب یہاں مع ابی خزیمہ سے زبانی یاد مراد لینا لازم ہے تو آگے مع غیرہ میں بھی زبانی یاد مراد لینا لازم ہوگا لہذا فقرہ لم اجدہا مع احد غیرہ میں صرف زبانی یاد کی نفی ہو گی یعنی یہ آیت سوا ابو خزیمہ کے اور کسی کو زبانی یاد نہ تھی

اور اس سے کسی طرح یہ ثابت نہ ہوگا کہ وہ لکھی ہوئی بھی نہ تھی لیکن اعجاز صاحب ہیں کہ خود اپنی ہی بات کے خلاف یہ بھی لکھتے ہی جاتے ہیں کہ وہ لکھی ہوئی بھی نہ تھی ممکن ہے ناظرین کو اعجاز صاحب کی اس حرکت پر استعجاب ہو لیکن ہم کو قطعاً استعجاب نہیں ہے اسلیے کہ عقلاء کے کلام میں اس قسم کا تناقض بیشک مستبعد ہے باقی ہر شخص کے کلام کا ایسے تناقض سے پاک ہونا ضروری نہیں ہے،

خیر اعجاز صاحب کے ہفوات کو جانے دیجیے اور سنیے کہ اس فقرے کے دونوں معنی صحیح ہیں پہلے معنی کے لحاظ سے اس فقرے کا مفاد یہ ہے کہ حضرت زید کو وہ آیہ سوائے حضرت خزیمہ کے اور کسی کے پاس لکھی ہوئی نہیں ملی بس اگر دوسرے صحابہ کے پاس محفوظ ملی ہو تو اس فقرے کے مفاد کے منافی نہیں ہے اور واقعہ یونہی ہے کہ زبانی شہادت اسکے متعلق کئی صحابیوں کی موجود ہے، از انجملہ حضرت فاروق اعظم ہیں انکی شہادت فتح الباری ج۹ ص۱۱ اور اتقان ج۱ ص۶۳ میں مذکور ہے، از انجملہ حضرت ابی بن کعب ہیں انکی شہادت فتح الباری ج۹ ص۱۱ میں مذکور ہے، از انجملہ خود حضرت زید ہیں انکی گواہی کا ذکر کنز العمال ص۲۸۱ میں ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے اس فقرے کی مراد یہ ہوگی کہ آخر برأت حضرت خزیمہ کے سوا اور کسی کو زبانی یاد نہ تھی بس اگر یہ آیت لکھی ہوئی کسی دوسری جگہ ملی ہو تو اسکے منافی نہیں ہے لیکن وہ روایتیں جن میں یہ مذکور ہے کہ خزیمہ کے سوا اور صحابیوں نے بھی اسکی زبانی شہادت دی تھی بظاہر اسکے معارض ہونگی اور مطابقت کی دو صورتیں ممکن ہیں ایک یہ کہ ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک بات معلوم ہونیکے بعد اس سے ذہول ہو جاتا ہے لیکن جہاں کسی نے پوری بات سنائی فوراً یاد آجاتی ہے اسی طرح اس واقعہ میں ابو خزیمہ سے پہلے کسی کو یاد نہ آئی لیکن انھوں نے یاد دلایا تو فوراً یاد آگئی دوسری صورت تطبیق کی یہ ہے کہ حضرت زید کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ ارکان انتظامیۂ جمع قرآن کے علاوہ جو صحابہ تھے ان میں سے سوا خزیمہ کے اور کسی کو یاد نہ تھی بس ارکین انتظامیہ کی شہادت اس فقرہ کے منافی نہ ہوگی اور شہادتیں جن لوگوں کی مذکور ہیں وہ سب ارکان انتظامیہ ہیں اور حضرات کا ارکان انتظامی ہونا تو ظاہر ہے ممکن ہے حضرت ابی کی متعلق کسی کو شبہ ہو اس لیے یاد رکھنا چاہیے کہ جمع قرآن کے وقت حضرت زید لکھتے تھے اور حضرت ابی بن کعب املا کرتے تھے (فتح الباری ج۹ ص۱۲) اس فقرہ کے مذکورۂ بالا دونوں معنی ہوسکنے کی تصریح علامہ عینی شارح بخاری نے کی ہے لکھتے ہیں معناہ لم اجدھما مکتوبتین عند غیرہ او المراد لم اجدھما محفوظتین (عینی ج۸ ص۲۵۰) لیکن ہمارے نزدیک ان دونوں میں زیادہ قرین قیاس

لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حتے خاتمۃ براءۃ فکانت الصحف عند ابی بکر حتی توفاہ اللہ ثم عند عمر حیاتہ ثم عند حفصۃ بنت عمر رضی اللہ عنہ،	یعنی آیت لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم آخر سورۃ تک بس یہ سب صحیفے حضرت صدیق کے پاس انکی وفات تک رہی پھر عمر کے پاس تا زندگی رہی پھر حضرت حفصہ کے پاس رہی

اور اقرب الی الصواب یہی ہے کہ وہ دونوں آیتیں حضرت خزیمہ کے سوا اور کسی کے پاس لکھی ہوئی نہ تھیں اور اعجاز صاحب کا یہ کہنا کہ کلمۂ مع اور عند میں یہ فرق ہے کہ پہلے کی دلالت حفظ پر اور دوسرے کی کتابت پر ہوتی ہے جیسا کہ ابن شہاب کے قول فاقبل الناس بما معھم وبما عندھم سے مستفاد ہوتا ہے باطل ہے اسلیئے کہ اوّلاً تو یہی ضروری نہیں کہ قول ابن شہاب میں پہلے ہی لفظ سے محفوظ اور دوسرے سے مکتوب مراد لیا جائے عطف کی وجہ سے مغایرت ضرور ہو تو مغایرت کی یہ صورت بھی ہے کہ پہلے سے مکتوب اور دوسرے سے محفوظ مراد لیا جائے، ثانیاً یہ کیا ضروری ہے کہ قول ابن شہاب میں مع کی دلالت حفظ پر ہو گی تو ہر جگہ یہی مانا جائے یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ وہاں چونکہ مع کا مقابلہ عند کے ساتھ کیا گیا ہے اسلیئے بضرورت حفظ مراد لیا گیا لیکن جس جگہ یہ لفظ تنہا بغیر عند کے مذکور ہو وہاں کیوں نہ مکتوب مراد لیا جائے بہرحال اعجاز صاحب کا یہ قیاس بالکل غلط ہے کہ قول ابن شہاب میں مع سے حفظ مراد ہے اسلیئے یہاں بھی حفظ مراد ہو گا،

ہماری اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ حضرت زید نے آخر براءۃ کو حضرت خزیمہ کے سوا اور کسی کے پاس لکھا ہوا نہیں پایا تھا اور اس سے یہ کسی طرح لازم نہیں آتا کہ یہ حصہ کسی اور کو یاد بھی نہ تھا پس اعجاز صاحب کا یہ کہنا کہ دیگر صحابہ مع جناب شیخین اور حضرت عثمان اسکے وجود سے خالی تھے (تنبیہ الناصبین ص۱۶) محض غلط ہے اسلیئے کہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت عمر حضرت عثمان حضرت ابی بن کعب اور خود حضرت زید کو یہ حصہ یاد تھا حوالہ اوپر گزر چکا،

سلہ اعجاز صاحب تنبیہ الناصبین میں اس روایت کو نقل کرتے کرتے جب یہاں پہونچے ہیں تو آپنے آیت کو یوں لکھا ہے لقد جاءکم رسول اللہ حالانکہ قرآن پاک میں صحیح بخاری میں اور اتقان میں کہیں بھی لفظ رسول کے بعد لفظ اللہ نہیں ہے امام غائب والے قرآن میں ہو تو ہم نہیں کہہ سکتے اس کارروائی سے اچھی طرح ظاہر ہو گیا کہ شیعوں کو قرآن کریم سے کتنا تعلق ہے قرآن کریم کا ایک فقرہ بھی نقل کرتے ہیں تو غلط نقل کرتے ہیں،

روایت "بخاری" کے جن اجزاء کی شرح مجھ کو مطلوب تھی اس سے فراغت حاصل ہو چکی اب جمع قرآن کے سلسلے میں چند اور باتیں ذکر کرکے اس سلسلے کو ختم کرتا ہوں،

پہلی بات یہ ہے کہ "صحیح بخاری" کی پوری روایت آپکے سامنے ہے اس میں کہیں بھی یہ مذکور نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ آیت رجم لکھوانے کو لائے مگر دوسرا گواہ نہونے کی وجہ سے نہ لکھی گئی۔ یہ روایت "ترمذی" وغیرہ میں بھی ہے اس روایت کے علاوہ "کنز العمال" وغیرہ میں اور بھی بکثرت روایتیں ہیں جنمیں جمع قرآن کا ذکر ہے لیکن کسی ایک روایت میں بھی حضرت عمر کے آیۂ رجم لانیکا ذکر نہیں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ محض بے اصل ہے اور اعجاز صاحب نے جس روایت کو نقل کرکے بہت شور و غل مچایا ہے اسکا حال یہ ہے کہ وہ لیث ابن سعد کا مرسل ہے۔ ظاہر ہے کہ لیث ابن سعد جمع قرآن کے وقت پیدا بھی نہونے تھے اور یہ کہ انکی ملاقات بھی کسی صحابی سے نہیں ہوئی ہے بس ضرور کسی غیر صحابی سے سن کر یہ بات بیان کی ہوگی پھر معلوم نہیں وہ کون شخص تھا اسکے علاوہ لیث ابن سعد کا یہ مقولہ ابن ابی داؤد نے ذکر کیا ہے اور انکی لیث ابن سعد سے ملاقات نہیں ہے لہذا ضرور بواسطہ روایت ہوگی اور یہ واسطہ بھی مذکور نہیں ہے ایسی حالت میں یہ روایت کیونکر قابل تسلیم ہو سکتی ہے اس روایت کے متعلق اور باتیں پہلے ذکر کی گئی ہیں،

دوسری بات یہ ہے کہ اعجاز صاحب نے محض اٹکل سے یہ لکھدیا ہے کہ ترتیب کا حال نہ کھلا لیکن اصحاب کے لانے کا قرینہ بتاتا ہے کہ جس وقت جو کوئی صحابی آیت یا سورت لایا ہوگا فوراً لکھ لی گئی ہوگی (تنبیہ الناصبین صفحہ ۲) حالانکہ روایتوں سے یہ چیز بھی بالکل صاف ہو جاتی ہے چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت زید نے فرمایا کہ میں نے جمع قرآن کے وقت "سورۂ احزاب" کی ایک آیت (لکھی ہوئی) نہیں پائی بالآخر وہ آیت حضرت خزیمہ کے پاس ملی، اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی آیات اور انکے مواقع جامعین قرآن کو خوب معلوم تھی اور انکو بہت اچھی طرح یاد تھا کہ کس سورۃ میں کتنی اور کون کون سی آیتیں ہیں چنانچہ خود شیعوں کو بھی جامعین قرآن کے اس علم و حفظ کا اعتراف ہے فاضل بحرانی کی کتاب "لسان الصدق" کی عبارت میں نقل کرچکا ہوں اسکا ایک فقرہ یہ ہی وعلمان ایاته کانت معروفة عندهم ولولا المعرفة بها لما فقد وما عند النسخ فالنسوها یعنی یہ روایت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ قرآن کی آیتیں جامعین قرآن کے نزدیک

معروف و مشہور تھیں اگر معروف و مشہور نہ ہوتیں تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ لکھنے کے وقت نہ پانے کی وجہ سے اسکو ڈھونڈھتے پس جب صحابہ کو آیات معلوم تھیں اور ان کے مواقع بھی محفوظ تھے تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ جس وقت کوئی صحابی کوئی آیت لیکر آئے فوراً لکھ لیں چاہے اسکا موقع ہو یا نہو اسکے بعد النجم میں لکھا گیا تھا

النجم لکھنؤ نمبر ۵ و ۶ جلد ۱۱ "تنبیہ الکاذبین"

(بقیہ صفحہ ۱۶۴)

نزول کیا جائے اور نزول بھی نہایت معمولی ادنیٰ مایطلق علیہ اسم النزول[ل] چنانچہ سوالات بھی نہایت ہلکے اور صرف چار تجویز کیے گئے ہیں جو امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ایک ہی مجلس میں طے ہو جائیں اور اب بھی باوجودیکہ بات یہانتک پہونچ چکی ہے اگر کسی قابل اطمینان طریقے سے مجھے علم ہو جائے کہ ایڈیٹر اصلاح اپنے اعترافی اور اعلانی قرار پر قائم رہیں گے اور مثل سابق کے پھر اپنے اس قرار کو میری طرف منسوب نکریں گے تو میں اپنا ارادہ فسخ کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اور ساتھ ہی اگر انھوں نے اپنے اس قرار کا عملی ثبوت دیا اور اپنے پرچہ اصلاح وغیرہ کو رد اہل سنت کی نجاست سے پاک کر دیا تو النجم سے بھی رد شیعہ کا حصہ قطعاً موقوف کر دیا جائے گا۔

اگر اب بھی کسی کو یقین نہو کہ النجم کا اصلی موضوع رد شیعہ نہیں ہے اور یہ کہ النجم میں رد شیعہ محض بضرورت اور بقدر ضرورت کیا جاتا ہے تو اس بے یقینی کا علاج کسی کے پاس نہیں ہے۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

[ل] ترجمہ۔ کم سے کم جس کو نزول کہہ سکیں

النجم لکھنؤ نمبر ۴۔ جلد ۱۰ ۲۱ صفر سنہ ۱۳۳۲ ہجری

ترتیب قرآن سے متعلق پیدا کردہ شکوک وشبہات کا جائزہ

ترتیب قرآن کے مسئلہ کو ذرا مفصل لکھا جاتا ہے کیونکہ جاہلوں کو طرح طرح دھوکے دیکر ان کا ایمان برباد کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے دیکھو خرابی ترتیب تو تمہاری کتابوں سے بھی ثابت ہے۔ سورۂ اقرأ سب سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ آج دیکھو آخری پارہ میں ہے۔ حالانکہ یہ محض فریب ہے خرابی ترتیب کا یہ مطلب نہیں کہ نزول کے خلاف ہو جائے۔ بلکہ خرابی ترتیب یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت یا آپ کی ترتیب وتعلیم کے خلاف[1] ہو جائے۔

پس واضح ہو کہ قرآن شریف میں ترتیب کے چار مدارج ہیں **اوّل** سورتوں کی ترتیب کہ پہلے سورۂ فاتحہ ہے پھر سورۂ بقرہ، پھر آل عمران آلخ۔ **دوم** آیتوں کی ترتیب یعنی سورتوں کے اندر جو آیتیں ہیں ان کی تقدیم وتاخیر مثلاً سورۂ فاتحہ میں پہلے الرحمٰن الرحیم ہے اس کے بعد مالک یوم الدین ہے۔ ممکن ہے اس کے برعکس یوں ہو مالک یوم الدین، الرحمٰن الرحیم۔ **سوم** کلمات کی ترتیب یعنی آیتوں کے اندر جو الفاظ ہیں ان کی تقدیم وتاخیر مثلاً سورۂ فاتحہ میں الحمد للہ ہے یا للہ الحمد **چہارم** حروف کی ترتیب یعنی کلمات کے اندر جو حروف ہیں ان کی تقدیم وتاخیر مثلاً سورہ فاتحہ میں الحمد للہ ہے یا المدح للہ۔ حمد اور مدح میں صرف حروف کی ترتیب کا فرق ہے **شیعہ** قرآن شریف کو چاروں قسم کی خرابی ترتیب سے ملوث کہتے ہیں۔ پہلی تینوں قسم کی خرابی ترتیب کی تصریح ص ۳۴ پر فصل الخطاب سے نقل کی جا چکی ہے کہ وھو مخالف لہذا القرآن الموجود من حیث التالیف وترتیب السور والایات بل الکلمات ایضاً یعنی حضرت علی کا جمع کیا ہوا قرآن سورتوں اور آیتوں بلکہ لفظوں کی تالیف و ترتیب کے لحاظ سے بھی اس قرآن موجودہ کے خلاف ہے۔ چوتھی قسم کی خرابی ترتیب کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔

---

[1] یہ بات کچھ قرآن شریف کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر کتاب کی خرابی ترتیب کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ اس کتاب کے مصنف کی ترتیب یا مرضی کے خلاف ہو جائے ترتیب تصنیف اور چیز ہے اور ترتیب جمع اور چیز کبھی دونوں ترتیبیں متحد ہو جاتی ہیں کبھی نہیں۔

اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ قرآن شریف ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے اس کی ترتیب بھی محرف نہیں ہے جو اس کو کسی قسم کی تحریف سے ملوث کہتا ہے وہ خود اپنی زبان اور دل و دماغ کو کفر کی نجاست سے ملوث کرتا ہے۔

آخری تینوں قسم کی ترتیب کے متعلق تو سب کا اجماع ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ہیں ایک قول یا ایک روایت بھی اس کے خلاف نہیں۔ قسم اول یعنی سورتوں کی ترتیب کے متعلق البتہ کچھ اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ صحابہ نے دی اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ترتیب بھی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ہے۔ محققین اسی طرف ہیں۔ اگر درحقیقت یہ ترتیب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی نہ ہو تب بھی کچھ خرابی لازم نہیں آتی مقصود متکلم نہیں بدلتا کیونکہ ہر سورت جداگانہ مستقل چیز ہے۔ پہلے آل عمران ہوتی تو، اور اب پہلے سورۂ بقرہ ہے تو، پہلے قل اعوذ برب الناس ہوتی تو اور اب پہلے قل اعوذ برب الفلق ہے تو مقصود کلام میں کیا فرق آسکتا ہے۔

مگر تحقیق یہ ہے کہ یہ اختلاف محض نزاع لفظی ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب نہیں دی ان کا مطلب یہ ہے کہ آیتوں کی طرح آپ نے سورتوں کو ترتیب کے ساتھ نہیں لکھوایا اور جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ ترتیب آپ کی دی ہوئی ہے ان کا مقصد یہ ہے کہ یہ ترتیب آپ کی تلاوت کے مطابق ہے۔ الحاصل اہل سنت کے نزدیک سورتوں کی ترتیب بھی من جانب اللہ ہے اور عقل سلیم اور واقعات قطریہ بھی اس کی شہادت دیتے ہیں۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ کلمات اور حروف کی ترتیب تو نزول ہی کے مطابق ہے اور آیتوں اور سورتوں کی ترتیب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بوحی الٰہی نزول کے خلاف دی ہے۔ تفسیر "اتقان" کی اٹھارویں نوع دیکھو جو خاص جمع و ترتیب قرآن کے متعلق ہے تو معلوم ہوا کہ اہل سنت کا کیا عقیدہ ہے اور اس عقیدہ پر کیسے محکم دلائل قائم ہیں۔

حضرت عثمانؓ پر قرآن شریف جلانے کا اتہام

یہ ایک پرانا فرسودہ طعن ہے جس کا معقول جواب اہل سنت کی طرف سے بارہا دیا گیا اور اس جواب کا کوئی رد حضرات شیعہ کی طرف سے نہیں ہو سکا مگر بمقتضائے حیا حضرات شیعہ اس جواب سے آنکھ بند کر کے پھر جہاں موقع پاتے ہیں اس طعن کو ذکر دیتے ہیں

حائری صاحب نے بھی جاہلوں اور بے وقوفوں کو دھوکہ دینے کے لئے اس طعن کو بیان کیا ہے اور چند کتابوں کے نام بھی لکھ دیئے ہیں کہ ان میں یہ طعن مذکور ہے اور لکھا ہے کہ ان کتابوں کی عبارتیں رسالہ موعظہ حسنہ میں نقل کر چکا ہوں۔ حائری صاحب تفسیر اتقان وغیرہ دیکھیں تو ان کو معلوم ہوگا کہ اس زمانہ میں اکثر لوگوں نے اپنے اپنے مصحف میں اپنی یادداشت کے لئے تفسیری الفاظ اور منسوخ التلاوۃ آیتیں قرآن شریف کی آیتوں کے ساتھ ملا کر لکھ لی تھیں اس وقت تو ان لوگوں کو کسی قسم کے اشتباہ کا اندیشہ نہ تھا لیکن اگر وہ مصاحف رہ جاتے تو آئندہ نسلوں کو بہت اشتباہ ہوتا۔ یہ پتہ نہ چلتا کہ لفظ قرآنی کون ہے اور تفسیری لفظ کون ہے منسوخ التلاوۃ کون کون آیات ہیں اور غیر منسوخ کون کون۔ لہٰذا حضرت عثمان نے بمشورہ جمہور صحابہ ان مصاحف کو معدوم کر دیا اور ان کے معدوم کرنے کی سب سے بہتر صورت یہی تھی کہ ان کو جلا دیا جائے۔ سنن ابی داؤد میں حضرت علی مرتضیٰ سے مروی ہے کہ۔

لا تقولوا فی عثمان الا خیرا فانہ ما فعل فی المصاحف الا عن ملأ منا۔	حضرت عثمان کے حق میں سوا کلمہ خیر کے کچھ نہ کہو کیونکہ انہوں نے مصاحف کے بارہ میں جو کچھ کیا وہ ہم سب کے مشورہ سے کیا

پھر یہ بھی دیکھنے کی بات ہے کہ جب تفسیری الفاظ بھی قرآن کے ساتھ مخلوط تھے تو آیا اس مجموعہ کو قرآن کہا جا سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔

اگر حائری صاحب کسی روایت سے یہ ثابت کر دیں کہ حضرت عثمان نے جن مصاحف کو جلوایا تھا ان میں خالص قرآن تھا اور منسوخ التلاوت آیتیں اس میں نہ تھیں تو جو انعام وہ اپنے منہ سے مانگیں ان کو دیا جائے گا۔

جناب حائری صاحب کو خبر نہیں کہ احراق قرآن کے طعن کا ایسا نفیس جواب اہل سنت نے دیا ہے کہ علمائے شیعہ کو مجبور ہو کر اس کی تعریف کرنی پڑی۔ علامہ ابن میثم بحرانی شرح نہج البلاغہ میں مطاعن حضرت عثمان کا ذکر کر کے لکھتے ہیں۔

وقد اجاب الناصرون لعثمان عن ہذہ الاحداث باجوبۃ مستحسنۃ وہی مذکورۃ فی المطولات	حضرت عثمان کے طرف داروں نے ان اعتراضات کے عمدہ عمدہ جوابات دیئے جو بڑی بڑی کتابوں میں مذکور ہیں۔

حضرت عثمان نے ان مصاحف کو معدوم کر کے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا ورنہ آج قرآن شریف کی حالت بھی توریت و انجیل کی سی ہوتی۔ مگر جن کو قرآن شریف سے تعلق نہیں وہ اس احسان کی کیا قدر کر سکتے ہیں۔

نزد مردم نگذاشت و ہمہ را بسوخت" اس عبارت کو دیکھ کر خواجہ حافظ کا شعر یاد آ گیا ؎ چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد
اس عبارت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ حضرت عثمان نے قرآن نہیں جلائے تھے بلکہ مخلوط و محرف چیز جلائی تھی۔

پنجاب کا ایک خط

ایک شیعہ مولوی صاحب سے ایک سُنّی کا مکالمہ

مولوی سید محبوب علی شاہ صاحب جو کہ مذہباً شیعہ ہیں حسب دستور اب بھی سیالکوٹ آئے اور میرا ان کے ساتھ حسب ذیل مسائل پر مباحثہ ہوا، بندہ اس کو تحریر میں لاتا ہے۔ "قولہ" سے مراد شاہ صاحب اور "اقول" سے مراد احقر۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تحفظِ قرآن کا طریقہ

شاہ صاحب: کیا (جیوفت) قرآن شریف حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا کرتا تھا، تو آپ حسب صحابہ کرام کے سامنے نازل ہونے والی آیت یا سورۃ کو پیش کیا کرتے تھے، اُسوقت اصحابِ کرام اس کو صرف[1] حفظ ہی کر لیا کرتے تھے، یا اس کو کسی ورق پر یا کسی

[1] صرف حفظ پر قناعت نہ کرتے تھے، بلکہ لکھتے بھی تھے، اور صرف لکھنا ہی نہیں بلکہ بڑے اہتمام سے ہر روز صبح اور شام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سُنا کر، اس کی تصحیح بھی کرتے تھے، اور درس بھی لیتے تھے۔ قولہ تعالیٰ: قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا یعنی کافروں میں یہ چرچا تھا کہ قرآن میں اگلوں کے قصے ہیں جس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے لکھ لیا ہے، اور وہ صبح وشام ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے، اور قولہ تعالیٰ: فمن شاء ذکرہ فی صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ۔ یعنی یہ ایک نصیحت ہے جو چاہے اس کو یاد کرے، ان ورقوں میں جو عزت دیئے ہوئے ہیں بلند مرتبہ کئے ہوئے ہیں پاکیزہ ہیں اور بزرگ اور نیکوکار لکھنے والوں کے ہاتھ میں رہتے ہیں۔ اس آیت میں بڑی تعریف اُن صحابہ کرام کی ہے، جو کتابتِ وحی پر مقرر ہوئے تھے، تفسیروں میں اس مقام پر متعدد اقوال ہیں، ایک قول یہ بھی ہے جو میں نے اختیار کیا، اور چونکہ یہ قول سیاق وسباق کے مناسب ہے، اس لئے اسی کو ترجیح ہے، آیاتِ قرآنیہ کے علاوہ احادیث کو دیکھیں تو کتابتِ وحی کا عہدہ پر خاص خاص صحابہ کرام کا مقرر ہونا، اور اس عہدہ کا نہایت باعزت ہونا حدِ تواتر کو پہنچ گیا ہے، یہ حدیث بھی صحت کے اعلیٰ درجہ پر پہنچی ہوئی ہے کہ لاتکتبوا عنی الا القرآن یعنی قرآن کے سوا مجھ سے اور کچھ نہ لکھو، اس کے علاوہ اور بھی بے شمار احادیث ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ کتابتِ وحی جو ہوتی تھی، اور "صحف مکرمہ" لکھے جاتے تھے، یہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے نہیں کراتے تھے، اس لئے کہ آپ کیا کرتے، آپ تو اُمّی تھے، بلکہ یہ کتابت مسلمانوں کے لئے ہوتی تھی۔ "مدیر النجم"

[1] قولہ کی جگہ شاہ صاحب اور اقول کی جگہ احقر لکھا گیا ہے۔

یہ مکتوب علمی اعتبار سے دوسرے مضامین کے ہم پلہ نہ ہونے کے باوجود قارئین کو مختلف پہلوؤں پر معلومات بخش ہونے کے سبب ہدیۂ قارئین کیا گیا ہے۔

دیگر خشت[1] وغیرہ پر لکھ لیا کرتے تھے، لیکن اگر کسی خشت یا ورق پر لکھا کرتے تھے، تو وہ بعد از جمع کردن[2] قرآن کریم کے دفن[3] کر دیئے گئے، یا نذرِ آگ کئے گئے، یا تبرکًا ان کو

---

[1] خشت وغیرہ پر کتابت کی ضرورت نہ تھی قرطاس یعنی کاغذ کا وجود اُس وقت تھا اور خوب تھا، قولہ تعالیٰ: فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَیْدِیْهِمْ یعنی ان کفارِ مکہ کے انکار اور ہٹ دھرمی کی حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اگر آسمان سے کوئی نوشتہ کسی کاغذ پر لکھا ہوا نازل کیا جائے، اور یہ لوگ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھوئیں بھی تب بھی نہ مانیں گے اور کہدیں گے کہ ہماری نظر بندی کی گئی ہے۔ اور قولہ تعالیٰ: تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِیْرًا یعنی علمائے یہود توریت کو کاغذوں پر لکھتے ہیں اور بعضے کاغذ تو ظاہر کرتے ہیں (لیکن) بہت کو ان میں سے چھپا ڈالتے ہیں۔ کاغذ کے علاوہ کپڑے کو مثل کاغذ باریک کر کے اس پر کتابوں کے لکھنے کا رواج بھی اس زمانہ میں تھا۔ قولہ تعالیٰ: وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ہاں چونکہ التزام یہ تھا کہ جس وقت نزول ہوا اسی وقت بلا تاخیر کتابت ہو جائے، اس لئے اگر کبھی اتفاق سے ایسا ہوا کہ اس وقت کاغذ موجود نہ ہوا تو خشت وغیرہ کے مانند کسی چیز پر فی الوقت لکھ لیتے تھے، پھر اس کو کاغذ پر اتار لیتے تھے، جیساکہ روایات میں صاف صاف بیان کیا گیا ہے، چنانچہ ایک روایت آئندہ حواشی میں آئے گی "مدبر النجم"

[2] قرآن شریف کے جمع ہونے کا اصلی کام خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ ہی کے انتظام و اہتمام سے مکمل ہو چکا تھا جیساکہ آیت میں "صحف مکرمہ" کی لفظ بھی اس کو بتلا رہی ہے، اور روایات بھی اس بارہ میں تواترِ معنوی کی حد کو پہنچ گئی ہیں۔ تفسیر "اتقان" کی اٹھارویں نوع میں ہے قال حاکم فی المستدرک جمع القرآن ثلاث مرات احدها بحضرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم اخرج بسندہ علی شرط الشیخین عن زید بن ثابت قال کنا نؤلف القرآن من الرقاع۔ الحدیث "مدبر النجم"

[3] ابھی اور بھی احتمالات ہیں مثلاً یہ کہ وہ دھو کر پی لئے گئے ہوں، یا دریا میں غرق کئے گئے ہوں، وغیر ذلک مگر یہ سوال بالکل بے معنی ہے، غالباً سائل کا مقصد یہ ہے کہ ان پرانے نوشتوں کی بابت کتب اہلِ سنت میں کچھ مذکور نہیں ہے کہ کیا ہوئے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کے حالات کے محفوظ رکھنے میں اہل سنت نے چنداں اہتمام نہیں کیا۔

جواب: تو جواب اس کا یہ ہے کہ ان پرانے نوشتوں کی بابت امور مذکورہ کے معلوم نہ ہونے سے، اگر قرآن شریف کے اعتبار میں کوئی خلل آتا ہو، تو بیشک اہلسنت پر الزام اہتمام نہ کرنے کا آسکتا ہے، لیکن جبکہ قرآن کے اعتبار پر اس کا کوئی اثر نہ پڑے، اور ہرگز نہیں پڑ سکتا، تو پھر پرانے نوشتوں کی سرگذشت معلوم ہوئی تو کیا، اور نہ معلوم ہوئی تو کیا، ایسے غیر ضروری امور کا کسی روایت میں بیان ہوتا، تو کیا فائدہ تھا، اور نہ ہوا تو کیا نقصان، ان نوشتوں کی حاجت ہی کیا باقی رہ گئی، جبکہ خود رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے، آپ کے انتظام سے، ان کی نقل صحف میں کرلی گئی۔ اصحابِ کرام کے اہتمام سے یہ کام ہوا ہوتا تو (بھی) اعتماد کے لئے کافی بلکہ اکفی تھا، چہ جائیکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظام۔ علاوہ ازیں قرآن کی حفاظت و نگہبانی (بقیہ حاشیہ ص ۱۵۶ پر)

محفوظ رکھے گئے، اگر ان کو سپردِ آتش کیا گیا ہے تو خیر جان[1] چھوٹی، لیکن اگر ان کو تبرکاً رکھا گیا ہے، تو کیا وہ اب بھی کہیں ہیں یا معدوم ہو چکے ہیں؟ اس کا جواب میں صرف مولوی محمد عبد الشکور صاحب سے طلب کرتا ہوں وہ یا تو اپنے رسالہ "النجم" میں درج فرماویں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۵) کے لئے تو دو پاسبان تھے، سینہ اور سفینہ یعنی حفظ بھی کیا جاتا تھا، لکھا بھی جاتا تھا، اگر صرف لکھنے پر قناعت ہوئی ہوتی تو ان سوالات کی شاید کچھ گنجائش ہوتی، مگر نہیں اسوقت بھی نہ ہوتی۔ اچھا اب شیعوں سے پوچھا جائے کہ اہل سنت کا اہتمام حفاظتِ قرآن میں تو وہ اہتمام ہے جو وعدۂ الٰہی کے پورے ہونیکا آلہ بنا، جس کو دیکھ کر تمہارے علماء بھی بصد حسرت اعتراف کرنے پر مجبور ہیں، دیکھئے اپنی تفسیر "مجمع البیان" کا دیباچہ، کچھ ٹھکانا اس حفاظت کا ہے کہ آج پوچھو تو ہم بتادیں کہ کون کون سی آیتیں اور سورتیں گرمی کے موسم میں نازل ہوئی تھیں، اور کون کون جاڑے کے موسم میں، کون کون دن میں نازل ہوئی تھیں اور کون کون سی رات میں، کون کون سفر میں نازل ہوئی تھیں اور کون کون حضر میں، ائمہ شیعہ کے گھروں میں (تو) حضرت علی سے لیکر امام حسن عسکری تک، صرف وہی ایک قرآن ہوتا تھا، جو بقول تمہارے حضرت علی نے لکھا تھا اور امام مہدی اس کو غار میں لے گئے یا متعدد قرآن ہوتے تھے، اگر صرف وہی ایک قرآن ہوتا تھا تو ائمہ کی اولاد، ان کی بیویاں وغیرہ کیونکر قرآن کی تلاوت کرتی تھیں (جبکہ) آج باوجود اس انحطاط و تنزل کے، کوئی ایسا لکھا پڑھا صاحبِ اولاد و ازواج مسلمان نہ ہوگا جس کے گھر میں ہر شخص کے لئے جدا جدا نسخے قرآن کے نہ ہوں۔ تمہارے ائمہ کیسے مسلمان تھے کہ ان کے گھروں میں قرآن کا چرچا ہی نہ تھا، اور اگر متعدد قرآن ہوتے تھے تو وہ قرآنِ موجود کے مطابق ہوتے تھے یا حضرت علی کے قرآن کے، اور بہر صورت وہ نسخے قرآن کے ائمہ کی نظر اور تصحیح سے مشرف ہوتے تھے یا نہیں، اگر نہیں ہوتے تھے تو کیوں؟ اور بہر کیف وہ نسخے قرآن کے کیا ہوئے؟ دفن کر دئے گئے یا نذرِ آگ کئے گئے یا تبرکاً ان کو محفوظ رکھا گیا، اور اب وہ کہیں ہیں یا معدوم ہو گئے؟ نیز روایاتِ شیعہ میں ہے کہ حضرت علی نے کہا کہ قرآن میں نے دو لوحوں سے جمع کیا، پس جمع کرنے کے بعد ان دونوں لوحوں کا کیا کیا، ہے کوئی شیعہ جو ان امور سے کسی ایک کا پتہ بھی اپنی کتابوں میں دکھلا دے، اچھا قرآن کو جانے دو کیونکہ شیعوں کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، ائمہ کی ان خانہ ساز روایات کو لو، جن پر مذہب شیعہ کی بنیاد ہے شیعوں کا بیان ہے کہ ان کی حدیث کی چار کتابیں جن کو اصول اربع کہتے ہیں، چار سو کتابوں سے لکھی گئیں، وہ چار سو کتابیں کیا ہوئیں، دفن کی گئیں کہ نذرِ آگ کی گئیں؟ یہ بھی چھوڑو حضرت علی کے خطوط و فرامین جو آج "نہج البلاغہ" وغیرہ میں ہیں، خصوصاً وہ خطوط و فرامین جو اپنے اعزہ اور شیعوں کو لکھے، کوئی شیعہ انھیں کی بابت بتا دے، کہ وہ کیا ہوئے۔ شیعوں نے ان کو دفن کیا، یا نذرِ آگ کر دیا، یا تبرکاً محفوظ رکھا، اور وہ اب بھی کہیں ہیں؟

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللہ "مدیرِ النجم"

[1] یہ لفظ (صفحاتِ قرآن کے متعلق، یہ لفظ "جان چھوٹی") اسی کے زبان و قلم سے نکل سکتی ہے جو قرآن شریف کو اپنے لئے وبالِ جان سمجھتا ہو، مگر اس بیچارہ کو اس وبالِ جان سے نجات نہیں مل سکتی کیونکہ قرآن کے پرانے نسخے تلف ہو جاتے ہیں تو نئے نسخے جو ان پرانوں کے بالکل مطابق ہوتے ہیں (بلا تاخیر) ان کے قائم مقام بن جاتے ہیں۔ ان لوگوں کا دل تو جب ٹھنڈا ہو کہ ان کی یہ آرزو پوری ہو جائے کہ قرآن کا کوئی

یا قلمی تحریر فرما کر تمہاری طرف بھیجدیں، جس پر بندہ نے عرض کی کہ میں اس کے متعلق کوئی وعدہ نہیں دیتا، جس طرح قبلہ کا خیال ہوگا، وہ کریں گے۔ میں اس کے متعلق کچھ کہہ نہیں سکتا، ہاں آپ بندہ سے سوال کریں، میں اس کا جواب دینے کو حتی الوسع تیار ہوں، اس کے بعد انھوں نے حسب ذیل سوالات مجھ سے کیے اور میں نے جواب دیئے۔

شاہ صاحب: قرآن شریف کو حسب نزول کیوں جمع نہیں کیا گیا، حالانکہ حضرت علی مرتضیٰ حسب نزول جمع کر کے صحابہ کرام کے روبرو لائے تھے، مگر حضرات ثلاثہ بالخصوص

نسخہ دنیا میں نہ رہے اور کوئی حافظِ قرآن بھی روئے زمین پر نہ پایا جائے، مگر خدا ان کی یہ آرزو پوری نہ کرے اور نہ کریگا۔ شور بختان بآرزو خواہند ؛ مقبلاں را زوالِ نعمت وجاہ

(حاشیہ صفحۂ گذشتہ) سلہ واقعی حیا و غیرت کا تقاضا یہی ہے۔ نہ معلوم کتنی مرتبہ "النجم" میں لکھا گیا خصوصاً گذشتہ جلد میں (۲۱ صفر کا پرچہ دیکھیے) "کلکتہ" کے واقعات کے سلسلہ میں سیٹھ عبداللہ جان محمد گانجی سے ایک مضبوط نوشتہ ہوا کہ حسب ذیل مسائل پر کوئی نامور مجتہد شیعہ میرے ساتھ تحریر کا سلسلہ شروع کریں جو فریقین کے کسی رسالہ یا اخبار میں چھپا کرے، ایڈیٹرہ "اصلاح" کو بارہا اس کی تحریک کی گئی، "درنجف" کو لکھا گیا، اب "سہیل یمن" کو لکھا جا رہا ہے مگر "صدائے برنمیخیزد" "سہیل یمن" میں مولوی سبط حسن صاحب کچھ لکھتے بھی ہیں تو اپنا نام پردۂ راز میں رکھ کر۔ **اچھا اب میں کہتا ہوں** کہ "النجم" میں جو خاص میرے مضامین ہوتے ہیں ان کا جواب صرف مولوی ناصر حسین یا صرف مولوی نجم الحسن لکھیں، مگر یہ نہ ہوگا نہ وہ ہمت کریں گے، نہ شیعہ ان کو مجبور کریں گے پھر کس منہ سے وہ ایسی خواہش مجھ سے کرتے ہیں کہ ان کے ہرکس و ناکس کا جواب صرف میں دوں مدیر "النجم"

(حاشیہ صفحۂ ھٰذا) سلہ یہ سوال خدا سے اور خدا کے رسول سے ہونا چاہیئے، کیونکہ خلافِ نزول ترتیب، انھیں کے حکم سے ہوئی ہے تفسیر "اتقان" کی اٹھارویں نوع میں ہے الاجماع والنصوص المترادفة علی أن ترتیب الآیات توقیفی لا شبھة فی ذٰلك أما الاجماع فنقله غیر واحد منھم الزرکشی فی "البرھان" وأبو جعفر ابن الزبیر فی مناسباته وعبارته ترتیب الآیات فی سورھا واقع بتوقیفه صلی اللہ علیه وسلم وامرہ من غیر خلاف فھٰذا بین المسلمین۔ یعنی اجماع اور ہم معنی روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آیتوں کی ترتیب شارع کی طرف سے ہے، اسمیں کچھ شک نہیں، اجماع کو بہت لوگوں نے نقل کیا ہے، ازانجملہ "زرکشی" نے "برھان" میں اور ابو جعفر بن زبیر نے اپنی "مناسبات" میں، اور ان کی عبارت یہ ہے کہ آیتوں کی ترتیب ان کی سورتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور آپ کے حکم سے ہوئی ہے، اس کے متعلق مسلمانوں میں باہم کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مدیر "النجم"

سلہ یہ روایت کتب شیعہ میں تو بیشک بڑے زور شور سے بیان کی گئی ہے، مگر کتب اہلسنت کی کتابوں میں ہرگز نہیں ہے، حضرت علی کا یا ابن مسعود وغیرہ کا بطور خود قرآن کو جمع کرنا بعض کتب اہلسنت میں ہے، مگر یہ روایتیں عند التحقیق پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتیں، اور روایاتِ متواترہ کے خلاف ثابت ہوتی ہیں

اور دیگر اصحاب نے بالعموم منظور نہیں کیا تھا، بلکہ جمع کردہ امیر عثمان[1] کو قبول کرلیا، اور اس کو دنیا میں رواج دیدیا، ایسا کیوں کیا۔

احقر: میں نے عرض کی کہ میں باختصار جواب دیتا ہوں، اور عقلی، اسلئے کہ آپ نے کوئی نقل پیش نہیں کی، اسواسطے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں بھی عقلی طور پر جواب دوں، وہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں جناب علی مرتضیٰ بھی موجود تھے، اور جب حضرت نبی کریم پر نزول قرآن شریف ہوا کرتا تھا، توکیا شیر خدا اس کو حفظ کرلیا کرتے تھے، یا تحریر کرتے تھے، براہ مہربانی جواب دیجئے، کہ اگر آپ حفظ کرلیا کرتے تھے توکیوں صرف حفظ پر قناعت کی، اور اگر لکھ لیا کرتے تھے، تو وہ نوشتہ بعد از جمع کردن قرآن شریف بدست خود، دفن کرایا گیا تھا یا ان تحریرات کو حفظ و امان میں بصورت تبرک و یادگار کے رکھا گیا تھا، یا جب کہ آپ کے قرآن شریف جمع کردہ کو حسب قول آپ کے صحابہ کرام نے منظور نہیں فرمایا تھا، تو اسوقت آپ نے اپنی سابقہ تحریرات کو سپرد آگ کرایا تھا یا غار میں لیجانے کے واسطے، یا صرف اپنے ہی واسطے محفوظ کر رکھا تھا، اس کا جواب لازمی و ضروری ہے۔ دوسرے اگر بالفرض تسلیم بھی کرلیا جائے کہ جناب شیر خدا قرآن شریف کو فراہم کرکے حسب نزول الٰہی لائے تھے اور صحابہ کرام نے منظور نہ کیا اور امیر عثمان قرآن کریم کو جس طرح چاہا اسی طرح جمع کرکے لائے، مگر صحابہ کرام نے اسی کو منظور کرلیا اور رواج بھی اسی کو دیدیا توکیا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی کچھ اس کے متعلق تحریری یا لسانی گفتگو فرمائی تھی، اگر آپ نے کچھ اس کے متعلق فریاد اٹھائی تھی تو اس کی دلیل پیش کیجئے یا خود وہ تحریر پیش کیجئے کہ شیر خدا نے اُس وقت بذریعہ تحریر ہذا کے، اس وقت کے مسلمانوں کو اس بات پر متنبہ کردیا تھا کہ صحابہ کرام بعد از نبی کریم میری یہ عزت کر رہے ہیں کہ میرے جمع کردہ قرآن شریف کو، جس کو میں حسب نزول ترتیب دے کر لایا ہوں، منظور ہی نہیں کیا، بلکہ جس طرح حضرت امیر عثمان نے جمع کیا ہے اس کو پسند کرکے رواج دینا چاہتے ہیں، لہٰذا تم لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اصلی نسخہ قرآن کریم کا، میرے پاس موجود ہے، جس شخص کو بھی ضرورت ہو وہ آئے اور مجھ سے حاصل کرلے، مگر یہ بھی ثابت نہیں ہے کہ شیر خدا نے ایسا کیا ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کیونکہ قرآئے سبعہ کی متواتر سندوں میں اسی قرآن شریف کا درس بلا کم و بیش، بلا تغیر و تبدل، اسی ترتیب کے ساتھ حضرت علیؓ سے بھی منقول ہے، نیز حضرت ابن مسعودؓ سے اور حضرت اُبی بن کعبؓ سے بھی، اگر ان حضرات کا کوئی مصحف جدا ہوتا اور ان کو موجودہ مصحف سے کچھ بھی اختلاف ہوتا تو یقیناً وہ اپنے مصحف کا درس دیتے، نہ اس مصحف موجود کا، جیسا کہ "تنبیہ الحائرین" میں مفصل لکھا جاچکا ہے۔ مدیر "النجم"

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) [1] یہ بات بھی غلط ہے حضرت عثمان نے کوئی قرآن نہیں جمع کیا۔ حضرت عثمانؓ نے وہ سات مصاحف جو شائع کئے تھے، جن کی تصحیح کی ذمہ داری اور اس کا اہتمام منجانب خلافت کیا گیا تھا، یہ مصاحف اسی مصحف کی نقلیں تھیں، جس کو حضرت صدیقؓ نے اپنے انتظام سے لکھوایا تھا اور وہ وہی تھا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جمع ہوچکا تھا۔ علامہ سیوطیؒ نے "اتقان" میں صاف لکھدیا ہے کہ ان سات مصاحف کے شائع کرنے کے باعث بعض لوگ حضرت عثمانؓ کو جامع قرآن کہتے ہیں مگر یہ فی الحقیقۃ صحیح نہیں۔ مدیر "النجم"

علاوہ ازیں حضرت مائی فاطمۃ[1] الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُس وقت موجود تھیں تو کیا آپ نے اُس وقت اس کتاب الٰہی کے واسطے، کہ جس کو تقدیم[2] و تاخیر کے سانچہ میں ڈھالا جا رہا تھا، کوئی فریاد اٹھائی تھی؟ کیونکہ آپ اعلیٰ درجہ کی عالمہ و فاضلہ بے عدیل تھیں مگر افسوس کہ ایسا بھی نہیں۔

نیز جب اصحابِ ثلاثہ یعنی خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے تھے تو اُس کے بعد مسندِ رسول کو زینت بخشنے والے حضرت خلیفۂ چہارم (خود حضرت علی رضی اللہ عنہ) ہوئے، تو کیا آپ نے اپنے عہدِ خلافت میں قرآن شریف کی ترتیب کو درست، یا علیٰ ما نُزِّلَ یعنی نزول کے مطابق کیا یا نہیں، اگر نہیں کیا تو کیوں (شیعہ کتب کے مطابق بفرضِ محال اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں آپ تقیہ پر مجبور رہے، لیکن جب ان حضرات کا انتقال ہو چکا تھا اور خلیفہ[3] بھی (خود) آپ تھے تو آپ نے اس وقت بھی قرآن شریف کے متعلق کچھ نہ کیا، اس کی کیا وجہ اور کونسی مصلحت اس کے اندر مضمر تھی، بتائیے۔

---

[1] پنجاب میں جہاں اور بہت سے مخفی اثراتِ شیعوں کے ہمارے بھائیوں پر ہوتے ہیں کہ آج بعض پڑھے لکھے بھی ان میں مبتلا نظر آتے ہیں، انہیں اثرات میں سے ایک لفظ یہ بھی ہے "چکوال" میں جب میں نے پہلے پہل جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کے لئے "مائی" کا لفظ سُنا تو بڑا تعجب ہوا اور میں نے ان لوگوں کو سمجھایا کہ دیکھو یہ قرآن کریم سے بغاوت ہے، یہ شرف قرآن کریم نے ازواجِ مطہرات ہی کو دیا ہے کہ اَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ نبی کی بیویاں تمام ایمان والوں کی ماں ہیں، پس مائی کا لفظ صرف ازواجِ مطہرات کے لئے استعمال کرنا چاہیئے، شریعتِ الٰہیہ نے جو لقب یا خطاب کسی کو دیا ہو ہم کیا حق رکھتے ہیں کہ اس لقب یا خطاب کو کسی دوسرے کیلئے استعمال کریں، اگرچہ وہ دوسرا کتنا ہی صاحبِ فضائل کیوں نہ ہو۔ مدیر "النجم"

[2] شیعہ قرآن شریف میں صرف تقدیم و تاخیر یعنی خرابیٔ ترتیب کے قائل نہیں، بلکہ پانچ قسم کی تحریف کے معتقد ہیں، قرآن سے آیتیں اور سورتیں نکال ڈالی گئیں، قرآن میں عبارتیں اپنی طرف سے بنا کر بڑھائی گئیں، قرآن کے الفاظ بدل لئے گئے، قرآن کے حروف بدل لئے گئے، قرآن کی ترتیب خراب کی گئی، اور ترتیب صرف سورتوں کی بلکہ آیتوں کی بھی اور الفاظ کی بھی اور اس تحریف کی ذائد از دو ہزار روایتیں کتبِ شیعہ میں ہیں، جس کی تفصیل ہم "تنبیہ الحائرین" میں لکھ چکے ہیں۔ مدیر "النجم"

[3] شیعہ کہتے ہیں حضرت علی اپنی خلافت کے زمانے میں تقیہ کرتے تھے، اسی وجہ سے آپ نے اپنے زمانہ خلافت میں متعہ جیسی عظیم الشان بالذت عبادت کو رواج دینا کیا معنی، اس کے حلال ہونے کا بھی فتویٰ نہ دیا اور نمازِ تراویح جیسی معصیتِ کبیرہ کو آپ نے نہ روکا، اور "فدک" وارثانِ فاطمہ کے حوالہ نہ کیا، وغیرہ وغیرہ۔ مباحثہ مکریاں وغیرہ کا مطالعہ کیجئے۔ غیر شیعہ جو چاہیں کہیں، مگر دنیا میں کوئی عقلمند ان باتوں کو مان نہیں سکتا۔

پھر اس کے بعد زمانہ امام حسن علیہ السلام آیا، جب آپ نے خلافت
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر کے اُن کو مسند نشین بنا دیا، آپ نے
ناپاک سمجھتے ہوئے ان کی بیعت کر لی، تو کیا اس وقت آپ نے کتاب الٰہی کے
متعلق کوئی درخواست یا حکم تبدیلی کا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیا تھا،
اگر دیا ہو تو پیش فرمایئے، یا آپ نے تقیہ کر لیا تھا، تو گوشہ میں بیٹھ کر آپ نے
کم از کم اپنی تمام زندگی میں جس پارہ کو یا سورۃ کو مقدم مؤخر فرمایا تھا وہ پیش
کیجیے، یا کم از کم آپ نے صرف اپنی لسانِ مبارک سے یہ اشارہ بھی اگر کسی کو
فرمایا تھا کہ قرآن شریف کو یوں ہونا چاہیے تھا تو جناب امیر کا قول کسی معتبر کتاب
سے پیش کیجیے۔

اس کے بعد زمانہ جناب سرورِ شہداء حضرت امام حسین علیہ السلام
کا آیا، تو کیا آپ نے اس کے متعلق کوئی کارروائی فرمائی تھی یا نہیں، علیٰ
ھٰذا القیاس زمانۂ شیرِ خدا سے لیکر امام حسن عسکری رضوان اللہ علیہم اجمعین
کے زمانہ تک، اگر کسی امام نے اس قرآن موجودہ کے متعلق کوئی اعتراض کیا ہے
تو پیش کیجیے ورنہ اس سوال کو واپس لیجیے اور آئندہ ایسے بیہودہ سوال
سے باز آیئے۔

؎ مراد اس سے وہ اعتراض ہے جو علی الاعلان پیش کیا ہو، ورنہ کوٹھری میں بیٹھ کر خلوتِ
خاص میں شیعوں سے بیان کرنے کی روایتیں تو بہت ہیں، خاص کر حضرت علی اور امام باقر
و امام صادق کی کتاب " احتجاج " و " تفسیر قمی " و " تفسیر عیاشی " و " تفسیر صافی " و " اصول کافی "
و " روضۂ کافی " وغیرہ کتبِ شیعہ دیکھئے کہ قرآن شریف پر اعتراضات کی بھرمار ہے، قرآن کو
کفر کے ستون قائم کرنے والی کتاب کہا گیا ہے، قرآن کی عبارات کو خلافِ فصاحت قرار دیا گیا
ہے، قرآن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین بیان فرمائی گئی ہے، اور پھر لطف یہ کہ تمام مقامات
تحریف کی تعیین بھی نہیں کی گئی، کہ بقیہ مقامات تو قابلِ اعتبار رہ جاتے۔ مدیر " النجم "

اس کے جواب میں بجز سکوت کے شیعہ مولوی صاحب نے کچھ نہ فرمایا
اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو اپنے رسالہ میں درج فرمادیں،
چونکہ آئے دن اہل تشیع کے ساتھ میرا مخاطبہ رہتا ہے اگر آپ نے اس کی مزید
وضاحت کردی تو میرے واسطے آپ کا جواب بمنزلہ عصائے موسیٰ ہوگا۔

بندہ احقر شیر محمد عفا اللہ تعالیٰ عنہ
"ساہیوال"
۱۳/۱۲/۲۶
۷ر شعبان ۱۳۴۵ھ

"النجم لکھنؤ" نمبر ۱۵ جلد ۴

(بقیہ صفحہ ۱۷۶)

کے ازلی پروانہ و کفش بردار، جیسا کہ قصیدے سے ظاہر ہے امام اہلسنت بھی بھائی پر نہایت شفیق و مہربان تھے، جب بھی پاکستان تشریف لائے ہیں۔ محبت بھرے انداز میں راقم سے پہلا سوال یہی کیا "تجمل کا کیا حال ہے" انداز سوال والہانہ تعلق کا غماز ہوتا تھا۔

دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی

زیر نظر قصیدہ کا جواب باوجود ہزار کوشش کے شیعیان "امروہہ" نہ دے سکے شعراء "امروہہ" کی طرف سے جو جواب بھی لکھا گیا اس کو وطن عزیز کے خود شیعہ اہل علم ہی نے یہ کہکر فیل کردیا کہ ہمارا جواب زبان وادب میں زیر نظر قصیدہ کے ہم پلہ نہ ہوسکنے کے سبب ناقابل طباعت بلکہ ہمارے لئے باعث ذلت اور اعتراف شکست کے مترادف ہے۔

یہ روداد خود بھائی نے راقم کو سنائی تھی۔ امام اہلسنت کے ترجمان خاص لیسر ثانی رئیس التحریر مولانا عبدالمؤمن کا خیال تھا کہ اگر مجھے حالات نے فرصت دی تو میں اس قصیدہ کی شرح لکھوں گا۔

دلچسپ واقعہ محمود احمد عباسی صاحب نے قصیدہ کی پندرہ کاپیاں منگوا کر ڈاک سے بعض شیعہ حضرات کو بھیجدیں کاپیاں پہنچی تھیں کہ ان میں سے بعض حضرات نانا کے پاس (جو شیعہ تھے) نہایت مشتعل و افسردہ پہنچے اور غصہ سے سوال کیا کچھ نواسہ کی بھی خبر ہے کہ کیا کر رہا ہے؟ اور نواسہ پر آیا ہوا غیض وغضب نانا پر اتار دیا۔

شیعہ سنی اختلافی کُتب کی تاریخ اور اس کے آغاز کی ذمہ داری

ردِ شیعہ اور النجم

بعض ناواقف یہ سمجھتے ہیں کہ النجم کا اصلی موضوع ردِ شیعہ ہے اور نئی روشنی کی بدولت صرف ردِ شیعہ نہیں بلکہ مناظرات کی تمام دو اقسام جو قرآن کریم میں موجود ہیں خلاف تہذیب قرار پا گئی ہیں۔

اس غلط فہمی کے رفع کرنے کی بارہا کوشش کی گئی جسکا مقصد صرف یہ تھا کہ برادران دینی النجم کی قدر کریں اور اس سے فائدہ اٹھائیں مگر کچھ عجب کیفیت ہے کہ بجائے توجہ و محبت کے اعراض و نفرت کی ترقی ہے۔ وَلَّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِهِمْ وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا۔[1]

تمام ناظرین اس بات کو خوب سمجھ لیں کہ اہل اسلام کو جسقدر ربے توجہی ردِ شیعہ کی طرف رہی اور رہی کسی باطل فرقہ کی طرف سے ایسی بے التفاتی نہ تھی اسکی دو وجہیں تھیں اول اس مذہب کی بے مثال کمزوری دوسرے اُسکی دروغ پروری۔ ائمہ اہل سنت نے شروع ہی سے یہ ہدایت کی کہ لا تجالسوھم ولا تکلموھم فانھم اکذب الناس نہ انکے پاس بیٹھو نہ ان سے کلام کرو کیونکہ یہ لوگ بہت زیادہ جھوٹے ہیں

ابتدا میں جب اس فرقہ کی بنیاد قائم ہوئی اور اسنے قرآن عظیم پر اور صحابہ کرام پر اعتراضات شروع کیے تو علماے اہل سنت نے نہی منکر کے طور پر انکے اعتراضات کا فاسد ہونا ظاہر فرمایا مگر صورت اسکی یہ ہوتی تھی کہ کوئی آیت یا کوئی دلیل عقلی یا کوئی اپنی روایت کی ہوئی حدیث سنا دیتے تھے اور بس۔ یہ چونکہ ابھی باطل ابتدا تھی اور انکار بدیہیات کی مشق ایسی کامل نہ ہوئی تھی جیسی پانچویں چھٹی صدی میں ہوئی اسوجہ سے یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ مرویات اہل سنت کی تکذیب کرتے۔ امام بخاری کو یہ معلوم ہوا کہ شیعہ قرآن پر اعتراضات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صحیح قرآن اور نیز کچھ احکام دین اخفا کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو دیے ہیں تو انھوں نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں ایک باب قائم کیا باب لم یترک النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا ما بین الدفتین[2] اور اس باب میں ایک حدیث بروایت

---

[1] ترجمہ۔ لوٹ گئے اپنے پیچھے اور اُن کی نفرت بڑھ گئی

[2] ترجمہ۔ یہ باب اس بیان میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوا قرآن کے کوئی نوشتہ نہیں چھوڑا

عنوان: از ادارہ

ائمہ اہل بیت کے روایت کی شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی اسکی شرح میں لکھتے ہیں لقد تلطف المصنف حیث رد علی الرافضۃ بما روی عن احد ایمتہم کہ مصنف نے بڑا لطف کیا کہ شیعوں کا رد اس روایت کے ذریعہ سے کیا جو خود انھیں کے ایک امام سے مروی ہے۔

جب اس فرقہ میں انکار بدیہیات کی مشق زیادہ ہوگئی اور رد اہل سنت مین تصنیف و تالیف سے کام لیا جانے لگا اسوقت سے بغرض دفاع علماے اہل حق نے بھی الزامی طرز اختیار کیا اور شیعوں کا رد خود انھیں کے مرویات اور کتب اور اصول موضوعہ سے شروع کیا مگر اسکی بھی یہ حالت ہوئی کہ جب انکی طرف سے دس بیس سو دو سو کتابین ہولین تو ادھر سے ایک کتاب لکھدی گئی۔ اسکا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ اس وقت اگر فریقین کی کتب مناظرہ باہمی کا شمار کیا جائے تو سنیوں کی کتابیں ۱/۱۰ کی نسبت بھی نہیں رکھتیں۔

صواقع کتنی کتابوں کے بعد تصنیف کی گئی تحفہ اثنا عشریہ کتنی کتابوں کے بعد لکھی گئی منتہی الکلام کتنی کتابون کے بعد ہوئی النجم کس قدر موقت الشیوع اخبار ورسائل اور کیسے کیسے ناپاک اور ناقابل برداشت حملوں کے بعد اور کس قدر بعد نکالا گیا سب لوگ جانتے ہیں۔

پھر ایک بات اور بھی قابل لحاظ ہے اُس سے بھی اُس کمال نفرت اور کمال بے التفاتی کا پتہ چلتا ہے جو علمائے اہل سنت کو شیعہ اور رد شیعہ سے ہے۔ اپنی کتابوں میں اہل سنت دوسرے فرق باطلہ کے خلافیات تو کہیں کہیں ذکر دیتے ہیں اور اُن کو رد بھی کرتے ہیں مگر شیعوں کا کہیں نام بھی نہین لیتے نہ اُن کے خلافیات کا کہین رد کرتے ہیں بخلاف اسکے شیعہ اپنی مذہبی کتابوں مین قدم قدم پر سنیوں کا نام لیتے ہیں اُن کے خلافیات کا ذکر کرتے ہیں اور اپنے خیال خام میں انکا رد کرتے ہیں۔

پھر یہ دیکھو کہ تمام اسلامی دنیا میں نہیں بلکہ صرف ہندوستان میں سنیوں کی مردم شماری کس قدر ہے اور اُن میں کس قدر علما ہیں اور شیعوں کی مردم شماری کس قدر ہے اور اُن میں کس قدر علما ہیں یقیناً شیعوں کی مردم شماری اور ان کے علما کی تعداد سنیوں کی مردم شماری اور انکے علما کی تعداد کے سامنے نمک اور آٹے کی بھی نسبت نہیں رکھتی۔ بعد اسکے اسکی جستجو کرو کہ شیعوں میں کیا تعداد اہل سنت کا رد کرنے والوں کی ہے اور سنیوں میں کیا تعداد شیعوں کا رد کرنے والوں کی ہے یہاں معاملہ برعکس نظر آئے گا

شیعوں میں کم کوئی عالم مشکل ایسا ملیگا جو مذہب اہل سنت سے واقف اور رد اہل سنت مین تقریراً یا تحریراً مشغول نہو بخلاف اسکے اہل سنت مین پورے ہندوستان میں جنوب سے شمال تک اور مشرق سے مغرب تک صرف دس بارہ عالم ایسے ملیں گے جو مذہب شیعہ سے واقف ہیں اور انمیں بھی تین چار ایسے ملیں گے جنھوں نے کم و بیش کچھ حصہ اپنے وقت گرامی کا کسی شدید ضرورت دینی کے سبب سے رد شیعہ میں خرچ کیا ہو۔ اور ایسا تو ایک شخص بھی نہ ملے گا جو ہمہ تن رد شیعہ مین مشغول ہو۔ النجم ہی کو لے لو دیکھو اس آٹھ نو برس کی مدت مین اُسنے کس قدر رد شیعہ کیا اسکے کسقدر صفحات رد شیعہ کے لیے مخصوص رہے اور ان کا کیا طرز و عنوان رہا اور کس قدر صفحات دوسرے مضامین کے لیے وقف رہے۔ یہ وہ باتین ہیں جن سے تمام اہل عالم کو عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

رد شیعہ کے متعلق اہل سنت کی مثال اگر معلوم کرنا چاہتے ہو تو فرض کرو کہ ایک شریف بہادر اپنے گھر سے شیر کے شکار کے لیے نکلا اور سب سامان شیر کے شکار کے اسکے پاس ہو۔ اثنائے راہ میں اسکو لومڑی ملتی ہی اور وہ لومڑی کچھ چھیڑ بھی اسکے ساتھ کرتی ہی کبھی سامنے سے آتی ہی کبھی پیچھے سے کبھی دائین سے کبھی بائیں سے اس شریف بہادر کے رفقا کو غصہ آتا ہی اور وہ اصرار کرتے ہیں کہ ایک وار میں اس شریر کا خاتمہ کردے وہ شریف بہادر کسی طرح راضی نہیں ہوتا کہ اپنا قیمتی سامان اس لومڑی کے شکار میں خرچ کرے گو سامان کی اسکے پاس کمی نہین ہی اور بادشاہی خزانہ سے اسکے لیے رسد کا سلسلہ جاری ہی مگر ہمت اسکی بلند ہی پستی کی طرف جھکنا اُسے آتا ہی نہیں لیکن جب اس لومڑی کی شرارت حد سے گزر جاتی ہی تو وہ بھی جھلا جاتا ہی اور ایک تیر اسکی طرف کردیتا ہی اور بے پروائی کے ساتھ اپنی راہ پر لگ لیتا ہی اسکے رفقا نشانہ کے پاس جاتے ہین مگر وہان کہین لومڑی کی لاش کا پتہ نہیں ملتا بہت دور جاکر کچھ چیتھڑے اس کی کھال کے اور کچھ شکستہ ہڈیوں کے ریزے ملتے ہیں۔ اس مثال سے زیادہ جامع اور مناسب دوسری مثال شاید نہ مل سکے۔

ان سب باتوں کے بعد اب دیکھو ایڈیٹر اصلاح کی کئی مرتبہ دعوت مناظرہ دینے کے بعد ایکی مرتبہ بحول اللہ و قوتہ یہ ارادہ کیا گیا ہی کہ اُن کے فرار کو نظر انداز کرکے ایک مرتبہ ضرور اُن کی ساحت شریف میں

(بقیہ بر صفحہ ۱۵۰)

واضح ہو

کہ خداوند عزیز ذوانتقام نے صحابہ کرام کے دشمنوں سے عجب انتقام لیا کہ ان کو انسان کے مقابلہ سے ہٹا کر اپنی کتاب حکیم کے مقابلہ میں لاکر ڈال دیا۔ اس حقیقت پر کہ مذہب شیعہ کی بنیاد قرآن شریف کی عداوت پر ہے ایک مدت تک پردہ پڑا رہا اکثر لوگ یہی سمجھتے رہے کہ شیعہ بھی کلمہ گو ہیں مسلمان ہیں۔ ان کے ساتھ اسلامی برتاؤ ہونا چاہئے۔ بعض اہل تحقیق نے ان کو خارج از اسلام سمجھا مگر اس کی وجوہ جو انہوں نے بیان کیں وہ نظری ثابت ہوئیں بالآخر بعض اکابرِ امت اپنی فراست ایمانی سے اس حقیقت تک پہنچ گئے۔ حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی نے "ازالۃ الخفا" کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ نور توفیق نے مجھے اس رمز سے آگاہ کیا مگر چونکہ حضرت ممدوح نے اس حقیقت کو بہت زیادہ وضاحت سے نہ بیان فرمایا تھا اس وجہ سے اکثر لوگوں کے ذہن پھر بھی اس کے ادراک سے محروم رہے شاید کہ مشیت الٰہی نے یہ خدمت اس حقیر کے لئے مقدر رکھی تھی اگرچہ یہ ناکارہ اس قابل نہ تھا کہ انتقام خداوندی کا آلہ جارحہ بنے مگر عنایت اور بے استحقاق بخشش ؎

اگر بادشہ بر در پیر زن | بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

چنانچہ اب یہ حقیقت بالکل بے پردہ ہو گئی کہ شیعوں کا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ رسالہ ہذا بھی اسی حقیقت کے دیکھنے کا ایک چھوٹا سا آئینہ ہے۔

لہٰذا

شیعوں کو چاہئے کہ ایمان داری کے ساتھ ضد اور تعصب سے علیحدہ ہو کر اپنے مجتہدین کی کورانہ تقلید چھوڑ کر اس حقیقت کو جانچیں۔ اس کے بعد اگر قرآن کریم ان کو زیادہ پیارا ہو تو مذہب شیعہ کو خیرباد کہیں اور اگر زرارہ وابوبصیر وغیرہ کی روایتیں ان کو زیادہ عزیز ہوں تو ان کو اختیار ہے اور سنیوں کو لازم ہے کہ جب کوئی شیعہ ان سے مذہبی چھیڑ چھاڑ کرے تو اس کو پہلا جواب وہ یہی دیں کہ تم کو اسلامی فروعی مباحث میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں جب تک تمہارا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے فقط والسلام

سراپا عجز و قصور محمد عبد الشکور مدیر "النجم لکھنؤ"

سُنّی شیعہ رواداری

مولانا عبدالماجد صاحب مدیر اخبار "سچ" گھر چائسی مدیر "سہیل یمن"

فی نفسہ تعصب ایک ایسی بد بلا ہے جو متعصب کو ایک آن بھی نچلا نہیں بیٹھنے دیتی، متعصب اگر بد قسمتی سے کسی غیر مذہب والے کی مدح و ستائش کے لئے قلم اٹھاتا ہے یا ابنائے زمانہ کی نظروں میں اپنے کو غیر متعصب ظاہر کرنے کے لئے زبان کھولتا ہے تو بھی مدائح و محاسن کے پردوں میں ذمائم و فضائح کی کچھ نہ کچھ دبی آگ ضرور چھوڑ جاتا ہے۔

تعصب لغتہً عبارت ہے گہری ہمدردی سے، یوں تو دنیا میں کوئی فرقہ، کوئی مذہب کوئی شخص، کوئی قوم تعصب سے بے نیاز نہیں ہے ہاں ہر ایک میں کمی بیشی اور طرز تعصب میں ضرور فرق ہوتا ہے، سُنّیوں کا تعصب اور قسم کا، شیعوں کا تعصب اور طرح کا، قادیانیوں کا تعصب اور رنگ کا، آریوں کا تعصب اور رنگ کا، بدعتیوں کا تعصب اور طرح کا۔

سنیوں کا تعصب۔ صراطِ مستقیم پر خود بھی چلنا اور دوسروں کو بھی صراطِ مستقیم پر چلانے کی کوشش کرنا، سچ بات کہنا، سچ بات پر اڑنا، بدگوئی اور خلافِ تہذیب بات سے زبان کو روکنا، مذہبی پیشواؤں کی عزت و حرمت کرنا خواہ وہ کسی مذہب و ملت کے ہوں۔

قادیانیوں کا تعصب۔ تلخ سُننا، نرم کہنا اور اپنے ہر ملنے والے کو ہر ممکن صورت سے قادیانی کر کے چھوڑنا۔

آرین تعصب۔ سخت گیری، لاٹھی پونگا، مسلمانوں کی اکھاڑ پچھاڑ میں ہر وقت مشغول رہنا۔

بدعتیوں کا تعصب۔ باوجود علم کے سنتِ بیضاء کو پس پُشت ڈال کر شرک و بدعت کو رواج دینا، اور جو شخص ان کی روٹیوں میں خلل انداز، یا خلل اندازی کا اندیشہ ہو اس کی مخالفت میں حد سے گذر جانا اور اس کو دائرہ اسلام سے خارج بتا دینا۔

مگر **شیعوں کا تعصب** کا باوا آدم ہی نرالا ہے، شیعوں کے مذہب میں تعصب نام ہے

لے مضمون ہٰذا مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی اور اخبار "سچ" کی پالیسی کو سمجھنے میں معاون ہونے کے سبب شائع کیا گیا ہے۔

ہٹ دھرمی، گالی گلوچ، تھکا فضیحتی، تبرّا بازی، بزرگانِ دین کو متہم بالعیوب کرنا (خواہ اپنے پیشوائے مذہب ہی کیوں نہ ہوں) فحش نگاری، فحش لسانی، بیجا اعتراضات، بے ہنگام لغویات کا، اور اہل سنّت وجماعت کی ہر معقول و مسلّم بات کی تردید پر اڑ جانا اور اعلائے سنّت و اہل سنت سے جلے مرنا۔ میں آپ حضرات کے سامنے اس وقت سنّی اور شیعہ تعصب" کی ایک نظیر پیش کرنا چاہتا ہوں۔ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر اخبار "سچ" کی۔ اولوالعزم شخصیت کو کون نہیں جانتا، آپ کے متعصب سنّی ہونے میں کس کو شک ہے، آپ کی قابلیت اور تدیّن کا کون منکر ہو سکتا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس جناب "مدیر سہیل یمن" گھر جائسی یا درونِ پردہ مولوی سبط حسین صاحب کی "مذہب پرستی" اور تعصب سے بھی آپ حضرات کو خوب واقفیت ہے مولانا عبدالماجد جیسے متعصب قومی و دینی لیڈر کو کیا ہونا چاہیئے، بادی النظر میں مولانا عبدالماجد جب کوئی سنیوں کا مخالف مرے تو "خوشی کا نعرہ" لگائیں اور اسلام کے پرچم کو ایک مرتبہ حرکت دیکر اخباری نقارے پر قلم کی شادمان چوٹ مار دیں۔

مگر اے آہ مجھے آپکے سامنے سنی رواداری اور شیعہ رواداری پر رونا ہے۔ رئیس الاحرار مولانا محمد علی صاحب جیسا غیر متعصب مذہبی جھگڑوں سے نالاں سرزمینِ یورپ میں وطن سے دُور دم توڑتا ہے، دنیا ان کے ماتم کے لئے اپنی آنکھیں بچھا دیتی ہے واحمداہ واحمداہ کے دلخراش نعروں سے تختۂ دنیا لرز اٹھتا ہے، عبدالماجد کی آنکھیں اس مرگ بیچارہ پر اشک بہاتی ہیں، قلم مرثیہ اور دردناک نوحہ لکھتا ہے، "مدیر سہیل یمن" بھی ابنائے زمانہ کے ہدف ملامت سے بچنے کے لئے "ہا" "مرحوم محمد علی کے مردانہ وار کارہائے نمایاں سے مرعوب ہو کر مرثیہ لکھتے ہیں۔

پھر کچھ عرصہ نہیں گزرنے پاتا کہ خود شیعوں کا قومی و مذہبی لیڈر ہی نہیں بلکہ "اودھ" کا وزیر اعظم "مدرسۃ الواعظین" جیسے شیعہ تبلیغی مدرسہ کا مالک، شیعہ اداروں کا واحد اجارہ دار، ذی اثر، مالدار راجہ علی محمد خان آف "محمود آباد" مرتے ہیں اُس وقت ایک "متعصب سُنّی" اگر خوشی کا نعرہ نہ لگاتا تو کم از کم خاموش رہتا مگر دیکھیے بحیثیت ایک قومی کارکن، لیڈر ہونے کے جو صدمہ مولانا عبدالماجد کے قلب پر محمد علی کے مرنے سے ہوا تھا وہی چوٹ راجہ علی محمد خان کے مرنے پر کھائی، جس جذبہ اور تڑپ کے ماتحت مولانا عبدالماجد کی آنکھیں محمد علی کے مرنے پر سوگوار ہوئی تھیں اُسی جذبہ سے نے

علی محمد خان کے مرنے پر خون کے آنسو رلوا دیئے۔ مرثیے دونوں نے لکھے مولانا عبد الماجد نے بھی اور "سہیل یمن" نے بھی، مولانا عبد الماجد نے راجہ علی محمد خان آف "محمود آباد" جیسے شیعہ کا اور محمد علی (جوہر) جیسے غیر متعصب سنی کا، مدیر "سہیل یمن" نے دونوں کے مرثیوں کے کچھ کچھ اقتباسات پیش کرتا ہوں آپ خود غور کیجیئے کہ کون رواداری کا لوا تھامے ہوئے ہے اور کون تعصب کا انسانیت سوز پردہ اٹھا رہا ہے۔ مولانا عبد الماجد دریابادی اپنے اخبار "سچ" مجریہ ۵ رجون ۱۹۳۱ء صفحہ ۲ پر "راجہ علی محمد خان" کا عنوان قائم کر کے تحریر فرماتے ہیں:

"محمد علی کے بعد علی محمد، سنہ عیسوی کا آغاز تھا کہ ملت نے محمد علی کا داغ سینے پہ کھایا، سنہ ہجری شروع ہوا تو علی محمد خان نے سفر آخرت اختیار فرمایا۔ قوم کا خادم جب رخصت ہوا تھا، اور وطن کا مخدوم اب.... شب برات میں ایک طلبی ہوئی، محرم میں دوسرے کی سنائی سننی پڑی، غرباء کا جگر کل پھٹ چکا تھا اُمراء کا بازو آج ٹوٹ کر رہا، کن کن حسرتوں پر روئیے اور دل کو کیا کہہ کر سمجھائیے، خاص و عام غریب و امیر، راجہ اور پرجا سب کے سب اب حسرت و یاس کی تصویر.... علی محمد خان شیعہ تھے، ہوں گے، زبانوں پہ چرچا ہے کہ بڑے "نیشنلسٹ" تھے، یہ بھی صحیح ہوگا، لیکن ہیں جن راجہ صاحب "محمود آباد" سے واقف تھا وہ مسلمان ہی تھے اور بڑے مسلمان، اول بھی مسلمان اور آخر بھی مسلمان، محمد علی کی سی تڑپ اور طپش نہ سہی پھر بھی زبان پر محمد کا کلمہ، دل میں اسلام کا درد، اور دماغ میں مسلمانوں کی خیر اندیشی، دستر خوان کی وسعت ہر مسلمان کے لئے موجود، خزانہ کی تھیلیاں ہر کلمہ گو کے لئے کھلی ہوئی، دولت کی تمنا تھی تو مسلمانوں کی زر پاشی کے لئے، اعزاز کی طلب تھی تو مسلمانوں کی نفع رسانی کی غرض سے، ایک فیض کا چشمہ تھا قوم کی سیرابی کے لئے، ایک کرم کا دریا تھا افراد قوم کی آبیاری کے لئے، ایک جود و عطا کا بادل تھا جو امنڈ امنڈ کر برسا اور اس طرح برسا کہ اپنے رقبۂ حدود میں تشنہ لب نہ توم کو چھوڑا، نہ افراد قوم کو، اس کا در حاجت مندوں کا مرجع، اس کی ڈیوڑھی ناداروں کی امیدگاہ۔ کم نصیب تھا وہ جو اس کے ہاں سے مایوس اور اس کے پاس سے محروم واپس ہوا (اس کے بعد ان کے اخلاق اور قومی دلگیری کے دو واقعہ لکھے ہیں)...... وہ قومی لیڈر اور نیشنلسٹ پارٹی کا افسر، مسلم لیگ کا صدر اور مسلم یونیورسٹی کا وائس چانسلر، لکھنؤ یونیورسٹی کا ساعی اور "اودھ" چیف کورٹ کا بانی، ہٹلر کا دوست، اور مسٹن کا دشمن، آئی، ڈی، ٹی۔ کا مالک

اور ہمدم کا پروپرائٹر، حکومت کا ہوم ممبر، اور سرکار برطانیہ کا منظور نظر، نہیں وہ مسکیں نواز، یتیم پرور، شریفوں کا سرپرست اور حاجت مندوں کا حاجت روا، بے وارثوں کا وارث، غریبوں کا دستگیر مہماں نواز، سیر چشم درماندوں کا شفیع، اور بیواؤں کا کفیل علی محمد خان تھا اس کے بڑے بڑے شاہانہ چندے اور لکھو کھا لاکھ کی قومی فیاضیاں سب نے دیکھیں، اس کی چھپی ہوئی خیرات اور پوشیدہ زرپاشیوں کی خبر مخلوق میں سے کسی کو نہیں۔ .... جا اے نیک دل رئیس، اے امرت مرحوم کے غمخوار وغم گسار، اپنے رب اور اپنے مولا کے حضور میں خوش خوش جا، خائف و متردد نہ ہو کہ آج تیری حمایت اور پشت پناہی پر، یتیموں کی فوج کی فوج، بیواؤں کی قطاروں کی قطار اور بیکسوں اور بینواؤں کی صفیں کی صفیں ہیں۔"

مدیر "سہیل یمن" اپنے خصوصی مقالہ "منثورۃ الدر" میں رقمطراز ہیں:

"ہفتہ گذشتہ میں لکھنؤ کی فضائیں سامانِ غم و ہم کا منظر ہر گلی و کوچہ میں پیش کر رہی تھیں گلیوں، گلیوں کے جتھے سر برہنہ، ہاتھوں میں سیاہ جھنڈے لیئے ہوئے لندن کے جنت دنیا میں مرنے والے کا ماتم کر رہے تھے۔ ان کی سر برہنگی اور ان کے سیاہ علم بتا رہے تھے کہ کوئی ان کا رہبر مر گیا ہے، جبراً دکانیں اگر کھلی ہوئی تھیں تو بند کرائی جاتی تھیں اور ایک خاص جوش اور خاص انداز سے نعرۂ تکبیر کی صدائیں .... یہ سب کچھ مولانا محمد علی صاحب کی موت پر تھا۔ یہ وہی مولانا محمد علی صاحب ہیں جن کے کلمات ابھی تک ذہن میں محفوظ ہیں اور جنہوں نے ایک بار ضرورتِ خلافت کا ثبوت دیتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ خلافت ایسی ضروری شے ہے کہ اس کے سامنے رسول کا بے دفن و کفن چھوڑ دینا ضروری سمجھا گیا مگر اساسِ خلافت مستحکم کر لی گئی ؎

خدا شرے برانگیزد کہ خیرِ ما دران باشد

شادم کہ از رقیبان دامن کشان گذشتی ــــ گو مشت خاک ما ہم برباد رفتہ باشد

ہمارے دل میں اس مرنے والے کی وصیت یوں بڑھی کہ اس نے حق پوشی نہیں کی اور دنیا پر ظاہر کر دیا کہ اہل سنت جس بات کو چھپا کے جھوٹ بولنا چاہتے ہیں وہ چھپنے والی چیز نہیں۔ یہ بھی کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں قابلِ ترجیح ہے ورنہ رسول بے دفن و کفن نہ چھوڑا جاتا اور سقیفہ بنی ساعدہ میں محفل عشرت نہ منعقد ہوتی ....

بہرحال دنیا بھر میں یہ ہنگامۂ غم انہیں کی موت پر برپا ہوا، سیاہ جھنڈے اعلامِ غم کیلئے اٹھائے گئے، کوچہ و برزن میں نوحہ و مرثیہ ان کے لئے پڑھا گیا، سر انہیں کے ماتم میں برہنہ کئے گئے، دوکانیں انہیں کے لئے بند کی گئیں۔ یہ صرف اس لئے تھا کہ ایک دنیاوی لیڈر جو اپنی خواہشاتِ نفس کو مغلوب نہیں کر سکا اور صیدِ ہوا و ہوس رہا وہ فوت ہو گیا۔ یہ سب کچھ ہو گیا اور گردنِ غفلت پر جوں نہ رینگی اور نہ کوئی بدعت کا فتویٰ دنیائے اسلام میں نکالا گیا

رنج در مرگ رقیباں گرانجاں کردے

مے شناسم کہ چہ از ناز و ادا گشتت تلف "

دیکھا آپ نے ایک متعصب سنی کے مرثیہ اور متعصب شیعہ کے مرثیہ میں کس قدر بیّن فرق ہے مولانا عبدالماجد نے گویا اپنے رنج اور صدمہ کا پورا فوٹو کھینچا ہے اور جوشِ محبت میں راجہ علی محمد خان کو کیا کیا لکھ گئے، یہ اصل مضمون میں دیکھئے مسلمان بنایا اور کہا کہ علی محمد خان شیعہ تھے، ہوں گے" میں جن راجہ صاحب سے واقف تھا وہ مسلمان ہی تھے اور نرے مسلمان۔ اول بھی مسلمان، آخر بھی مسلمان ... زبان پر محمد کا کلمہ جاری، اسلام کا درد ... حاجت مندوں کا حاجت روا۔" ۔۔ "غریبوں کا دست گیر۔"

غرضکہ مولانا نے علی محمد خان کو کیا کچھ نہیں لکھا اور کون سے وہ صفات و محاسن رہ گئے جو ایک دردمند قلب سے کسی خاص، مقرب بندے کے لئے لکھے جا سکتے ہوں۔ مولانا نے نہیں بیان کر دیئے۔ بخلاف اس کے مدیر "سہیل یمن" کے الفاظ خط کشیدہ ملاحظہ ہوں لفظ لفظ سے ٹپک رہا ہے کہ محمد علی سے ان کو کوئی سروکار نہیں، کیوں؟

اس لئے کہ محمد علی سُنّی تھا، اصحابِ رسول اللہ کو مانتا تھا، قرآن کا عامل تھا، سب سے بڑھ کر مدیر "سہیل یمن" نے جو مولانا مرحوم کی تعریف کی اور قابلِ تعریف فعل نقل کیا اس میں بھی اعتراض جڑ دیا کہ "محمد علی نے ظاہر کر دیا کہ اہل سنت جس چیز کو چھپانا چاہتے ہیں وہ چھپنے والی بات نہیں" ورنہ رسول کو بے دفن و کفن نہ چھوڑا جاتا اور سقیفہ میں "محفلِ عشرت" نہ منعقد ہوتی۔" یہ کیسے دلخراش جلے ہیں۔ مولانا عبدالماجد نے خصوصیت سے مقالہ لکھا اور راجہ "محمود آباد" کو مجسم اخلاق، پیکرِ اسلام ثابت کرنے کی بے دریغ کوشش فرمائی اور اپنا سارا

ادب اس بات پر صرف کیا ہے کہ علی محمد خان جنتی ہیں، مقدس روحوں، مستجاب اور دل سے نکلی ہوئی دعاؤں نے جنت کے دروازے اس کے لئے کھول دیئے ہیں، وہ ایسا تھا کہ دنیا اگر اپنے آخری لمحۂ حیات تک بھی روتی رہے تب بھی گویا کم روئی۔ سہیل نے محمد علی کا نوحہ تبین واقعہ اور حوادث خصوصیہ کے طور پر نقل کیا دوسرے تعریف ایسی کی جس میں مذمت ہر ہر حرف و جملے سے ٹپکی پڑتی ہے۔

مولانا عبدالماجد کا مرثیہ درد اور محبت، خلوص اور نیک نیتی پر مبنی ہے۔"

"سہیل یمن" نے مرثیہ محض اعتراض کی وضاحت اور اپنی غرض کے لئے لکھا کہ یہ سب کچھ ہوا۔ "علم بھی نکلے، سر برہنہ بھی لوگ پھرے، دوکانیں بھی بند ہوئیں، مگر دنیائے اسلام نے کوئی بدعت کا فتویٰ نہیں دیا۔" اور حسینؑ کے ماتم پر اس قدر شور و غوغا مچایا جاتا ہے۔

مولانا عبدالماجد نے وہ اوصاف بیان کیے جو ایک دنیا دار راجہ مہاراجہ اور جنٹلمین انسان کے لئے ہرگز کسی طرح زیب نہیں دیتے، بہرحال اوصاف ہیں برائیاں بیان کرنا تو درکنار خوبیوں میں اس کو خدا و رسول سے بھی بڑھا دیا۔" "سہیل" نے باوجود محمد علی کے اسلام کی دین داری کے، بے تعصب لیڈر ہونے کے پھر بھی ان کو بندۂ ہوا و ہوس متبع نفس و نفسانیت بتایا۔"

الغرض مولانا کے مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا اپنے کسی دینی پیشوا کے اخلاق کا نقشہ کھینچ رہے ہیں اور مدیر "سہیل یمن" اپنے دشمن کی تعریف کر رہے ہیں

اب ان دونوں مرنے والوں کی میزان مذہبی کا توازن فرمائیے۔

مہاراجہ محمود آباد متعصب شیعہ، محمد علی غیر متعصب سنی، مہاراجہ سنیوں کے دشمن محمد علی شیعوں کے دوست، مہاراجہ اپنے مذہب کے مبلغ اعظم، محمد علی مذہبیات کو جھگڑا اور مفت کا بکھیڑا سمجھتے تھے۔"

مہاراجہ اپنے علماء و مناظرین کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے، محمد علی امروہہ[۱] کے

[۱] صرف اتنا ہی نہیں بلکہ مولانا بیحد دل برداشتہ و بیزار "امروہہ" سے یہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے کہ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۲ پر)

مناظرہ کو ایک فضول چیز سمجھ کر رو کنے گئے، مہاراجہ نے سُنیوں کی رد میں شیعہ تبلیغی مدرسہ کھولے، محمد علی دینی مدرسوں میں شریک بھی نہیں ہوئے، مہاراجہ سنیوں کو ذلیل وخوار سمجھتے تھے محمد علی کے یہاں شیعہ آتے اور وہ ہر ممکن خدمت کرتے،

غرض کہاں تک بیان کروں دونوں کے لوائح زندگی اور طبیعت میں بون بعید تھا

مولانا عبدالماجد صاحب غور فرمائیں اور تمام سُنی بھائی توجہ کریں کہ شیعہ رواداری اور سنی رواداری میں یہ فرق ہوتا ہے کہ ایک طرف مولانا عبدالماجد جیسا شخص علی محمد خان پر روتا ہے دوسری طرف مدیر "سہیل یمن" جیسا آدمی محمد علی (جوہر) کے مرنے پر بھگو بھگو کے جوتے مارتا اور اعتراضات کرتا ہے۔

اب کبھی "امروہہ" نہ آوں گا (حالانکہ "امروہہ" مولانا کی ننہیال اور بی اماں کی تربیت گاہ تھا) ہم تو ہندو مسلم بھائی بھائی فضا بنانے میں دن رات ایک کئے ہوئے ہیں۔ اور یہاں شیعہ سنی مناظروں کا میدان گرم ہے۔

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ مولانا محمد علی نے منجانب امام اہل سنت مسائل متعلقہ مناظرہ طے کرنے کے مجاز سراپا دماغ و اخلاص اور رہبر دینی وقومی تحریک کی روح "امام العلم" مولانا احمد حسن صاحب امروہوی کے شاگرد و مہتمم دارالعلوم اسلامیہ "امروہہ" مولوی سید معظم حسین نقوی امروہوی کے پیروں پر ٹوپی رکھ کر موصوف کو التواءِ مناظرہ پر رضامند کیا، مگر شیعوں کی طرف سے مولانا کے مقام وجذبات کی قطعاً پذیرائی نہ ہوئی، بالآخر اصل شیعہ مسلم اختلاف (شیعوں کے ایمان بالقرآن) واحد مسئلہ پر، چار روز مناظرہ کا میدان گرم رہا، اور "مجتہدین لکھنؤ" نے امام اہلسنت کے مقابلہ میں اپنے نصیب کی شکستِ فاش کا عبرتناک منظر بچشم خود دیکھا چنانچہ علامہ لکھنوی کی طرف سے جو روداد مناظرہ "امروہہ" شائع ہوئی اس کا نام ہی "شکستِ عظیم باعدائے قرآن کریم" ہے حالانکہ واحد مناظر مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی کے مقابلہ میں "مجتہدینِ لکھنؤ" کے چار تحت ملبب تھے۔

قصیدہ در مدحِ قاطعِ رفض حضرت امام اہلسنت نور اللہ مرقدہٗ

(رشحہ قلم جناب مولوی سید علی تجمل خاں صاحب تجمل حسینی حنفی امروہوی)

[ذیل کا پرجوش قصیدہ ان الم انگیز اثرات سے متاثر ہوکر تحریر کیا گیا ہے جو شاعر کے وطن مالوف امروہہ میں ایک مدت سے حضرات شیعہ نے پھیلا رکھے ہیں کبھی اہل سنت اور ان کے اکابر پر سب وشتم کا بازار گرم کیا جاتا ہے اور کبھی عقائد اسلام اور معتقدات مذہب اہلسنت کی تضحیک کرنے کا بیڑا اٹھایا جاتا ہے ابھی حال میں معلوم ہوا ہے کہ کسی رافضی صاحب نے آفتاب صداقت کے نام سے کوئی کتاب تحریر کی ہے جس میں حضرت عباس اور عبداللہ بن عباس کو غالی رافضی بتایا گیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حضرات متعہ کو جائز فرماتے تھے، اسی رسالہ میں حضرت امام اہلسنت مدظلہ العالی کے متعلق بھی نہایت مکروہ اور توہین آمیز الفاظ تحریر کئے گئے ہیں ہمارے نوجوان شاعر اپنے سینہ میں ایک درد مند اور پرجوش دل رکھتے ہیں چنانچہ اس قصیدہ کے زور اور معنوی بلندی سے فارسی سے ذوق رکھنے والے حضرات اس امر کا بخوبی اندازہ کریں گے۔ مدیر]

بعد حمد و نعت کاں خارج ز امکاں آمدہ — خامۂ من مادحِ ممدوحِ دوراں آمدہ

آنکہ در توصیف او توصیف اللہ و رسول — آنکہ ذاتش افتخار اہلِ ایماں آمدہ

حضرت علامہ عبدالشکور لکھنوی — کو بہ ردِ شیعیت یکتائے دوراں آمدہ

مولدش کاکوری است و مستقرش لکھنوی — کوہ کاسر بر سر لعنت فروشاں آمدہ

قاتلانِ ابن حیدر است ہر یک مرکزے — در عدو زاں لکھنؤ کوفہ یکساں آمدہ

دیں عجب کز بہر استیصال دین شیعیاں — اہلسنت را امام از لکھنؤ یاں آمدہ

چونکہ زا خلاف عمر فاروق اعظم ذات اوست — شہرۂ حق گوئیش در ہند و ایراں آمدہ

عالم و ہم تشنگانِ علم را سرچشمہ عارف و ہم رہنمائے راہِ عرفاں آمدہ

ظلمتِ کفر از زبانِ حق بیانش محو شد
چوں دلش آئینہ دار نور ایماں آمدہ

از زبانش بشنوی گر نعت ختم المرسلیں جانب ہند از عرب گوئی کہ حساں آمدہ
نقشِ کلکش دیدہ باطل پرستاں را جحیم حرفِ او فردوس گوشِ حق نیوشاں آمدہ
آشنا گردد اگر گوشت ز تقریر خوشش در جہاں بار دگر گوئی کہ سحباں آمدہ
فکر او کشاف اسرار حدیث و نطق او ترجمان معنیٔ آیات قرآں آمدہ
بہر حفظ سنتِ خیر البشر گشتہ سپر بہر قطع شیعیت شمشیر عریاں آمدہ

کرد بر قصر تشیع حملہ ہائے حیدری
ذوالفقار او کلام شیر یزداں آمدہ

آمدہ از وے بجاں ہر پیرو ابن سبا نام او لاحول بہر آل شیطاں آمدہ
از پئے تجدید سنت اندریں دور فتن چوں مجدد ذات او با ساز و ساماں آمدہ
سینۂ بے کینہ اش گنجینۂ عشق نبی بہر حب چار یار آئینہ اش جاں آمدہ
یعنی بوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ را بدہر بے غلو مدحت سرا و منقبت خواں آمدہ
دامنش لبریز گلہائے ولائے اہلبیتؓ غیرت باغ جناں زیں نو بہاراں آمدہ
بہر اظہار حق و اثبات آئین حسینؓ خامہ اش چوں ذوالفقار شیر یزداں آمدہ
دشمن رفض و خروج و ناصبیت ذات اوست برق بہر ملحداں و بدعتیاں آمدہ
فتنۂ مرزائیت شعلہ بہ پیراہن از وست کز پے دجال چوں مہدی دوراں آمدہ

مقصد او چوں ہدایت بود پس در لکھنؤ
بر کفے بنہادہ یک نجم درخشاں آمدہ

کاں ز مہ تابانیش بودہ است محسود و ہتیل بس ادیم از فیض بے پایانش بناں آمدہ
بہر اصلاح مسلماناں چہ خوش تر مصلحے وز پئے رجم الشیاطیں رجم شیطاں آمدہ
بالخصوص از بہر آں دیے کہ ہر آئین او تا مسلم نزد اہل عقل و ایماں آمدہ

آنکہ از تلبیس و کذب و افترا تعمیر اوست
وانکہ اصلش لعن و بد گوئی نیکاں آمدہ

بوالعجب دینے کہ اظہارش بیارد ذلتے
عزت ہر پیروش مضمر بہ کتماں آمدہ

واندراں تبلیغ دیں آمد ز ممنوعات دیں
گرچہ اخفائیش خلاف حکم قرآں آمدہ

چوں مدار اوست بر کذب و زنا و سب و شتم
زیں سبب ہر پیروش مشتاق عصیاں آمدہ

سیزدہ معصوم از مخلوق غیر از انبیاء
اینت حیرت متصف خالق بہ نسیاں آمدہ

چوں رسول شاں تقیہ کرد و حق پوشی نمود
امتش ہم ازہماں آلودہ داماں آمدہ

نزد ایشاں خود رسول و آل و اصحابش تمام
ہر یکے از زمرۂ باطل پرستاں آمدہ

اعتقاد شاں بشاں دودمان مصطفےؐ
رد کش صد اعتقاد خارجیاں آمدہ

شد ز مرویات اصحاب الائمہ آشکار
ہر امامے ہمقرین نفس و شیطاں آمدہ

بالخصوص آں مومن اول شہ مرداں علی رض
بے نصیب از دولت اسلام و ایماں آمدہ

اشجع عالم ز روئے ملت ابن سبا
شیر حق بودہ بتر از گوسفنداں آمدہ

ہر یکے ز ایشاں نسست در ظاہر نصیری زادۂ
لیک در باطن بتر از ناصبیاں آمدہ

حضرت عباس رض ہم کو عم خیر الناس بود
مورد صد طعنہ ہائے مفتریاں آمدہ

یعنی او ہرگز نبود از صلب عبد المطلب
ہستیش غالی تریں رافضیاں آمدہ

ہمچناں فرزند او کو بُد امام المسلمیں
از گروہ شاں بقول ابن سفیہاں آمدہ

آنکہ او را اہل ایماں خیر امت گفتہ اند
ہیں کہ نزد کافراں او ہم از ایشاں آمدہ

وندریں مذہب بقول مرتضیٰ رض در احتجاج
در خور نفریں ہمہ مضموں فرقاں آمدہ

باوجود وعدۂ حفظ خدا از بہر او
ایں جماعت قائل تحریف قرآں آمدہ

نزد ایشاں چونکہ حرفے ز اصل و محفوظ نیست
حفظ قرآں بہر شاں بیروں ز امکاں آمدہ

الغرض اللہ و قرآن و نبی و ہم علیؓ	با صحابہ از یک زنار استگویاں آمدہ
آں جماعت کو بہ قرآں است ممدوح خدا	نزد ایشاں مایۂ صد کذب و بہتان آمدہ
الحذر از اعتقاداتِ روافض الحذر!	اندریں عالم خدایا ایں چہ طوفاں آمدہ

ایں خصوصیات رفض از خود نہ ہرگز گفتہ ام
آشکارا زہر کتاب رافضیاں آمدہ

بہر محو ظلمت ایں کفریات اہل رفض	صاحب النجم چوں خورشید رخشاں آمدہ
آنکہ نام نامیش مذکور در آغاز شد	آنکہ ذات سامیش ممدوح دوراں آمدہ
آنکہ بہر خدمت اسلام خود را وقف ساخت	آنکہ تنہا بر سر اعدا بمیداں آمدہ
آنکہ از صدیقؓ فیض صدق میداد بدل	آنکہ از فاروقؓ پر از جوش ایماں آمدہ

آں کہ در حلم و حیا بگرفتہ از عثمانؓ سبق
آں کہ فائق از علیؓ در علم و عرفاں آمدہ

آں کہ دارد دولت حسن تکلم از حسنؓ	آنکہ در حق فدوی شاہ شہیداں آمدہ
آنکہ او غواص در ہائے علوم مذہب است	آنکہ او گنجینۂ در ہائے ایماں آمدہ
آنکہ قائم از پئے تبلیغ دارے کردہ است	آنکہ غازی در جہاد دین و ایماں آمدہ
آنکہ او بر ہر کتاب شیعیاں دارد عبور	آنکہ از حفظش گروہ شیعہ حیراں آمدہ
آنکہ علم او علمبردار اہل سنت است	آنکہ ذاتش حامی تعلیم قرآں آمدہ
گو ہرش تا دیر باد از آنکہ اہل رفض را	از سرش صد سینہ چاک و دیدہ گریاں آمدہ

وصف پاکش ریخت از کلک تجمل زانکہ او
قاطع رگہائے جانِ رافضیاں آمدہ

موصوف قاری علی تجمل نقوی بانی ادارہ کے حقیقی بڑے بھائی تھے، اکتوبر ۱۹۸۶ء میں انتقال فرمایا، مدعیان تحریف قرآن کے ازلی مخالف و مد مقابل تھے۔ اور امام اہلسنتؒ (بقیہ بر صفحہ ۱۶۱)

ابوالائمہؒ کی تعلیم

از : مولانا محمد عبدالشکور لکھنوی مرحوم
ضخامت : ۱۱۲ صفحات ۔ کاغذ ۔ کتابت، طباعت : عمدہ
قیمت : آٹھ روپیہ پچاس پیسے ۔
ناشر : ادارۂ تحفظ ناموسِ اہلبیت اے ۲۱۹ سی بلاک، حیدری، شمالی ناظم آباد کراچی

علمی دنیا میں امام اہل سنت علامہ محمد عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی کسی تعارف کا محتاج نہیں وہ بہت بڑے عالم اور محقق تھے انہوں نے نصف صدی سے زائد عرصے تک اخبار "النجم" اور اپنی کثیر تصانیف کے ذریعے اہل سنت وجماعت کی جو عظیم خدمات انجام دیں، وہ ان کے نام کو قیامت تک زندہ رکھیں گی، وہ ایک سراپا "علم وعمل" شخصیت تھے اور جو بات کہتے یا لکھتے ناقابلِ تردید دلائل کے ساتھ اور سورج کی طرح روشن حقائق کی بنیاد پر کہتے اور لکھتے، زیر نظر کتاب میں انہوں نے خلفائے ثلاثہ (حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے باہمی تعلقات پر بحث کی ہے، اور نہایت قوی دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ سیدنا حضرت علیؓ خلفاء ثلاثہؓ کے ہم عقیدہ، مداح، مشیر اور مددگار تھے۔ کتاب کا اندازِ بیان بڑا شستہ اور رواں دواں ہے، اس پر شروع سے اخیر تک متانت اور شائستگی کا رنگ غالب ہے خلفاء ثلاثہ اور سیدنا علی مرتضیٰؓ کے تعلقات کو بگاڑ کر پیش کرنے والے لوگ اگر غیر جانبداری کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنے خیالات سے رجوع نہ کرلیں۔ یہ ایک بلند پایہ اور نہایت دلچسپ کتاب ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور ایمان میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔ اہل خیر حضرات کو اس کتاب کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کرنے میں ناشرین سے بھرپور تعاون کرنا چاہیئے۔ یہ بات ان کے لئے اجر وثواب کا باعث ہوگی۔

طالب ہاشمی "الحسنات" لاہور۔ اکتوبر ۱۹۸۷ء

نسبِ غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ

مؤلفہ : علامہ سید نہال احمد نقوی امروہوی ایم اے ایل ایل بی (علیگ)
ریٹائرڈ سیشن جج "حیدرآباد دکن" (ہند)

شیعہ مجتہدِ اعظم علامہ علی الحائری کے اس دعوے کی کہ "غوثِ پاک حقیقۃً سیّد نہیں تھے، ان کو سیّد لکھنے والا اولاً ایک نصرانی ہے، بھرپور تردید کا مجموعہ ہے ۔ غوث پاک کے اثبات سیادت پر مؤلف نے تقریباً پچاس کتب کے اقتباسات پیش کیے ہیں۔ کتاب کیا ہے اثباتِ سیادتِ غوثِ پاکؒ پر دلائل کا ناقابلِ تسخیر قلعہ ہے ۔ قیمت ۵/ روپے صفحات ۶۴

ناشر : ادارۂ تحفظ ناموسِ اہلِ بیت پاکستان
اے ۲۱۹، سی بلاک، حیدری ۔ شمالی ناظم آباد ۔ کراچی